

منہج اسلام حضرت مولانا سیدنا الحسن علی ہودوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطبات علی میاں

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

دارالانشاعت

اردو بازار ایم تالے خان روڈ ۵ کراچی ۱

خطبات علی میاں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطبات علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول

تعلیم و تعلم

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب

جامعہ علوم اسلامیہ بشوری ٹاؤن - کراچی

اڈوم بازار المہجہ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

جملہ حقوق باقاعدہ معاہدے کے تحت محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔
ضخامت : 400 صفحات

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور	بیت العلوم 20 ناہید روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	آئینہ بکڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
مکتبہ امدادی بی بی ہسپتال روڈ ملتان	کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار اوپنڈی
مکتبہ رحمانیہ ۱۸- اردو بازار لاہور	یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی	بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلش اقبال کراچی

عرض ناشر

بجاء اللہ دارالاشاعت کراچی کو اسلامی موضوعات میں مستند ترین علماء کی کتب شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے شرف قبول سے نوازیں آمین۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بازے میں اپنے بزرگوں کی زبانی کان میں انکے علمی، تحقیقی، تصنیفی کارنامے سن سن کر جو نقشہ دل و دماغ میں بنا جیسا ایک محسن و مربی کا ہوتا ہے۔ افسوس کہ کبھی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ جامعہ بنوریہ کے ایک فاضل نے حضرت مدظلہم کے خطبات جمع کر کے انہیں کتابی شکل دی اور احقر سے برائے اشاعت رابطہ کیا تو فوری طور پر امت کے اس محسن کے خطبات شائع کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ان صاحب سے بجاء اللہ تحریری طور پر اجازت حاصل کر کے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے علماء، اساتذہ، طلباء اور عام مسلمانوں کے لئے یہ خطبات راہنما ثابت ہو گئے۔

تمام قارئین سے درخواست ہے کہ ناشر مع اہل خانہ اور کارکنان دارالاشاعت کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

ناشر

نطق کو سونا زہے تیرے لب اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعت پرواز پر

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۱۷	انتساب
۱۸	تعلیم و تعلم
۱۹	ابتدائیہ
۲۱	عرض مرتب
۲۹	صاحب خطبات کی مختصر سوانح حیات
۳۳	(۱) طالبانِ علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں
۳۴	مدرسہ کیا ہے۔ مدرسہ کی ذمہ داری اور گراں باری
۳۶	طلبہ اور فضلاء مدارس کی ذمہ داریاں
۴۷	طلباء و فضلاء کا امتیاز
۴۸	کیفیات باطنی
۴۹	مدارس کا باطنی انحطاط
۴۹	انقلاب انگیز شخصیتیں
۵۰	مدارس کی افسردہ فضا
۵۱	دنیا کا امام تقلید و پیروی کے مقام پر
۵۲	طلبہ علوم دینیہ میں احساس کمتری کیوں؟
۵۲	خود شناسی و خود داری
۵۳	زندگی کی آہر و خود داریوں کے دم سے قائم ہے

صفحہ	عنوان
۵۶	یہ راستہ معاشی حوصلہ مند یوں کا نہیں
۵۷	زمانہ کی بے بضاعتی و تشنہ لبی
۵۸	اصل متاع علوم انبیاء
	علوم اسلامیہ کا زندگی سے ربط و تعلق اور اس کے لئے
۵۹	ہمارے اسلاف کی کوششیں
۶۳	زندگی کی رفاقت اور زمانہ کے تقاضوں کی تکمیل
۶۵	نصاب تعلیم کے تغیرات
۶۵	دین کی نمائندگی کے لئے متنوع صلاحیتوں کی ضرورت
۶۶	نئی تحریکوں سے گہری اور ناقدانہ واقفیت کی ضرورت
۶۶	نئے مطالعہ کی مشکلات و ذمہ داریاں
۶۷	ملک کی زبان و ادب سے ربط و تعلق
۷۰	عربی زبان پر قدرت
۷۱	عقائد صحیحہ کی حفاظت
۷۳	نئے دور کے فتنے
۷۴	دور جدید کی ذمہ داریاں
	(۲) ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری اور
۷۵	ان کی مطلوبہ صفات
۷۸	علماء اپنا احتساب کریں
۷۹	چند خطروں کی نشاندہی

صفحہ	عنوان
۸۲	عوام الناس کے ساتھ علماء کا ربط
۸۳	علماء کی زندگی ممتاز ہو
۸۳	ایک واقعہ
۸۶	تعصبات سے گریز کریں
۸۸	(۳) یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم ہے
۸۸	دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے
	فیض مردوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر رہنمائی
۸۹	زندوں ہی سے حاصل ہوتی ہے
۹۰	دین تازہ ہوتا رہے گا
۹۲	پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت
۹۴	ہر شہر میں تبخیر آدمی ہونے چاہئیں
۹۵	خلا پر کرنے کیلئے جانفشانیوں کی ضرورت
۹۹	(۴) دین و علم کا دائمی رشتہ
۹۹	اسلام اور علم کا رابطہ
۱۰۰	پہلی وحی میں علم و قلم کا تذکرہ
۱۰۱	تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا مقام
۱۰۲	حفاظت قرآن کا مفہوم
۱۰۳	فضلائے مدارس کا فرض

صفحہ	عنوان
۱۰۴	عوام کی ذمہ داری
۱۰۵	سرکاری سکولوں میں پڑھنے والے بچوں کیسے دینی تعلیم کا انتظام
۱۰۸	(۵) دعوت ایمان اور پیغام انسانیت
۱۰۸	دعوت کی خاصیت
۱۰۹	صفات میں تغیر پیدا کیجئے
۱۱۱	داعی نے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی
۱۱۴	ہندوستان میں ہمیں کس طرح رہنا چاہئے
۱۱۶	طفلا زو بایت
۱۱۸	(۶) دعوت کا کام ہی امت مسلمہ کی اصل قدر و قیمت ہے
۱۲۶	(۷) مدارس و مکاتب سائنس کا حکم رکھتے ہیں
۱۲۶	شاہ ولی اللہ کا مسلک و مزاج
۱۳۰	ان بزرگان دین نے امت کو یہ دیا
۱۳۱	معاذ جہنم سے بچانے کا ہے
	(۸) مدارس دینیہ کی ضرورت اور علوم دینیہ میں
۱۳۴	اخلاص و اختصاص کی اہمیت
۱۳۶	کسی فن میں امتیاز پیدا کریں
۱۳۷	اخلاص و اختصاص کی ضرورت
۱۳۸	اپنی شناخت کروائیں

صفحہ	عنوان
۱۴۳	جگہ جگہ مدارس و مکاتب قائم کرنے کی ضرورت
۱۴۴	دین کی قدر کریں
۱۴۵	مدارس دینیہ سے وجود کو غنیمت جانیں
۱۴۷	(۹) علماء ربانی ان کا منصب اور ان کے کام کی نوعیت
۱۴۷	علماء انبیاء کے جانشین ہیں
۱۴۸	شرک کیا ہے؟
۱۴۹	چاہیت کی علامت
۱۵۹	بدعت کیا ہے؟
۱۶۹	(۱۰) علماء کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں
۱۶۹	علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں
۱۷۰	علم کی قسمت قسم سے وابستہ ہے
۱۷۱	اللہ کی طرف سے پہلی وحی
۱۷۲	علم کی ابتداء اسم رب سے ہونا چاہئے
۱۸۰	(۱۱) علوم دینیہ کے طلبہ و فضلاء کی کامیابی کی
۱۸۰	تین لازوال شرطیں
۱۸۰	مفتی محمد شفیع صاحب اور پاکستان کے علماء کبار کی یاد
۱۸۱	انقلاب زمانہ کا شکوہ
۱۸۳	سنن الہیہ ناقابل تبدیل ہیں

صفحہ	عنوان
۱۸۴	نافعیت کا احترام و اعتراف
۱۸۵	نافع کی تلاش و طلب
۱۸۶	نافعیت کی قوت خیر
۱۸۸	استغناء و بے غرضی کی طاقت و تاثیر
۱۸۹	سب کمال بن کہ عزیز جہاں شوی
	(۱۲) جو ہم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت
۱۹۱	نبی تباہی کا سبب بنے گا
۱۹۱	آپ ﷺ کو پیدا پیغام الہی
۱۹۳	ہمارا خالق نام کے یا چاہتا ہے
۹۶	بہرا اور آپ کا بنیادی کام
	(۱۳) انسانیت کے زوال کا سبب علم سے
۱۹۷	اللہ کے نام کا جدا ہونا
	(۱۴) موجودہ دور کے بے چین ذہنوں کو مطمئن کرنا
۲۰۳	عہدہ کی سب سے بڑی ذمہ داری
۲۰۶	تاریخ و حیثیت
۲۱۴	(۱۵) دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے
۲۲۴	(۱۶) صنعتی و سائنسی علوم کی تعلیم، افادیت و اہمیت

صفحہ	عنوان
۲۲۴	قرآن مجید میں صنعت کا ذکر
(۱۷)	اکوڑہ خٹک میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد اور
۲۳۲	شہداء کا خون دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں رنگ لایا
۲۳۲	عبادت کی مشقت
۲۳۳	اسلام بند میں
۲۳۵	جہاد کی تین شرطیں
۲۳۷	خون شہیدان ضائع نہیں ہوتا
۲۳۸	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی ضرورت
۲۴۲	(۱۸) عہد حاضر کا چیلنج اور امت محمدیہ کے فرائض
۲۴۳	عصر جدید کا چیلنج
۲۴۴	مشرقی اور مغربی کمپ کا واحد نقطہ نظر
۲۴۵	سب سے بڑا چیلنج مادیت
۲۴۶	وہ حقائق جو مادیت پر ضرب کاری لگاتے ہیں
۲۴۷	بازیکچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
۲۴۷	خواب تھا جو پکھا یہ
۲۴۸	جہد دل گانے کی دنیا نہیں ہے
۲۴۹	مادیت کے راسخ یا مرعب
۲۵۱	قناعت کا جوہر
۲۵۳	حکمت سے مراد اخلاق

صفحہ	عنوان
۲۵۴	ترکیہ کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ناقص
۲۵۵	چند بوریہ نشینوں کی ضرورت
۲۵۶	اس خدا کو کوئی چیز پر نہیں لرستی
۲۵۸	(۱۹) زبردست چیلنج اور دور رس نتائج کے حامل
۲۵۹	تاریخ کے خطرات
۲۶۳	(۲۰) عصر حاضر کا جدید چیلنج اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں
۲۶۴	ملت اسد مسیہ کے علماء حق کا کارنامہ
۲۶۶	مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا کارنامہ
۲۶۸	یہودی پلاننگ
۲۷۰	عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کی اشد ضرورت
۲۷۱	دوسرا کارنامہ
۲۷۳	(۲۱) عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ
۲۷۸	پشت پناہ طاقت
۲۸۲	(۲۲) ملت کا تحفظ، تحریک نفاذ شریعت اور غلبہ اسلام
	(۲۳) زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور
۲۹۸	زندگی کے استحقاق کی زبان ہے
۲۹۹	میرا قدیم اور عمیق تعلق
۳۰۰	کہنے کی باتیں
۳۰۰	دو فریق

صفحہ	عنوان
۳۰۱	زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے
۳۰۱	مذہب کوئی عجیب خانہ اور میوزیم نہیں ہے
۳۰۲	یہ پوزیشن کوئی زندہ اور صاحب دعوت قوم قبول نہیں کر سکتی
۳۰۳	عربی مدارس آثار قدیمہ کے طور پر
۳۰۵	محض قدامت اور تاریخ کے سہرا پر کوئی ادارہ زندہ نہیں رہ سکتا
۳۰۵	بقیۃ النفع کا بزرگ قانون
۳۰۶	زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے
۳۰۸	آپ ایک اہم میڈیا پر تعینات ہیں
۳۰۹	حضرت مولانا محمد علی مونگیری کی فراست و بصیرت
۳۰۹	ندوة العلماء کی تحریک دینی بصیرت کا نقطہ عروج ہے
۳۱۰	کرنے کے دو کام
۳۱۱	طب یونانی کو اس لئے زواں ہوا کہ باکمال لوگ ختم ہو گئے
۳۱۳	مدارس کا بھی یہی حال ہے
۳۱۴	اصل مسئلہ محنت کا ہے
۳۱۵	اصل بات
۳۱۶	دینی صلاحیت پیدا کیجئے
۳۱۷	غارج کے دو کام
۳۲۰	میری درخواست
۳۲۰	رحم کی اپیل پر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی
۳۲۲	(۲۴) زبان ادب کی اہمیت اور اس کی ضرورت
۳۳۶	(۲۵) اپنے کونیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے
۳۵۰	(۲۶) نشان منزل

صفحہ	عنوان
۳۵۱	مخوق کے ساتھ انبیاء کی غیر معمولی شفقت
۳۵۹	دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت
۳۶۳	پیغمبروں کی میراث
۳۶۶	نفسی نفسی کا کاروبار چھوڑیے
۳۶۷	ہلاکت کا سامان
۳۶۹	فسادات کا اصل علاج
۳۷۱	شرین رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
۳۷۲	خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کریں
۳۷۳	زخمی دلوں پر مرہم رکھیے
۳۷۳	حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
۳۷۵	جان و مال کی قربانی سے ملت کی حفاظت
۳۷۶	زمانہ کی تبصیر کو پہچانئے
۳۷۷	عزت کے ساتھ جینے کا راستہ کیا ہے؟
۳۸۰	(۲۷) پیامِ راہ
۳۸۰	علم کا بھی ایک قانون ہے
۳۸۰	سیح راہ کی ضرورت
۳۸۲	یورپ میں استاذ و شاگرد
۳۸۳	علم دین کا امتیاز
۳۸۴	علم سے آداب
۳۸۶	قلم الرجال کا دور
۳۸۷	(۲۸) نعمتِ اسلام کی قدر اور اس پر شکر
۳۹۲	(۲۹) محبت اور سچی روحانیت کی فتح

افتساب

ناچیز اپنی حقیر سی کاوش اور ادنیٰ سی محنت کو عالم اسلام کے عظیم داعی ، مفکر اسلام ، علامۃ الہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی نور اللہ مرقدہ کے فرزند روحانی اور عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سپوت اور میرے استاذ محترم حضرت مولانا حافظ محمد حسین خان^(۱) مدظلہ کے نام نامی منسوب کرتے ہوئے اپنے کو بڑا سعید اور خوش قسمت سمجھتا ہے جنہوں نے بندہ کی تعلیم و تربیت میں شب و روز محنت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے استاذ محترم کو دین کی محنت کیلئے تادیر تروتازہ رکھے خصوصاً نیپال جیسے تنگدے میں ہدایت کی شمع روشن کرنے کی سعی کو شرف قبولیت بخشے۔ اللھم آمین۔

کتبہ

محمد رمضان میاں

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ

بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

(۱) حال بہتم مدرسۃ الحرمین للنبی (کاٹھمنڈو) نیپال

تعلیم و تعلم

میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے، جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم و جدید، مشرقی و مغربی، نظری و عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں، اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ع دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

میں علم و ایک صداقت مانتا ہوں، جو خدا کی وہ دین ہے جو کسی ملک و قوم کی ملک نہیں، اور نہ ہونی چاہئے، مجھے علم کی کثرت میں بھی وحدت نظر آتی ہے وہ وحدت سچائی ہے، سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے، اور اس کو پانے کی خوشی ہے۔ میں علم، ”ب، شاعری، فلسفہ، حکمت“ میں اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی وردی پہن کر رہے، وہی ”عامہ“ اور دانشور ہے، اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر ”وردی“ نہ ہو وہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت، میں علم کی آفاقیت اور علم کی تازگی کا قائل ہوں جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خصوص ہے اور سچی طلب ہے تو خدا کی طرف سے کسی وقت فیضان میں کمی نہیں۔“

مفکر اسلام، علامہ الہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی

طاب الله ثراه وجعل الجنة مثواه

ابتدائیہ

اسی رأیت انه لا یکتب انسان کتابا فی یومہ الا قال فی غدہ
”لو غیر هذا لکان احسن، ولو زید کذا لکان یشیحسن ولو
قدم هذا لکان افضل، ولو ترک هذا لکان اجمل“ وهذا من
اعظم العبرة وهو دلیل علی استیلاء القص علی سائر البشر

(قالہ العماد الاصفہانی فی مقدمة معجم الادباء)

میں نے یہ دیکھا کہ آج جس انسان نے بھی فن تصنیف میں قدم رکھتے
ہوئے خوب اہتمام سے کتاب لکھی ہے تو کل زیور طبع سے آراستہ ہونے
کے بعد اسے خود اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑا ہے کہ اگر اس مقام پر کوئی
تبدیلی کی جاتی تو بہت اچھا ہوتا، اگر کچھ اضافہ کیا جاتا تو اور اچھا سمجھا جاتا،
اگر اس عنوان یا عبارت میں تقدیم و تاخیر کی جاتی تو کس قدر بہتر ہوتا، اگر یہ
عبارت نہ ہی ذکر کی جاتی تو کیا ہی خوبصورتی پیدا ہو جاتی۔

یہ بڑی عبرت کی بات ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ نقص، کمی اور
کمزوری جنس بشر پر مکمل طور پر حاوی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض مرتب

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر فضل و مہم کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس نے ہر دور، ہر زمانے میں اس کی ضرورت کو پورا کیا ہے اور اس کی رہنمائی کے اسباب بھی مہیا کئے ہیں، انسانی ضرورت میں جہاں جسمانی نشوونما کے لئے غذا و طعام درکار ہے وہیں روحانی ضرورت سے تعلق مع اللہ، اخلاص فی الدین کے جذبہ کی بھی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے جسمانی نشوونما کے لئے مختلف انواع، مختلف اقسام اور اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور روحانی ترقی کے لئے اپنی کتاب اور اپنے مقرب و برگزیدہ نبی حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی پائیزہ تعلیمات رکھی ہیں، اسی روحانی ترقی کے لئے ایسے رجال پیدا فرمائے ہیں جنہوں نے اپنے زمانے میں وقت کے تقاضوں کے مطابق انہی بحرین (کتاب، سنت) امت مسلمہ میں دین اسلام کی سیرابی کی ہے اور انسانیت کی تشنگی دور کی ہے، ہر صدی، ہر دور کے علماء کرام اور ائمہ عظام نے تحریر و تقریر، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، وعظ و ارشاد کے ذریعے دین اسلام کے چراغ کو روشن رکھا ہے، موجودہ دور میں جہاں ہر طرف سے فتنوں کی یورش ہے، آزمائشوں اور امتحانوں کا سامنا ہوتا ہے، علماء کرام اپنی خدمات کی بجائے توری میں مصروف ہیں، ہر فتنے کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے، اس کے سد باب کی کوشش میں مصروف کار ہیں، ہمارے دور کی عظیم علمی و روحانی شخصیت مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کا ایک خاص ذوق اور ملکہ عطا فرمایا تھا، حضرت مولانا ندوی قدس سرہ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا

یہ جس موضوع پر کلام فرمایا، اس کا حق ادا کر دیا، جی ہاں! آپ حضرت مولانا قدس سرہ کی کتابیں مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حقیقت یہی ہے۔ آپ نے امت مسلمہ میں دینی دعوت اور اسلامی بیداری کا جو رکن تقلید کا رنامہ انجام دیا ہے، وہ صرف آپ ہی کا خاصہ تھا گو یا قدرت نے اس کو آپ میں ودیعت کے طور پر رکھا تھا، پاکستان کے عظیم مفکر حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں۔

”حضرت مولانا نے مشرق و مغرب اور عرب و عجم میں مسلسل اسد م

کی دعوت کا صور پھونکا ہے اور وہ پوری انسانیت کو اسلام کے ’خوان

یغما‘ پر جمع ہونے کی دعوت دے رہے ہیں، وہ ہمیں کبھی امریکہ و

لندن پہنچ کر ”مغرب سے صاف صاف باتیں“ کرتے نظر آتے

ہیں، کبھی قاہرہ میں ”اسمعی یا مصر“ کی اذان دیتے ہیں اور

کبھی ”اسمعوا ہا منی صریحۃ ایہا العرب“ کے ذریعے

معدن اسلام (عرب) کے نمائندوں کو جھنجھوڑتے ہیں، کبھی دریائے

کابل سے دریائے یرموک تک پہنچ کر عالم اسلام کے مقتداؤں کو

بیدار کرتے ہیں، کبھی انہیں ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و

زوال کا اثر کی کہانی سناتے ہیں (جس کا ایک رخ وجد آفرین ہے تو

دوسرا خون افشان) کبھی ان کے سامنے ”تاریخ دعوت و عزیمت“

کھول کر رکھتے ہیں کبھی انہیں ”اسلامیت و مغربیت کی کشمکش“ کے

ہوٹاں پہنچا کر آگاہ کرتے ہیں، کبھی انہیں آج کے نظریاتی

قافلوں سے ہٹ کر ”کاروانِ مدینہ“ میں شامل ہونے کی دعوت

دیتے ہیں، الغرض مولانا کی دعوت شرق و غرب، عرب و عجم اور افریقہ

و ایشیاء کی حد بند یوں سے بالاتر ہے، وہ پوری انسانیت کو سسکتی بلکتی

انس نیت کو، مادی زخموں سے چور چور انسانیت کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں۔“

(شخصیات و تاثرات ج ۱ ص ۳۱۱، ۳۱۲)

یہی حقیقت ہے، کبھی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دم قدم سے عرب و عجم میں دینی دعوت کا ایک نغمہ گونج رہا تھا، آپ نے جہاں عربی ادب کو اپنی تحریر سے بام عروج پر پہنچایا وہیں اردو زبان کی اہمیت کو بھی اوج ثریا تک رسائی کروائی ہے، دنیا آپ کی تحریر و تقریر کی عاشق اور آپ کی دعوت کی محب ہے بقول شخصے کہ ”اردو زبان میں جان ڈالنے والی شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی قدس سرہ کی ہے اور ہندوستان میں جہاں اردو زبان کو حضرت مولانا ندویؒ نے بلند مقام تک پہنچایا ہے وہیں پاکستان میں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ نے بام عروج پر پہنچایا ہے۔“

آئیے! پاکستان کے ان دو ادیب اور انشاء پرداز حضرات کی سینے، وہ حضرت مولانا ندوی قدس سرہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، حکم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ رقمطراز ہیں:

”پانچویں بزرگ جن کے کمالات، علوم و معارف، فضل و احسان، ورع و تقویٰ، دعوت و عزیمت، حق گوئی و بے باکی، ملت اسلامیہ کی سربندی کے لئے کھلنے پھلنے سے میں زیادہ متاثر ہوا جن کی خدمات پر بے حد رشک آیا اور جن سے غائبانہ عقیدت، محبت میں بدل گئی وہ حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت تھی۔“

(تغیر حیات مفکر اسلام نمبر ص ۱۳۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ان کی تحریروں میں علم و فکر کی فراوانی کے ساتھ بلا کا سوز و گداز ہے جو انسان کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا، خاص طور پر مغربی افکار کی یورش نے ہمارے دور میں جو فکری گمراہیاں پیدا کی ہیں اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں جو فتنے جگائے ہیں ان پر حضرت مولانا کی بڑی وسیع و عمیق نظر تھی اور انہوں نے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ ان فتنوں کی تشخیص اور ان کے علاج کی نشاندہی اتنی سلاوت فکر کے ساتھ اتنے دلنشین انداز میں فرمائی ہے کہ عہد حاضر کے موقنین میں شاید ہی کوئی دوسرا ان کا ہمسری کر سکے۔

(تعمیر حیات، مفکر اسلام نمبر ص ۱۳۶)

زیر نظر کتاب ”خطبات علی میاں کے مطالعہ سے ان حضرات کے ارشاد کی تصدیق ہوتی نظر آئے گی، کیونکہ مذکورہ خطبات میں حضرت مولانا ندوی قدس سرہ نے علم، فضل، ورع و تقویٰ، دعوت و عزیمت، تاریخ و ادب اور دیگر فنون جن کے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے وہ بڑی اہمیت کے حامل ہونے کے ساتھ بڑی عبرت کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں، عام، عام و خدیہ علوم و بیہ کو ان کے مقاصد سے آگاہی، جدید چیلنجوں کے مقابل ان کے مدداریوں کو واضح کیا ہے، اس سے عوام کو فقہ و حدیث، ادب و انشا، اور دعوت و عزیمت کو سمجھنے کا ایک بہترین موقع فراہم ہوگا اور یقیناً کسی خطیب کے خطبات کو کتابی شکل میں جانا اس کے تجربات، مشاہدات، حقائق و واقعات اور اس کی علمی و فکری خدمات کا تپ بین حضرات کے لئے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے، پھر جبکہ وہ خطیب مفسر و مقلد، مورث و محدث، فقیہ و ادیب، دینی فکر کا حامل، اکابر امت کی شفقتوں کا مرکز، امت مسلمہ کا مرجع ہو اور اپنے سینے میں سستی بستی، زخم خوردہ، پریشانیوں و آزمائشوں سے چور چور انسانیت

کے لئے گھٹنے پکھنے والا دل رکھتا ہو، جس کی تقریر میں جوش کے عنصر کے بجائے فکری و ذہنی سازی کا عنصر غالب ہو تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ درحقیقت حضرت مولانا ندوی کے یہ خطبات اسی کے حامل ہیں، قارئین جب اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کے سامنے ایک نئی دنیا کے گوشے واضح ہوتے جائیں گے اور ماضی کے بند درتے کھٹکتے جائیں گے۔

راقم الحروف کو حضرت مولانا ندوی کی پہلی زیارت نیپال کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم نورالاسلام جلیاپور سنسری میں ۳۰ دسمبر ۱۳۱۲ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۹۲ء کو ہوئی، راقم الحروف ان دنوں ابتدائی درجات میں زیر تعلیم تھا، دارالعلوم کے طلبہ میں حضرت مولانا کے نام کا کافی پرجہ تھا طلبہ حضرت مولانا کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اساتذہ بھی ان کے کافی مداح تھے، راقم رشک کرتا تھا کہ یہ شخصیت کیسی ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کتنے نوازے ہوگا۔ وہاں واقعی حضرت مولانا ثم یوضع لہ المقبول فی الارض کے مصداق نظر آتے تھے۔ ان باتوں کے پیش نظر جب مذکورہ تاریخ کو حضرت مولانا کی تشریف آوری ہوئی تو آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی، پہلی ملاقات! جس میں ان کی نظر شفقت نے مجھ کو اپنا گرویدہ بنایا، گویا وہ میری زندگی میں ایک آئیڈیل اور ایک رہبر و رہنما کی ہستی تھی، میں جس کی تلاش میں تھا اس کو میں نے پایا تھا (وہاں دارالعلوم میں حضرت مولانا کا جو خطاب ہوا وہ خطبات مذکورہ ”مدارس دینیہ کی ضرورت اور علوم دینیہ میں اخلاص و اختصاص کی اہمیت“ کے عنوان سے موجود ہے) پاکستان میں جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن راجی میں داخل ہوا تو حضرت مولانا کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ خاص طور سے ”مادہ اخسر العالم بانحطاط المسلمین“ اور تاریخ دعوت و عزیمت پڑھنے کے بعد آپ سے عقیدت محبت میں بدل گئی۔ ایک عرصہ سے میری تمنا تھی کہ عالم اسلام کی اس عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، کو دیکھوں وہاں حضرت مولانا کی زیارت سے اپنی روح کو سہارا کروں، چنانچہ بندہ اپنے وطن واپسی کے موقع پر بائی روڈ ہندوستان روانہ ہوا جہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء، حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، مذکورہ تاریخ یعنی ۲۲ شعبان ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے مہمان خانے میں آپ سے زیارت کا شرف حاصل ہوا،

مغرب کے بعد کا وقت تھا، آپ کی طبیعت ناساز تھی، مذاقات بھی کم فرماتے تھے۔ راقم الحروف جب پہنچا اور آپ کو بتایا گیا کہ بنوری ٹاؤن سے طالب علم آیا ہے تو شرف زیارت بخش، حال احوال کے بعد جب ہمارے محسن جامعہ کے بانی محدث حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کا ذکر خیر آیا تو فرمانے لگے ”حضرت بنوریؒ بہت بڑے عالم اور میرے اچھے دوست تھے۔“ راقم سیاہ کا آپ کی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوا چونکہ دوسرے دن صبح کی گاڑی سے بندہ کو اپنے وطن جانا تھا سچی بات تو یہ ہے کہ کتابوں میں ہم نے جو کچھ اپنے اکابرین کے متعلق پڑھا تھا حضرت مولانا کی زیارت کے بعد مجھے اپنے تمام اکابرین کی جھلک ان میں نظر آئی۔ پھر جب آپ کے حفید سعید حضرت مولانا عبداللہ احسنی اندوی زید مجدہ جو ۲۵ شعبان ۱۴۲۰ھ کو مدرسۃ الحرمین کا ٹھمنڈو کے پہلے سالانہ اجلاس میں تشریف لائے، آپ نے راقم عجز سے فرمایا ”رمضان میاں! رمضان رائے بریلی میں گزارو“ (حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر خوب استفادہ کرو) لیکن اپنے ساتھ تو ایسے اعذار مل گئے تھے کہ راقم حاضر نہ ہو سکا اور حضرت سے مذاقات کے ایک ماہ بعد ۲۲ رمضان مبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو زم آخرت ہوئے انا اللہ وانا الیہ راجعون، صدی کی ختم ہوئی، صدی کے سرے احوال و واقعات اور تاریخ دعوت و عزیمت کو لئے وہ رخصت ہو گئے، بس ایک داعیہ تھا کہ حضرت مولانا ندوی کے پیام کو عام کیا جائے اور اس کے لئے کوشش کی جائے اسی بات کے پیش نظر ان خطبات کی ترتیب کی گئی ہے تاکہ حضرت مولانا کے بیانات و خطبات سے استفادہ کیا جائے، اس پہلی جلد کا تعلق علمائے دین اور طلبانِ علوم نبوت سے ہے جس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے دین کو ان کی مسکونیات اور ذمہ داریوں سے خوب خوب آگاہ کیا ہے، علمِ سلیم کے زوال و انتشار کے موقع پر علمائے اسلام کی ذمہ داری کے احساس، ان کی کوتاہی اور تقصیر پر قہمی اذیت اور مدارِ دینیہ وسیع و جامع تر تخیل کی نزاکت و اہمیت نے شاید ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا سارا علمی اثاثہ ارند و خستہ بے تکلف و مخلصانہ طور پر اپنے عزیزوں کے سامنے رکھ دیں، جن نتائج تک وہ طویل علمی راہِ نووردی اور تحقیق و جستجو کے بعد پہنچتے تھے اس کا لب لباب ان کے سامنے پیش رویا، موجودہ دور میں ان کے وجود کی قدر دانی سمجھائی اور ملتِ اسلامیہ نے ان سے

کیا کیا توقعات قائم کر رکھی ہیں اسے واضح طور پر سمجھایا ہے، ساتھ ہی علماء کو جدید چیلنجوں سے آگاہ کرتے ہوئے ان کا حل بھی تجویز فرمادیا ہے جو ان علماء کرام کو ذہنی پریشانیوں سے، احساس کمتری سے نکالنے میں معاون ہوگی، اسی طرح طالبان علوم نبوت کے حاملین کو موجودہ حالت میں صحیح معنوں میں تعظیم حاصل کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی اور وہ صفات اور شرائط بیان کئے جن کے بغیر ان کے مقاصد علمی کی تکمیل ناممکن ہے اور جوان کی زندگی کیلئے مشعل راہ اور زاد سفر بن سکتے ہیں۔ ان خطبات کا مرکزی خیال اور بنیادی موضوع ایک ہی تھا کہ ایک طالب علم کی نگاہ کن بلند مقاصد پر ڈینی چاہئے اور محدود و مخصوص ماحول میں رہ رہی وہ کیا کچھ بن سکتے ہیں اور دنیا کو کیا کچھ دے سکتے ہیں؟ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جو جو ہر کمال اس کے اندر ودیعت فرمائی ہے اس کو ترقی دے کر اور چمکا کر وہ کن علمی و روحانی بلندیوں پر اپنا نشیمن بنا سکتے ہیں، آج کے اس مغربیت و لادینیت کے عام گیر سیلاب میں عربی مدارس کی طلبہ کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت زیادہ ہے، اس پر آشوب زمانہ میں ملت اسلامیہ کو ایسے افراد مطلوب ہیں جو ان کی صحیح رہنمائی کر سکیں، یہ کام وہی طلبہ کرام کر سکتے ہیں جو زندہ دل ہوں، چونکہ یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے ہی قائم رہ سکتا ہے، وہ افراد بڑے ایمان و یقین بڑے اخلاق و کردار، بڑے علمی رسوخ و راقبہ، و بڑی کاوش اور ریاضت والے ہوں، چنانچہ طلبہ علوم دینیہ و اسلامیہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ ان صفات جمیلہ اور اوصاف حمیدہ کو اپنے اندر پیدا کریں تاکہ وہ ان مدارس سے فارغ ہو کر نکلنے کے بعد ملت اسلامیہ کی احسن طریقہ پر رہنمائی کر سکیں، اسلاف امت کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی کہ وہ ان صفات کے حامل تھے، ان کے اندر ٹھوس علمی صلاحیت موجود تھی جس کے نتیجے میں انہوں نے امت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کی اور یہ دین محفوظ شکل میں آج ہم تک پہنچا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بالتفصیل ان موضوعات پر روشنی ڈالی ہے جسے پڑھ کر طلبہ یقیناً اپنی منزلت کو پہنچائیں گے اور اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کریں گے اور اپنی ذہنی پریشانیوں کو رفع کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خطبات قارئین کرام کے حق میں بھی مشعل راہ اور سراغ زندگی ثابت ہونگے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات میں سے دوسری اور تیسری جلد نشاء اللہ دعوتی

مضامین سے متعلق ہونگی، اللہ تعالیٰ بندے کو ہمت و حوصلہ اور توفیق عنایت فرمائے کہ بندہ اس سعادت مند کو احسن طریق پر انجام دے سکے، اخلاقی فرض کو مد نظر رکھتے ہوئے میں ان تمام ہی حضرات کا بحد مشکور و ممنون ہوں جنہوں نے اس کام میں میری ہر طرح سے مدد میں خصوصاً میرے معاون عزیزان برادران رفیق محترم مووی محمد رشید سمد اللہ اور محمد ہارون مدوہ، رفیق محترم مووی محمد سفینہ بند شہری سمد اللہ (مرتبہ تذکرہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ) ہے، میں ان کا مشکور و ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی کمپوزنگ کے مرحلہ سے لے کر تصحیح ترتیب تک معاونت دی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دین متین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ قارئینِ راسخ سے امتحان کروں گا کہ جہاں ان خطبات میں کوئی غلطی یا جگہ کو پائیں اس کو مرتب کی کمی سمجھیں نہ کہ حضرت مولانا کی کیونکہ خطبات میں غلطی کا رہ جانا خطیب کی غلطی نہیں بلکہ مرتب کی غلطی ہوتی ہے اور راقم کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جائے اور اپنی دعاؤں میں حضرت مولانا کے ساتھ ساتھ میرے امدین، میرے اساتذہ اور ساتھیوں کو بھی یاد کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دین اسلام کی خدمت و دعوت کے لئے قبول فرمائے آمین۔

کتبہ

راقم عاجز محمد رمضان میاں (نیپالی) عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الاول ۱۴۲۲ھ

۱۲ اگست ۲۰۰۱ء

یوم انا حد

مقیمین جامعہ العلوم اسلامیہ مدینہ بنوری ٹاؤن راجھی پاکستان

سوانح حیات مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسینی ندوی نور اللہ مرقدہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اساسی فکر، حضرت سید احمد شہید کی دینی تحریک، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی حکمت دین، حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی کی تبحر علمی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی وسعت علمی، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی کے تجدید دین، حضرت مولانا محمد الیس دہلوی کی عالمی دعوت و فکر، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی حمیت و غیرت دینی، حضرت مولانا شاہ عبدالحق درراے پوری کی بیعت و ارشاد، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے پیامدستی عقائد کا مجموعہ جو شخصیت بنتی ہے وہ مفکر اسلام، حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسینی اندوی کی ذات با برکت ہے جن کے دم قدم سے برصغیر پاک و ہند بلکہ پورے عالم اسلام میں دعوت الی اللہ کی فکر بیدار ہوئی اور خوابیدہ انسانیت کے سامنے دین اسلام کی روشنی پیدا ہوئی، انہی کی ذات با سعادت کے متعلق یہ چند سطور آپ کے حالات و خدمات کے حوالے سے قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

ولادت:

● آپ کی ولادت ۶ محرم ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۱۳ء بروز جمعہ بمقام قلعہ کلاں، رائے بریلی (یوپی) ہندوستان میں ہوئی۔

والدین:

● آپ کے والد کا نام حکیم سید عبدالحی، اور والدہ کا نام خیر النساء تھا اور بہتر شخص سمجھے جاتے تھے۔

تھیں، ڈاٹھ سید عبدالعلیؒ ۱۳۸۱ھ آپ کے بڑے بھائی اور ائمۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ ۱۳۵۵ھ اور ائمۃ اعزیز آپ کی بڑی بہن تھیں، مولانا مرحوم کی والدہ محترمہ حافظہ قرآن تھیں اور آپ کی خالہ، اور خالہ زاد بہن، ممائی اور پھوپھی سب کی سب قرآن مجید حفظ کئے ہوئے تھیں۔ نو سال کی عمر میں آپ کے والد ۱۳۳۱ھ اور ۵۶ سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا ۱۳۸۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابتدائی تعلیم:

● آپ نے ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا سید عزیز الرحمن حسنی اور مولانا محمود علی سے قرآن مجید، اردو اور فارسی پڑھی۔

عربی تعلیم:

● آپ نے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز شیخ خلیل عرب محمد انصاری یمانی سے اور ڈاکٹر تقی الدین ہلان مراشی سے حاصل کی اور ان ہی کی تربیت میں عربی زبان و ادب کی تکمیل بھی کی۔

علم تفسیر:

● آپ نے شیخ خلیل عرب، انصاری سے منتخب سورتوں کی تفسیر کا درس لیا، اور مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری (وفات ۲۳ فروری ۱۱۶۲ھ) سے ان کے ترتیب دیئے نظام کے مطابق ۱۳۵۱ھ میں لاہور میں قیام کر کے پورے قرآن کریم کی تفسیر پڑھی۔

علوم شرقیہ:

● آپ نے ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے علوم شرقیہ کے شعبہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت حضرت مولانا لکھنؤ یونیورسٹی کے سب سے کم سن طالب علم تھے، اور یونیورسٹی سے فاضل ادب کی امتیازی سند حاصل کی۔

علم حدیث:

● آپ نے ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاں کے درس حدیث میں خاص طور سے شرکت کی اور ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد، اور سنن ترمذی حرقاً حرقاً پڑھی۔

● ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند جا کر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے علم حدیث کے اسباق سے استفادہ کیا، اور آپ کے تفسیر و علوم قرآن کے اسباق میں بھی شرکت کی۔

علم فقہ:

● آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا اعجاز علی امروہی صاحب سے علم فقہ کا درس لیا۔

علم تجوید:

● آپ نے قاری اصغری صاحب سے روایت حفص کے مطابق تجوید پڑھی۔

نکاح:

● آپ کی شادی نومبر ۱۹۳۴ء میں حقیقی مایا زاد بہن سید احمد سعید صاحب کی صاحبزادی حضرت تہذیبہ انبی کی پوتی اور مفتی عبدالرزاق صاحب (صاحب صمصام الاسلام منظوم ترجمہ فتوح الشام) کی نواسی سے ہوئی اور مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا حیدر حسن خاں نے خطبہ نکاح پڑھا۔ آپ کی کوئی صبیبی اور دہیس بہن نہ رہی اعتبار سے دنیا میں آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں ہی میں نہیں کروڑوں ہے۔

فلسفہ:

● آپ نے سید امت حضرت مولانا سید سلیمان ندوی سے فلسفہ پڑھا، اور سید صاحب کے عزیز شاگرد ہے اور ان کے علم و طرز کار سے فیض حاصل کیا اور علامہ شبلی کے اسلوب و زبان کے نہ صرف قد رواں رہے بلکہ خوشہ چیں بھی تھے۔

سلوک و طریقت:

● آپ نے ۱۹۳۱ء میں مولانا احمد علی لاہوری کے شیخ مولانا غلام محمد بھوپوری سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۳۲ء میں اپنے شیخ کے اشارے پر مولانا عبدالرحیم رائے پوری کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوئے۔

انگریزی تعلیم:

● آپ نے ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان انگریزی زبان سیکھنے پر توجہ دی جس

سے اسلامی موضوعات اور عربی تہذیب و تاریخ وغیرہ پر انگریزی کی کتابوں سے براہ راست استفادہ کرنے کے لائق ہوئے۔

حلیہ و لباس:

● درمیانہ قد، بلندی تقریباً ساڑھے پانچ فٹ، گول چہرہ، صبیح رنگ، ہاتھ مخمس جیسا نرم و ملائم، حس طبیعت، ہمیشہ سفید کپڑے زیب تن فرماتے، کرتہ اور چوڑی مہری کا پانچ ماہ جو ٹخنوں سے اوپر رہتا، ٹوپی کبھی گھڑی دیوار، کبھی پے در، عیدین و تقریبات و سفر میں شيروانی پہنتے تھے اور عیدین کے موقع پر سر پر رومال اور جبہ، چھڑی، تسبیح اور جیب گھڑی ساتھ رہتی۔

رنج اور خوشی:

● حضرت مولانا کے خادم خاص حاجی عبدالرزاق صاحب بتاتے ہیں کہ میں ۱۹۶۰ء سے مستقل حضرت کے ساتھ سفر و حضر میں رہا، حضرت کا سب سے ممتاز خاصہ تواضع و انکساری ہے۔

● اس چالیس سال کی حویل مدت میں ایک بار کسی بات پر حد درجہ ناراضگی بتاتے ہوئے صرف اتنا فرمایا، ”تکلیف ہوئی“ اور اس مدت میں خوشی کا لمحہ وہ تھا جب ۱۹۹۸ء میں حرم شریف حاضری کے وقت کلید بردار نے کلید کعبہ شریف کے چوکھٹ پر رکھتے ہوئے تالہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ اور دخول کعبہ کا شرف حاصل ہوا۔

غم کا لمحہ:

● سب سے زیادہ غم ۱۹۶۱ء میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالمصطفیٰ صاحب کی وفات

کے وقت حاضر نہ رہنے کا ہوا، اس وقت حضرت موسیٰ نابراما کے سفر پر تھے۔

پسندیدگی:

● سال کے دس مہینے (حدود دسمبر و جنوری) برف کا ٹھنڈا پانی پیتے، چائے صبح ناشتہ کے بعد اور بعد عصر ایک وقت میں دو تین پیالی پینے کا معمول تھا، چائے کی پیالی لبریز و گرم اتنی کہ ب سوز اور پیٹھی اتنی کہ لب باز ہو۔

معمولات:

● رات کے آخری حصہ میں فجر کی نماز سے پہلے یاد الہی میں مشغول رہتے، بعد فجر ٹہننے کا معمول تھا، آخری دنوں میں بیماری، کمزوری اور بے خوابی کی وجہ سے آرام فرماتے تھے، سات سے سات بجے تک ناشتہ اور وگوں سے منے کا معمول تھا۔ اس کے بعد نماز چاشت تلاوت قرآن مجید اور پھر دو تین معونین کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں بیٹھ جاتے اور ساڑھے بارہ بجے تک تصنیف و تالیف اور خطوط کے جوابات دیتے، بعد نماز ظہر کھانا کھاتے اور اس کے فوراً بعد آرام فرماتے اور عصر کی نماز سے پہلے کبھی ڈاک، کبھی مذاقات اور کبھی قرآن مجید پڑھنے کا معمول تھا۔

● عصر کے بعد مہمانوں سے مذاقات فرماتے اور مغرب کی نماز سے بیس منٹ پہلے نماز کی تیاری، بعد نماز مغرب، اندرون خانہ جاتے، اگر رائے بریلی میں رہتے اور سفر کی راہی سے قبل قبرستان بکرف تھے پڑھتے۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھاتے اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اس کے بعد تھوڑی دیر طلبہ واساتذہ سے گفتگو فرماتے اور دس بجے تک سو جانے کا معمول تھا۔

ظرافت:

● حضرت مولانا کی طبیعت میں خشکی نہیں تھی، بلکہ طبعاً بہت ثریف تھے، ایک مرتبہ انجمن امتیاز صاحب جو ندوہ تکیہ ضیاء العلوم اور تیندوا کی عمارتوں کی نگرانی کرتے ہیں حضرت کا پیر دبانے گئے، حضرت نے فرمایا آپ چھوڑ دیں، جہاں آپ کا ہاتھ لگتا ہے وہاں عمارت کھڑی ہو جاتی ہے، ایک مرتبہ حافظ عتیق الرحمن صاحب (ناظر مطبخ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کا جب مطبخ ندویہ سے مطبخ قدیم تبادلہ ہوا تو انہوں نے حضرت کو اس کی اطلاع دی آپ نے فرمایا کہ صرف ع۔خ کا فرق ہے یعنی مطبخ سے مطبخ آئے ہیں۔

● حاجی عبدالرزاق صاحب (حضرت کے خادم خاص) کے بارے میں ایک خط میں لکھا کہ یہ ہرے زندگی کے ساتھی اور بڑھاپے کی لائھی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ نیند آگئی کسی نے آپ کے کندھوں کے پاس سے کھٹل پکڑا اور کہا حضرت کھٹل تھ، آپ نے برجستہ کہا کہ میرا نام بھی تو علی ہے۔

علمی و دعوتی زندگی:

● عربی میں سب سے پہلا مقالہ سید رشید رضا مصری کے مجلہ المنار میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا جو سید احمد شہید کی تحریک کے موضوع پر تھا۔ ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس بنائے گئے اور تفسیر وحدیث اور ادب عربی تاریخ و منطق کا درس دیا۔

● ۱۹۳۹ء میں دینی مراکز سے واقفیت کے لئے ایک سفر کیا جس میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری اور مصباح کبیر حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی سے تعارف حاصل ہوا، اور اسی وقت سے ان سے مستقل ربط و تعلق ہو گیا چنانچہ اول الذکر سے روحانی تربیت حاصل کی اور ثانی الذکر کی رہنمائی و سرپرستی میں تبلیغ و دعوت کا فریضہ انجام دیا، اور یہ تعلق

ناحیات قائم رہا۔

- ۱۹۴۳ء میں انجمن تعمیرات اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس میں قرآن کریم اور سنت نبویہ کے درس کا سلسلہ جاری کیا جو بے حد مقبول ہوا۔
- ۱۹۴۵ء میں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن کی حیثیت سے منتخب کئے گئے۔
- ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تجویز پر نائب معتمد تعلیم متعین کئے گئے۔
- ۱۹۵۱ء میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی، چونکہ اخلاقی قدریں بے دردی کے ساتھ پامال کی جا رہی ہیں۔ خود غرضی بلکہ خود پرستی کا جنون سب پر سوار ہے۔ انسان کی جان و مال عزت و آبرو کا احترام تیزی کے ساتھ رخصت ہو رہا ہے اسی فقدان کو دور کرنے کے لئے تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی گئی۔
- ۱۹۵۴ء میں علامہ سید سلمان ندوی کی وفات کے بعد ہمارا اتفاق معتمد تعلیم قرار پائے۔

- ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام قائم کی۔
- ۱۹۶۱ء میں براور ابراہیم عبدالعلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد نائب معتمد العلماء منتخب ہوئے۔

- ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کئی پیکچرس دیئے جو النبوة والانبیاء فی ضوء القرآن کے نام سے شائع ہوئے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

اعزازات، مناصب، تعلیمی اداروں اور تعلیمی مراکز کی رکنیت:

- ۱۹۵۵ء میں مشرق کے مجمع اللغة العربیہ کے مراسلاتی ممبر منتخب ہوئے۔
- ۱۹۶۲ء میں رابطہ عامہ سیدی کی تائیس و قیام کے لئے پہلا جلسہ مکہ مکرمہ میں ہوا، جس میں جلالہ الملک مسعود بن عبدالعزیز اور یسبیا کے حاکم اور یس سنوی بھی شریک

تھے، اس جلسہ میں نظامت کے فرائض مورخانے انجام دیئے۔

- ۱۹۶۲ء میں ہی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس و قیام کے وقت اس کی مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے، اور مجلس شوریٰ کے خاتمہ تک اس منصب پر فائز رہے۔
- رابطہ الجامعات الاسلامیہ (رابطہ مراکش) کی کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل کی قیادت میں شریک ہوئے، پھر ندوة العلماء کے نمائندہ کے طور پر مستقل ممبر رہے۔

● ۱۹۸۰ء میں اردن کے مجمع اللغة العربیہ کے رکن بنائے گئے۔

- ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ادب میں پی، ایچ، ڈی کی اعزازی ڈگری عطاء کی گئی۔

● ۱۹۸۳ء میں آکسفورڈ کے اسلامک سینٹر کے قیام کے وقت تاحیات صدر بنائے گئے۔

- ۱۹۸۴ء میں رابطہ الادب الاسلامی العالیہ کے قیام کے وقت تاحیات صدر بنائے گئے۔

● ۱۹۶۸ء میں سعودی وزیر تعلیم کی دعوت پر کلینیہ الشریعہ کے نصاب و نظام کی تیاری کے لئے ریاض تشریف لے گئے اور اس موقع پر وہاں جامعۃ الریاض اور کلینیہ المعلمین (ٹیچرس ٹریننگ کالج) میں کئی لیکچر دیئے۔

- ۱۹۳۲ء میں ندوة العلماء سے عربی نکلنے والے پرچے ”الضیاء“ کی ادارت میں اور ۱۹۴۰ء میں اردو پرچے اندوۃ کی ادارت میں شریک رہے اور ۱۹۴۸ء میں انجمن تعلیمات اسلام کی طرف سے ”تمیز“ کے نام سے اردو میں ایک پرچہ کا ناس شروع کیا۔

● ۵۹-۱۹۵۸ء میں دمشق سے نکلنے والے پرچے ”المسلمون“ میں اداریئے تحریر فرمائے۔ پہلا ادارہ ”ردۃ ولا اساکر لہا“ لکھ جس کا اردو ترجمہ نیا طوفان اور اس کا

مقابلہ کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ استاذ محبت الدین خطیب کے پرچہ ”الفتح“ میں بھی بعض مقالات شائع ہوئے۔

● ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ سے ندائے ملت نکلتا شروع ہوا، تو اس کی سرپرستی فرمائی اور ۱۹۵۵ء میں ندوہ سے عربی رسالہ ”البعث الاسلامی“ اور ۱۹۵۹ء میں نکلتے والے عربی رسالہ ”الرائد“ نیز ۱۹۶۳ء سے نکلتے والے اردو رسالہ پندرہ روزہ ”تیسرے حیات“ ان تینوں رسالوں کے سرپرست اعلیٰ رہے۔

● ۱۹۸۰ء میں اسلامی دنیا میں نمایاں علمی و عملی خدمات کے اعتراف میں ۱۴۰۰ھ کا شاہ فیصل ایوارڈ آپ کو ۱۲ فروری ۱۹۸۰ء کو ریاض میں منعقدہ ایک پروگرام تقریب میں دیا گیا۔ حکومت سعودی عرب کا یہ اعزاز دو لاکھ چالیس ہزار ریال نقد (ہندوستانی رقم چوبیس لاکھ روپے) اور ایک سند پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے شاہ فیصل ایوارڈ کی نصف رقم افغان پناہ گزینوں اور بقیہ نصف رقم مکہ مکرمہ کے دینی اداروں (ادارہ حفظ القرآن اور مدرسہ صولیہ) کو برابر تقسیم کر دیا۔

● علامہ سید سیمان ندویؒ کی سیرت النبی جلد ۸ پر مقدمہ حضرت مولانا نے لکھا تھا۔ کتاب جب پاکستان سے شائع ہوئی تو صدر ضیاء الحق مرحوم نے حضرت مولانا مرحوم کو ایک لاکھ روپے کا ایوارڈ دیا، حضرت مولانا مرحوم نے نصف رقم دارالمصنفین اعظم گڑھ اور نصف رقم علامہ سید سیمان ندویؒ کی اہلیہ کو عنایت کر دی۔

● ۱۹۹۹ء میں دہلی کے بین الاقوامی حسن قرأت کے عالمی مقابلہ کے موقع پر عالم اسلامی کی عظیم اسلامی شخصیت کا ایوارڈ ایک شاندار تقریب میں پیش کیا گیا۔ یہ رقم بھی حضرت مولانا نے ہندوستان کے تمام دینی اداروں میں تقسیم کر دی جو تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔

● ۱۹۹۹ء میں کسفورڈ اسلامی سینٹر کی طرف سے تاریخ دعوت و عزیمت کے

سلسلہ میں سلطان حسن جتپہ (برونائی انٹرنیشنل ایوارڈ سے نوازے گئے، یہ رقم بھی احباب اور ضرورت مندوں کو تقسیم کر دی)۔

تعلیمی اداروں اور تعلیمی مراکز کی رکنیت:

- ۸ جون ۱۹۶۱ء کو ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے۔
- صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، ہندوستان۔
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل، بھارت، ہندوستان۔
- صدر مجلس انتظامی و مجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ، ہندوستان۔
- صدر اسلامک سینٹر آف کسٹورٹ یونیورسٹی لندن، برطانیہ۔
- صدر فاؤنڈیشن فار اسٹڈیز اینڈ ریسرچ لکزمبرگ۔
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ہندوستان۔
- صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی۔
- رکن موسسہ آل البیت، عمان، اردن۔
- بانی و صدر تحریک پیام انسانیت، ہندوستان۔
- رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، سعودی عرب۔
- رکن مجلس شوری اسلامیہ مدینہ منورہ، سعودی عرب۔
- رکن عربی اکیڈمی دمشق و قاہرہ و اردن۔
- رکن اکیڈمی آف لیبرس دمشق و یونیورسٹی دمشق، سوريا۔
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت، لبنان۔
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سنٹر جنیوا۔
- رکن مجلس برائے فقہ اسلامی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، سعودی عرب۔

- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، ہندوستان۔
- رکن مجلس عامہ سلاطین یونیورسٹیز فیڈریشن رباط مراکش۔
- رکن ایڈمیٹف عربی بینکویتجز عمان۔
- رکن نیشنل فیونڈیشن فی ریسرچ اینڈ اسٹڈیز تیونس۔
- وزیٹنٹ پروفیسر دمشق مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب۔

اسفار:

- ۱۹۲۹ء میں لاہور کا سفر کیا جو دور دراز کا سب سے پہلا سفر تھا۔ جہاں لاہور کے علمی و دینی بزرگوں سے ملاقاتیں تھیں اور شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم سے بھی ملے، جن کی نظم ”چاند“ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، اسے پیش کیا۔
- ۱۹۳۵ء میں بتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بمبئی کا سفر کیا۔

- ۱۹۴۷ء میں حج کا پہلا سفر کیا، اور چند ماہ حجاز میں قیام رہا، یہ بیرون ملک کا سب سے پہلا سفر تھا، ورنج کا دورہ اس سفر ۱۹۵۰ء میں ہوا، اور وہیں سے مصر، سوڈان و شام و اردن کا سفر کیا۔

- ۱۹۵۱ء میں مصر کا پہلا سفر تھا جبکہ مولانا کی کتاب ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) مورخہ سے پہلے وہاں کے تمام اہم حلقوں میں پہنچ کر متعارف ہو چکی تھی، یہ کتاب خود مولانا کے لئے تعارف کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔ اسی سفر میں فلسطین بھی گئے اور بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کی، واپسی میں اردن کے حکمران شاہ عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔

- ۱۹۵۶ء میں ترکی کا پہلا سفر کیا (جس کی روداد دو ہفتے ترکی میں کے عنوان سے

شائع ہوئی) اسی سال بنان کا سفر بھی کیا۔

● ۱۹۶۰ء میں برما کا سفر کیا۔

● ۱۹۶۲ء میں کویت کا پہلا سفر کیا بعد میں کویت اور چلی میں لکے متعدد اسفار

ہوئے۔ اردن اور یمن کا سفر بھی ہوا، اور جگہ جگہ دعوتی خطاب ہوئے۔

● ۱۹۶۳ء میں یورپ کا پہلا سفر ہوا جس میں لندن، پیرس، کیسہ ج اور آکسفورڈ

وغیرہ جانا ہوا اور اسپین کے اہم شہر بھی گئے۔

● ۱۹۷۶ء میں مسجد قصبی کا سفر ہوا۔

● ۱۹۷۷ء میں امریکہ کا پہلا سفر ہوا، یہ دو ماہ دس دن کا سفر تھا، اس سفر میں امریکہ

کے مختلف شہروں میں جانا ہوا اور دعوتی و دینی خطاب ہوئے اور آنکھ کا آپریشن بھی کرایا۔

● ۱۹۷۷ء میں افغانستان، ایران، عراق اور لبنان (مراکش) کے سب سے رابطہ عالم

اسلامی کے وفد کی قیادت کی۔

● ۱۹۸۵ء میں بحیم کا سفر ہوا۔

● ۱۹۸۷ء میں تاشقند و سمرقند وغیرہ کا سفر ہوا۔ اردن کا سفر ۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۴ء میں ہوا۔

● اسپین ۱۹۶۳ء، افغانستان ۱۹۷۳ء، متحدہ عرب امارات ۱۹۷۷ء، ۱۹۷۶ء،

۱۹۸۳ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۳ء اور آخر میں ۱۹۹۹ء، شمالی امریکہ ۱۹۷۷ء، ۱۹۹۳ء، یورپ

۱۹۶۳ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء

ایران ۱۹۷۳ء میں سفر کئے۔

پاکستان کا ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۷۸ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۶ء میں سفر کیا

بنی راکا ۱۹۸۶ء میں سفر کیا۔

برطانیہ کا ۱۹۶۳ء اور ۱۹۸۵ء میں سفر کیا۔

برما کا ۱۹۶۰ء میں سفر کیا

ترکی کا ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۶ء میں سفر کئے۔
الجزائر کا ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۶ء میں سفر کیا۔

حجہ زکاء ۱۹۴۷ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۹ء میں سفر کیا۔ اس کے
ندوہ بھی کئی اسفار ہوئے۔

قطر، ۱۹۷۹ء، ۱۹۹۵ء میں سفر کیا۔

الرباط، ۱۹۷۶ء میں سفر کیا۔

سری لنکا، ۱۹۸۲ء میں سفر کیا۔

سمرقند، ۱۹۹۳ء میں سفر کیا۔

سوڈان، ۱۹۵۱ء میں سفر کیا۔

شام، ۱۹۵۱ء، ۱۹۵۲ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۷۳ء میں سفر کئے۔

عراق، ۱۹۵۶ء، ۱۹۷۳ء میں سفر کیا۔

عمان، ۱۹۵۱ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۹۸ء میں سفر کیا۔

فلسطین، ۱۹۵۱ء میں سفر کیا۔

کویت، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۸ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۷۷ء میں سفر کئے۔

لبنان، ۱۹۵۶ء، ۱۹۷۳ء میں سفر کئے۔

لاہور، ۱۹۲۹ء میں سفر کیا۔

بلیش، ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۷ء میں سفر کیا۔

مراکش، ۱۹۸۶ء میں سفر کیا۔

مصر، ۱۹۵۱ء میں سفر کیا۔

نیپال، ۱۹۹۲ء میں سفر کیا۔

یمن، ۱۹۸۴ء میں سفر کیا۔

طالبانِ علومِ نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

یہ تقریر مارچ ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کے ایک جلسہ میں کی گئی تھی۔ اس تقریر میں دینی مدرسہ کا حقیقی منصب و مقام اور اس کے طلبہ و فضلاء کی ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں اور ان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ عصر جدید ان سے کس قسم کی توقعات رکھتا ہے، اور اس دور میں دین کی دعوت اور خدمت کے لئے ان کو کس قسم کے تیاریوں کی ضرورت ہے اور طالبانِ علومِ نبوت کو خدمتِ دین کیلئے خوب خوب ترغیب دی گئی ہیں جو ان کے حق میں مفید ثابت ہوگا، انشاء اللہ۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين ، وعلى آله واصحابه اجمعين ، ومن تبعهم
باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين . اما بعد ! فاعوذ بالله من
الشيطان الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم . رب اشرح لي
صدرى ويسر لي امرى واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولى .

عزیزانِ گرامی!

مجھے اس وقت آپ سے اس حیثیت سے گفتگو کرنی ہے کہ آپ دینی مدارس کے طالب علم ہیں اور میں ان کا دیرینہ خادم اور آپ کا رفیق سفر، موضوع کی اہمیت اور وقت کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی زندگی کے تجربات اور اپنے محدود مطالعہ کے نتائج بے تکلف رکھ دوں، اور زندگی کے سفر کی سب سے قیمتی اور عزیز سوغات آپ

کے سامنے پیش کر دوں، آپ نے مجھے گفتگو کا موقع دے کر عزت بخشی ہے، آپ نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، میری خواہش اور کوشش ہونی چاہئے کہ میں اس اعتماد کا اہل ثابت ہوں، اور اس تھوڑے سے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں، اس لئے کہ یہ وقت آپ نے بڑے قیمتی مشاغل سے نکال دیا ہے، اور یہ ان لوگوں کا وقت ہے جن کی ساعتیں اور لمحات مہینوں اور برسوں کے حساب سے تلنے چاہئیں۔

مدرسہ کیا ہے؟

وہ ستوا! ہم کو سب سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ ایک دینی مدرسہ کا مقام اور منصب کیا ہے؟ مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسد م کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عام اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے، اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کافر مان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر، زبان و ادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اس سے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے جو عالمگیر بھی ہے اور زندۂ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم و جدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت پائے جاتے ہیں۔

مدرسہ کی ذمہ داری اور گراں باری

حضرات! کسی مدرسہ کے لئے اس سے بڑھ کر قابل احتجاج اور قابل اعتراض غلط

نہیں ہو سکتے کہ وہ محض ایک دارالآثار یا کسی قدیم عہد کی یادگار ہے، میں اس کو مدرسہ کے حق میں ازالہ حیثیت عرفی کے مترادف سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو ہر منزل سے بڑھ کر مستحکم، طاقت ور، زندگی کی صد حیت رکھنے والا اور حرکت و نمو سے لبریز سمجھتا ہوں، اس کا ایک سرانہوت محمدیؐ سے ملا ہوا ہے، دوسرا سر اس زندگی سے، وہ نبوت محمدیؐ کے چشمہ حیات سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے ان کشتزاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت محمدیؐ کا دریا پیاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدیؐ کے چشمہ فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کے کاسہ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار، ادھر سے اسما انا قاسم واللہ يعطی کی صدائے مکرر ہے، تو ادھر سے هل من مزید، هل من مرید کی فغانِ مسلسل، مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ متحرک اور مصروف ادارہ ہو سکتا ہے، زندگی کے مسائل بے شمار، زندگی کے تغیرات بیشمار، زندگی کی ضرورتیں بیشمار، زندگی کی غلطیوں بیشمار، زندگی کی لغزشیں بیشمار، زندگی کے فریب بیشمار، زندگی کے رہنما بے شمار، زندگی کی تمتائیں بیشمار، زندگی کے حوصے بیشمار، مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا تو اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ ہمہ گیر اور ہمہ فراحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لئے آرام ہے، لیکن اس مسافر کے لئے راحت حرام ہے! اگر زندگی میں ٹھہر و ہو، سکون اور وقوف ہو، تو حرج نہیں کہ مدرسہ بھی چلتے چلتے دم لے لے، لیکن جب زندگی رواں اور رواں ہے تو مدرسہ میں جمود اور تعطل کی گنجائش کہاں ہے، اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا ہے، بدلتے ہوئے حالات میں احکام دینے میں، ڈمگاتے ہوئے پیروں کو جمانا ہے، وہ زندگی سے پیچھے رہ جائے یا تھک جائے، یا کسی منزل پر قیام کر لے، یا اس کو کوئی مقام خوش آجائے، تو زندگی کی رفقت اور قیادت کون کرے، سرود ازیلی اور پیغم

محمدیؐ اسے کون سنائے، مدرسہ کا تعطل، قیادت سے کنارہ کشی، کسی منزل پر قیام، خود کشی کا مترادف اور انسانیت کے ساتھ بیوفائی کا ہم معنی ہے، اور کوئی خود شناس اور فرض آشنا مدرسہ اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

طلبہ و فضلاء مدارس کی ذمہ داریاں

دوستو! مدرسہ کے طالب علم کی حیثیت سے آپ کا کام سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ عظیم ہے، میں نہیں جانتا کہ اس وقت دنیا کی کسی جماعت یا کسی گروہ کا کام اتنا نازک، وسیع اور اہم ہو، ان الفاظ پر دوبارہ غور کیجئے کہ آپ کا ایک سرانہوت محمدیؐ سے ملا ہوا ہے، دوسرا ہر زندگی سے، یہی آپ کے کام کی نزاکت کی وجہ سے آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ نبوت محمدیؐ سے وابستگی اور اتصال جہاں ایک بہت بڑی خوش نصیبی اور سرفرازی ہے وہاں ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے، آپ کے پاس حقائق اور عقائد کی سب سے بڑی دولت اور سب سے عظیم سرمایہ ہے، اس وابستگی سے آپ پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، آپ میں غیر متزلزل یقین اور راسخ ایمان ہونا چاہئے، آپ میں یہ حوصلہ اور ہمت ہونی چاہئے کہ ساری دنیا ملتی ہو، تو اس کے ایک نقطہ سے بھی دستبردار ہونے کے سوال پر غور نہ کر سکیں، آپ کے دلوں میں اس کی حمایت و نصرت کا جذبہ موجزن ہونا چاہئے، آپ کا دل اس بے بدل دولت پر فخر اور شکر سے بھرپور ہو، آپ کو اس کی صداقت، اس کی معنویت، اس کی ابدیت، اس کی ہر زمانہ میں صلاحیت اس کی بلندی و برتری اور اس کی معصومیت پر غیر متبدل یقین ہو، آپ اس کے مقابل ہر چیز کو پورے اطمینان کے ساتھ جاہلیت کی میراث سمجھتے ہوں۔ آپ جہاں احکام خداوندی اور تعلیمات اسلامی کو سن کر سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا کہیں، وہاں جاہلیت کے نظام اور جاہلیت کے ممبرداروں کو مخاطب کر کے کہیں، کہ کُفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَأَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَ الْبُغْضَاءُ اَلَا حَتّٰی تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ حُدَّهِ۔ آپ اسلام ہی کی رہنمائی اور اسوہ محمدیؐ ہی

کی روشنی میں دنیا کی نجات کا یقین رکھتے ہوں، اور آپ کا اس پر عقیدہ ہو کہ اس طوفانِ نوح میں سفینہٴ نوح صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اہمیت ہے، آپ یقین کرتے ہوں کہ افراد اور قوم کی سرفرازی اور سر بلندی کی شرط صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ:

محمد عربیؐ کہ آبروئے ہر دوسراست کیسکہ خاک درش نیست خاک بر سرا
آپ تعلیماتِ نبوت کے علم کا لب لباب اور حقیقۃ الحقائق سمجھتے ہوں، آپ اس کے مقابلے میں تمام دنیا کی الہیات اور فلسفہ مابعد الطبعیات اور قیاسات و روایات کو افسانہ و خرافات سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہ ہوں، آپ توحید کی حقیقت سے واقف اور اس پر مصر ہوں، اور شرک اور تمام دنیا کے علم الٰہ صنام کو خواہ وہ کیسے ہی پر جلال مہمی اصطلاحات اور فلسفہ کی زبان میں بیان کیا گیا ہو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں، اور زُخْرُفُ الْقَوْلِ غروراً سے زیادہ مرتبہ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں آپ سنت کے اتباع کے حریص، اور خیر الہدیٰ ھدیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے ہوں، اور بدعات کے مضر اور نامقبول ہونے پر آپ کو شرح صدر ہو، غرض آپ اعتقادی، ذہنی، فکری، قلبی، ذوقی اور عملی حیثیت سے نبوتِ محمدیؐ کی جامعیت اور عملیت کے قائل اور اس کی عملی تفسیر ہوں۔

طلباء و فضلاء کا امتیاز

دوستو! دنیا کے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں آپ کا امتیاز یہ ہے کہ ان حقائق پر دوسروں کا اجمالی ایمان کافی ہے مگر آپ کو اس پر پورا ذہنی اطمینان اور شرح صدر ہونا چاہئے، آپ کا صرف قائل ہونا کافی نہیں، اس کا داعی ہونا ضروری ہے، دوسروں کا یقین لازمی ہو تو کافی ہے، آپ کا یقین متعدی ہونا چاہئے، جو سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو یقین سے لبریز کر دے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آپ کا یہ سرورِ سرخوشی و

سرستی سب خودی کی حد تک نہ پہنچی ہو، اور آپ میں یکرہ ان يعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار کی حقیقت نہ پائی جاتی ہو، تعییمات نبوت سے دوسروں کی سرسری واقفیت کافی ہے، مگر آپ کے لئے علوم نبوت میں رسوخ، علوم نبوت سے عشق، علوم نبوت میں مقام فنائیت، علوم نبوت پر اصرار ضروری ہے، اس کے بغیر دعوت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ دعوتوں اور تحریکوں کے اس طوفانی دور میں اس کے بغیر اپنی خصوصیات اور سرمایہ کی حفاظت بھی مشکل ہے۔

کیفیات باطنی

یہ بھی یاد رکھئے کہ نبوت محمدیؐ نے جس طرح علوم و احکام کا ایک بے پایاں دفتر اور وسیع ترین ذخیرہ چھوڑا۔ فان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما ولكن ورثوا هذا العلم یہ ذخیرہ قرآن و حدیث فقہ و احکام کی صورت میں محفوظ ہے، اور آپ کا مدرسہ بحمد اللہ اس کی خدمت و اشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے، اسی طرح نبوت محمدیؐ نے کچھ اوصاف خصوصیات، اور کیفیات بھی چھوڑے، جس طرح پہلا سرمایہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت و اشاعت کا انتظام کیا، اسی طرح دوسرا سرمایہ بھی برابر منتقل ہوتا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے، یہ اوصاف و خصوصیات یہ ہیں، یقین، اخلاص، ایمان و احتساب، تعلق مع اللہ، انابت اخبات، خشوع و خضوع، دعا و اپتہال، استغناء و توکل، اعتماد علی اللہ، درود و محبت خود شکنی و خود داری، نبوت علوم و احکام اور اوصاف و کیفیات دونوں کی جامع تھی، هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیہم آیاتہ و یرکبہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ، نبوت محمدیؐ سے صرف علوم و احکام بین اور کیفیات و اوصاف کو ترک کر دینا ناقص وراثت ہے اور ناممکن نیابت، دنیا میں جن دونوں نے نبوت کی نیابت کی اور اسلام کی امانت ہم تک پہنچائی، وہ صرف ایک حصہ کے امین نہ تھے وہ دونوں دونوں سے مالا مال تھے، اب بھی اسلام کی

دعوت اور اسلامی انقلاب صرف پہلے حصہ سے برپا نہیں کیا جاسکتا، آپ کو جن اسلاف کی طرف نسبت کا شرف حاصل ہے، وہ بھی ان دونوں خصوصیتوں کے جامع تھے، آپ اگر حقیقی نیابت کے منصب بلند پر سرفراز ہونا چاہتے ہیں، تو آپ کو اس جامعیت کی کوشش کرنی پڑے گی اس کے بغیر علم و فن کی صناعی کاغذی پھول ہیں، جن میں نہ خوشبو نہ تازگی، آج دنیا کے بازار میں کاغذی اور ولایتی پھولوں کی کمی نہیں، ہم اور آپ اس میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کر سکتے، یہاں تو نبوت کے باغ کے شاداب پھول چاہئیں، جو مشام جاں کو معطر کر دیں، اور جن کے سامنے دنیا کے پھول شرم جائیں۔ فوق العاق و بطل ما کانو یعملون۔

مدارس کا باطنی انحطاط

آپ برا نہ مانیں، کہنے والا بھی آپ ہی میں سے ہے۔ عرصہ سے ہمارے مدارس ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جا رہے ہیں، ان اوصاف میں روز افزوں انحطاط ہے، ہم کو دل پر پتھر رکھ کر سننا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہنے والے نے کہاں تک صحیح کہا ہے کہ:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک

نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے جس تعداد میں لوگ فارغ ہو کر نکلتے ہیں، کبھی اس تعداد میں نہیں نکلتے تھے، لیکن زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے ہیں۔

انقلاب انگیز شخصیتیں

پہلے اسی ملک میں خوجہ معین الدین اجمیری یا سید علی ہمدانی کشمیری جیسے ایک فقیر بے نوا آتا اور پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور اپنے ایمان کے نور سے

بھر دیتا، حضرت مجدد الف ثانی نے حکومت مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیا، انہیں کی خاموش مساعی کا نتیجہ تھا کہ ہم اکبر کے تخت پر اورنگ زیب جیسے فقیہ و متشرع بادشاہ کو دیکھتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے اس طو میں و عریض ملک کا رجحان بدل دیا، اور پورے نظام فکر اور نظم تعلیم پر گہرا اثر ڈالا، مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک عام مایوسی اور پسپائی کے دور میں اتنا بڑا اسلامی قلعہ تعمیر کر دیا، اور علوم شریعت کو ایک نئی زندگی بخش دی، ابھی پچھلے عرصہ میں مولانا محمد الیاس نے ایمان اور دینی جدوجہد کی ایک نئی روح پھونک دی، غرض

رع جہانے راوگرگوں کر دیک مرد خود آگاہے

آج ہمارے فضا، اس روح سے خالی، ان کیفیات سے عاری، اور اس قوت سے محروم ہیں، جو لوگوں کو نئے سرے سے سوچنے اور بدل جانے پر مجبور کر دیتی تھی، زمانہ بڑا حقیقت شناس ہے، وہ صرف بلندی کے سامنے جھکتا ہے، دماغ بلند دماغ کے سامنے جھکتے ہیں، اور خالی اور سرد و معمور اور گرم دلوں کا لوہا مانتے ہیں، ہمارے مدارس میں دماغی انحطاط بھی روز افزوں ہے اور قلبی افسردگی بھی رو بہ ترقی، مقررین اور واعظین کی اب بھی کمی نہیں، مگر بقول حضرت جگر ۔

آنکھوں میں سرور عشق نہیں، چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں

مدارس کی افسردہ فضا

مدارس جو کبھی طاقت اور زندگی کا مرکز تھے، اور جہاں انقلاب آفریں شخصیتیں پیدا ہوتی تھیں، وہ مایوسی، افسردگی اور احساس کمتری کا شکار ہیں، آج مدارس کی تعداد میں، ان کے طلبہ کی تعداد میں، درس کی کتابوں کی تعداد میں، کتب کے مندرجات کی تعداد میں و وظائف کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہے، مگر زندگی کی نبض سست اور قلب کی دھڑکن کمزور ہے، کوئی حساس دردمند کبھی بھی اس طرف نکل جاتا ہے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اور وہ اس بحر کابل کو دیکھ کر کہنے لگتا ہے ۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ، کہ تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

لیکن اب تو مدارس کے حق میں کسی طوفان سے آشنا ہونے کی دعا کرتے ہوئے بھی
 دل ڈرتا ہے، آج مدارس میں طوفان کے آثار نظر آتے ہیں، لیکن یہ باہر کے طوفان کے
 پھیلنے اور موجیں ہیں جو مدارس کے درودیوار سے ٹکرا رہی ہیں، یہ باہر کے ہنگاموں اور
 سطحی اور عوامی تحریکات کی صدائے بازگشت ہے، جس میں ہمارے مدارس کے صلب کا مقام
 محض نقل یا آلہ صوت کا ہے۔

دنیا کا امام تقلید و پیروی کے مقام پر

یہ بڑا افسوس ناک منظر، اور بڑی دلخراش حقیقت ہے کہ جو تحریکیں اور دعوتیں، جو
 ہنگامے اور شور، جو انتشار و اضطراب، جو تنظیمیں اور طریقہ احتجاج آج عصری درگاہوں
 اور دنیاوی تعلیم گاہوں میں نامقبول ہو رہے ہیں، اور پیش پا افتادہ اور بہتہ فرسودہ سمجھے جانے
 لگے ہیں، وہ ہمارے مدارس میں اب باریاب ہو رہے ہیں اور جن کو زمانہ کا محتسب، اپنے
 عصر کا امام اور خود صاحب دعوت اور صاحب مقام ہونا چاہئے تھا، وہ لادینی درسگاہوں کے
 تابع اور مقلد ہونے پر فخر کر رہے ہیں۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
 وہ کہند دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

آج مدارس کا سب سے بڑا فتنہ اور سب سے بڑا ذہنی طاعون بڑھتا ہوا احساس
 کمتری ہے، جو گھن کی طرح اس درخت کو کھاتا چلا جا رہا ہے، کسی ارہ کو اگر یہ گھن لگ
 جائے تو پھر اس کی زندگی محال ہے۔

احساس کمتری کیوں؟

عزیزو! آپ احساس کمتری کا کیوں شکار ہوں؟ دوسروں کا احساس کمتری دینی کمزوری، ضعف عقیدہ، اور ضعف ایمان کی دلیل ہے، جس کے نتائج بہت ہیچیدہ اور دور رس ہیں، انبیاء کے نائبین اور علوم نبوت کے حاملین کو اپنی کمتری اور حقارت کا احساس ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبوت کے مقام سے نا آشنا اور یقین سے خالی ہیں، آپ تو ان ہستیوں کے جانشین ہیں جن کے متعلق عارف رومی نے بجا طور پر کہا تھا۔

نخوتے دارند و کبرے چو شہاں
چاکری خواہند از اہل جہاں
اور جن کے متعلق سعدیؒ کے الفاظ میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا، کہ ع
شہان بے کلمہ و خسروان بے کمراند

خود شناسی و خود داری

میرے عزیز طلبہ! آپ کے پاس جو دولت ہے اس سے دنیا کا دامن خالی ہے، آپ کے سینہ میں عوالم نبوت ہیں، اور وہ حقائق ہیں جو دنیا سے گم ہو چکے ہیں، اور جن کے گم ہونے سے آج عالم میں اندھیرا ہے، اضطراب و انتشار ہے، شرف و فساد ہے، آپ اپنے ان سادہ کپڑوں، ان حقیر جسموں اور اس خالی جیب و دامن پر نظر نہ کریں، آپ دیکھیں کہ آپ کا سینہ کن دوستوں سے معمور، اور آپ کے اندر کیسے بدرکامل مستور ہے۔

بر خود نظر کشز تہی دامن مرنج

در سینہ تو ماہ تہا سے نہا وہ اند

آپ یہ دیکھیں حقارت، ذلت کا تعلق انسان کے اندرون سے ہے، عام خارجی اور بیرونی دنیا سے بہت کم ہے، حقارت ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے، احساس حقارت کا

نتیجہ ہے انسان کے شک و شبہ، ضعف و تذبذب، اور خود شناسی کے فقدان کا انسان خود اپنے کو حقیر و بے مایہ سمجھتا ہے، اور اس کو دھوکہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور دنیا میں وہ بے قیمت اور ذلیل ہے، حالانکہ یہ جفا وہ خود اپنے اوپر کرتا ہے، یاد رکھیے جو خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو جائے اس کو کوئی با عزت نہیں بنا سکتا، اور جو خود اپنے کو اپنی نظر سے برا دے، کسی کو اس کی بالکل ضرورت نہیں کہ اس کو اپنے دل یا آنکھوں میں جگہ دے، جس کی گنجائش خود اپنے یہاں نہیں ہے، اس کی گنجائش کون و مکان میں نہیں ہے، یہ زمین بقدر دل سمٹتی اور پھیلتی ہے، اور اس کی وسعت گھٹتی اور بڑھتی ہے، آدمی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے اپنے کو اپنے دل میں کیا مقام دیا ہے اور اس کا معاملہ خود اپنی ذات کے ساتھ کیا ہے، اگر کسی نے اپنے کو ذلیل و حقیر، مجبور بے بس، تنہی دست و بے بضاعت اور دنیا کے بازار میں بے قیمت و بے ضرورت سمجھ لیا ہے، تو اس کو دنیا سے کسی انصاف اور کسی اعزاز کی توقع نہیں کرنی چاہئے، حاتم طائی نے اسی حقیقت کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ۔

ونفسک اکرمھا فانک ان تھن

علیک فلن تلقی من الناس مکرما

اپنی ذات کی خود عزت کرو، اس لئے کہ اگر تم اپنی نگاہ میں ذلیل اور بے وزن ہو جاؤ گے تو پھر دنیا میں تمہیں کوئی بھی عزت کرنے والا نہیں ملے گا۔

دوستو! مجھے یقین ہے کہ ہم حقیر نہیں، صرف احساسِ حقارت کے مریض ہیں، اور یہ احساسِ حقارت ہماری خود نا شناسی اور خود فراموشی پر مبنی ہے، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ہم اپنے مقام سے باخبر ہو جائیں اور اپنی دولت اور سرمایہ کا صحیح جائزہ میں، دنیا کی تبدیلی، نگاہوں کی تبدیلی، سب ہماری نگاہ کی تبدیلی کے تابع ہے، جس دن ہماری یہ نگاہ بدلی، دنیا بدل جائے گی، اور حقارت کا یہ مہیب سایہ جو ہمارے دل و دماغ پر مسط ہے اور ہم کو ڈرا رہا ہے کا فوراً ہو جائے گا، کہنے والے نے کچھ غلط نہیں کہا ۔

اور اگر با خبر اپنی شرافت سے ہو

تیری سپہ انس و جن، تو ہے امیر جنود

ہماری قدیم اور معاصر تاریخ میں جن اشخاص نے اپنے مقام کو پہچان لیا، اور جن کو اس کا احساس ہو گیا کہ اللہ نے ان کو کون سی دولت دی ہے اور کس منصب پر سرفراز کیا ہے، ان کو یہ سہرا عالم پست نظر آنے لگا، ان کو سلطنتیں نہیں خرید سکیں، انہوں نے دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش سن کر ہمیشہ زیر لب مسکرا کر کہا ۔

بردایں دام بر مرغ و گرنہ

کہ عنقرا بلند است آشیانہ

انسانی تاریخ کی آبرو جوارزاں فروشیوں اور خود فراموشیوں کی داستانوں سے داغدار ہے، انہیں خود آشنا و خدا شناس انسانوں کے دم سے ہے، انسانیت کا سر انہیں کی بدوست اونچا ہے، جنہوں نے اپنا سر ہمیشہ اونچا رکھا۔

زندگی کی آبرو خود داروں کے دم سے قائم ہے

عزیزانِ گرامی! اس زندگی کے بقاء و تسلسل کے لئے جس طرح غذا اور لباس کی ضرورت، مادی ساز و سامان کی ضرورت ہے، اور لوگوں نے اس کا ذمہ لیا ہے، اسی طرح زندگی کے فروغ اور وقار اور انسانیت کے شرف اور اعتبار کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس مادہ پرست کوتاہ بین دنیا میں وقت فوقتاً پیغمبرانہ خود داری اور دنیا کے انکار اور حقارت کا بھی اظہار ہوتا رہے، اور کسی کسی شوشہ سے یہ صدا بھی آتی رہے، کہ اَتْمِدُّوْْنَ بِمَالِ فَمَا اَتَاْسِ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا اَتَاْكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدٰیْتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ۔ جس روز یہ صدا با کل بند ہو جائے گی، اور ساری دنیا ملام کی منڈی بن جائے گی، جہاں جو ہر اور اک شعلہ ایمان اور متاعِ علم سب کسی نہ کسی دام پر منہ لگیں گے، اور انسان جمادات اور حیوانات کی طرح ارزاں اور گراں بکنے لگیں گے، اس دن یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے گی، اور انسانیت اپنی

آب و تاب کھودے گی، اب اس کی ذمہ داری کہ انسانیت کی خود داری اور پیغمبروں کی سرداری کی شان قائم رہے، تنہا آپ کے سر ہے، اس کی توقع ان درسگاہوں سے نہیں کی جاسکتی، جنہوں نے معدہ اور پیٹ کے نصب العین سے بلند ہونے کا دعویٰ خود بھی نہیں کیا، اس کی توقع تو آپ ہی سے ہو سکتی ہے، جن کے اسلاف میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ جیسے غیور اور خود شناس امام گزرے ہیں جن کو حکومت عباسیہ کسی قیمت پر خرید نہ سکی، امام غزالی جیسے عالی ہمت جنہوں نے حریم خلافت کے اشارہ کے باوجود نظامیہ بغداد کی صدر مدرس جو خلافت کے بعد سب سے بڑا دینی اعزاز تھا قبول نہیں کی، حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے صاحب عزیمت جنہوں نے جہانگیر کے سامنے جھکنے پر گوالیار کی اسیری کو ترجیح دی، آپ کے اسلاف میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں بھی ہیں، جن کو بادشاہ دہلی نے پیغام بھیجا کہ اللہ نے اتنی بڑی سلطنت مجھے عطا کی ہے، آپ اس میں سے کچھ قبول فرمالیں، فرمایا اللہ تعالیٰ تو ہفت اقلیم کو متاع الدنیا قلیل فرماتا ہے پھر ایک اقلیم میں سے ایک ولایت آپ کے حصے میں آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے، نواب آصف جاہ نے ایک بار بیس ہزار روپیہ نذر کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، نواب نے کہا لے کر محتاجوں کو بانٹ دیجئے، فرمایا کہ مجھ کو اس کا سلیقہ نہیں، یہاں سے نکل کر بانٹتے چھ جائے، گھر تک پہنچتے پہنچتے تقسیم ہو جائیگا، نہ ہو تو وہاں ہو جائے گا، آپ کے اسلاف میں سے حضرت شاہ غلام علی صاحب دہوی بھی تھے، نواب میر خاں والی ریاست ٹونک نے ان کی خانقاہ کے سالانہ مصارف کے لئے کچھ مقرر کرنا چاہا تو ان کو مکھ دیا گیا کہ ۔

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم

با میر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

آپ کے اسد ف میں مولانا عبد الرحیم راپوری جیسے مدرس گزرے ہیں، جنہوں

نے ریاست کے دس روپیہ ماہوار کو بریلی کالج کے ڈھائی سو روپیہ کی اسمی پر اور لوجہ اللہ پڑھانے کو ایک معزز پروفیسری پر یہ بہہ کر ترجیح دی کہ اگر خدا نے قیامت کے دن پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا، آپ کے اسلاف رَام میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے علی گڑھ کے ایک دیندار رئیس کی تنخواہ میں جو غائبادس روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ تھی، دو روپیہ ماہوار یہ کہہ کر کمی کرا دی کہ میں دو روپیہ اپنی والدہ صاحبہ کو دیا کرتا تھا ان کے انتقال کے بعد یہ روپیہ فاضل ہے اور میں قیامت کے دن اس کے حساب سے بچنا چاہتا ہوں، آپ کے اسد ف قریب میں وہ ایثار پیشہ مدرسین ہیں جنہوں نے اپنے مدارس کی چھوٹی چھوٹی تنخواہوں اور اپنے اساتذہ اور شیوخ کے قرب پر بڑی بڑی درسگاہوں کی بڑی بڑی پیشکشوں کو قربان کر دیا اور عسرت اور تنگی میں اپنی عمر بسر دی، آپ کو یقیناً یہ شعر پڑھنے کا حق ہے کہ ۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم ۔

اذا جمعنا یا جریر المجمع

یہ راستہ معاشی حوصلہ مند یوں کا نہیں

دوستو! آپ اس سے یہ خیال نہ فرمائیں کہ مجھے زمانہ کی تبدیلی، ضروریات کی زیادتی، ہمتوں اور قوی کی کمزوری، حالات کے اختلاف کا کوئی احساس نہیں، اور میں آپ سے اس زمانہ میں مولانا عبدالرحیم اور مولانا محمد قاسم صاحب کے ایثار و زہد کا پورا مطالبہ کر رہا ہوں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کا راستہ بلاشبہ ایثار و قناعت، یا مرضی الہی نے آپ کے لئے پسند کیا ہے، وہ معاشی حوصلہ مند یوں اور دنیاوی سر بلند یوں کا راستہ نہیں، اس راستے پر تو قد کنت فینا میوٰ قبل هذا کا طعنہ سنتا ہی پڑے گا، اس راستے پر تو لا تَمُدَّنْ عینک الی ما متعنا به ازواجنا منهم زهرة الحیاة الدنیا لِنَفْسِہم فیہ و

رزق ربک حیر و ابقی کا سبق پڑھنا ہی پڑے گا، لیکن اس کا انعام کیا ہے وہ بھی سن لیجئے وجعلنا ہم انمة یهدون بامرنا لما صبروا و کانوا یایتنا یوقنون . مولانا روم نے اسی مقام کی خبر دی ہے، کہ

معدہ را بگزار سوئے دل خرام
تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام

زمانہ کی بے بضاعتی و تشنہ لبی

آپ کو جو احساس کمتری تکلیف دے رہا ہے، اس کی کچھ توجہ یہ ہے کہ آپ اپنے مقام سے واقف نہیں، میں نے اس کو تفصیل سے عرض کر دیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ اس دنیا سے واقف نہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ زمانہ کس قدر بے بضاعت و تہی دامن، اور کس قدر تشنہ لب ہے، آپ اس زمانہ کو مرعوب اور بچائی ہوئی نظر سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ آپ اس سے نا آشنا ہیں، آپ اس کو قریب سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ کس درجہ دیوالیہ ہے اور اس کو اپنے دیوالیہ پن کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، اس کے سب سکے کھوٹے نکلے، اس کے سب تیر دغا دے گئے، اس کے سب چشمے سراب ثابت ہوئے، اس کے سب فلسفے اور نظام اس کے سب ازم ناکام رہے، اس کے سب خواب بے تعبیر رہے، آپ کے پاس نبوت محمدیؐ کے عطا کئے ہوئے جو حقائق ہیں، ان کو اپنی کم نظری سے پیش کرتے ہوئے آپ شرماتے ہیں کہ زمانہ سائنس اور سیاسیات اور اقتصادیات کی ترقی کا ہے، لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ آج وہ انہیں کے لئے بیتاب اور چشم براہ ہے، آج تو میں ان لوگوں کے انتظار میں ہیں جو ان کو زندگی کا نیا راستہ بتلائیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حیات سنا لیں۔

ہمہ آہو ان صحرا سر خود نہا وہ برکف
با میدان کہ روزے یشکار خواہی آمد

اصل متاع علوم انبیاء

آپ جن باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں اور جن کو آپ نے کوئی وقعت نہیں دی، میں نے بڑے بڑے فضلوں کو ان پر سر دھنتے دیکھا ہے، جب ان کے سامنے پیغمبروں کو بتائی ہوئی باتیں کی گئیں تو ایسا معصوم ہوا کہ جیسے کسی بلندی سے خطاب کیا جا رہا ہے اور ان کے کان اس سے نا آشنا تھے، آپ دنیا کے بازار میں اسی کا مال اور اسی کی مصنوعات لے جانا چاہتے ہیں، پھر اس کا کیا شکوہ کہ وہ بضاعتنا ردت الینا کہہ کر آپ کے سامنے ڈال دیتی ہے، دنیا آپ سے امیدوار ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی اطلاعات اور بتلائے ہوئے راستہ کو پیش کریں، دنیا آج بھی ان کے سامنے سر جھکانے کے لئے تیار ہے، اس کے دماغ اب بھی اس کے سامنے سرنگوں ہیں، جیسے چھٹی صدی مسیحی کے محدود ماحول میں سرنگوں تھے، یقیناً آپ کے پاس یونانیوں کے طبعیات و عنصریات و فنکیات پر جو چند اوراق ہیں، اس کے مقابلے میں یورپ کے پاس سائنس اور تجربات و مشاہدات کی ایک دنیا ہے، یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ آج یورپ کو یونان کی فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلیات کی دقیقہ سنجیوں سے مرعوب نہیں کر سکتے، ان کی زندگی ختم ہو گئی ہے، اور وہ اپنی طاقت کھو چکے ہیں لیکن آپ کے پاس انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے جو معصوم اور حقائق ہیں، یورپ و ایشیاء ان سے اب بھی محروم ہے، اس کے پاس آپ کے عقلی و فکری نتائج اور آپ کے علمی ذخیرے کا کچھ نہ کچھ جواب ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جواب نہیں، آپ اپنی اصل قوت اور حقیقی دوست لے جائیں اور پورے امتداد یقین کے ساتھ زندگی کے میدان میں آئیں، اس میدان میں آپ کا کوئی حریف نہیں، آپ کے پاس انسانیت کے نئے جو دعوت اور پیغام ہے، آپ کے پاس علم و حقیقت کا جو سرچشمہ ہے، آپ کو جس ذاتِ رami سے نسبتِ غدی حاصل ہے اس کے بعد آپ میں سے ہر شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ

عجب کیا گرمہ و پرویں مرے نچیر ہو جائیں
کہ برف تراک صاحب دولتے لبستم سر خود را
وہ دانائے شبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشش فروغِ وادی سین

علوم اسلامیہ کا زندگی سے ربط و تعلق اور اس کے لئے ہمارے اسلاف کی کوششیں

عزیزانِ گرامی! میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کے تعلق کا ایک سرانہوت محمدیؐ سے ملتا ہے، اس سے آپ پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، میں نے ابھی تک اسی کی تفصیل بیان کی ہے، اسی کے ساتھ یہ عرض کیا گیا تھا کہ آپ کا دوسرا سر از زندگی سے ملتا ہے، اب میں عرض کروں گا کہ اس کی کیا ذمہ داریاں اور تیاریاں ہیں، اور آپ اس کے حقوق و فرائض سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

عزیزو! اور دوستو! نبوت نے جو علوم و حقائق اور جو اصول و ضوابط عطا کئے ہیں، ان میں ایک شوشہ اور ایک نقطہ کی ترمیم ممکن نہیں، آپ کے اسلاف کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انہوں نے ان میں کوئی تحریف اور کوئی تبدیلی نہیں ہونے دی اور اس ذخیرے کو ہمارے ہاتھوں تک بے کم و کاست پہنچا دیا، لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کو یاد رکھیے کہ ہمارے انھیں اسلاف نے ہر دور اور ہر عصر میں اس ذخیرے کو زندگی میں منتقل کرنے کی کوشش بھی جاری رکھی، انہوں نے اپنی ذہانت اور محنت سے اس ذخیرے کو ایک زندہ قابلِ عمل اور نمو پذیر ذخیرہ ثابت کیا، انہوں نے اس کی ایسی ترجمانی اور تشریح کی کہ ان کی معاصر نسلوں کے دماغوں نے اس کو باسانی قبول اور ہضم کر لیا، اور ان کو اپنے زمانہ اپنی عقلی سطح اور اس ذخیرے کے درمیان کوئی تفاوت اور فاصلہ محسوس نہیں ہوا، ان میں اصل

شریعت، مقاصد دین، اور منصوبات کے بارے میں پہاڑوں کی سی استقامت، اور فولاد کی سی صلابت تھی، لیکن اس کی تعبیر و تشریح میں، اس کی توضیح و تفہیم میں شاخِ گل کی سی لچک اور ریشم کی سی نرمی تھی، ان کا عمل دراصل سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حکیمانہ ہدایت پر تھا، کہ کلموا الناس علی قدر عقولہم اتريدون ان یکذب اللہ ورسولہ۔ اس لئے انہوں نے ہر زمانہ کی عقلی سطح کے مطابق دین کی تشریح و ترجمانی کا فرض انجام دیا، اور اس زمانہ کی نفسیات و ضروریات کا لحاظ کیا، تیسری صدی میں مامون و معتصم کی سرپرستی اور یونانی علوم کے اثرات سے معتزلہ دماغوں پر چھا گئے تھے، اور عقیدت کے واحد نمائندہ تصور کئے جانے لگے تھے، اعتزال زمانہ کا فیشن اور روشن خیالی کی علامت بنتا جا رہا تھا، اس وقت امام ابو الحسن اشعری نے معتزلہ کی اس عقلی اجارہ داری کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور شریعت و سنت کی حمایت و نصرت اور عقائد اہل سنت کا اثبات اسی زبان، انھیں اصطلاحات اور اسی اسلوب میں کرنا شروع کیا، جس کے سہارے معتزلہ نے اپنا علمی تفوق اور ذہنی سیادت قائم کی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی مدت میں معتزلہ کا یہ عقلی حسم ٹوٹ گیا، اور سنت و شریعت کے حقوق میں جو احس کھتری تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا وہ دفعۃً رک گیا، ابو بکر بن الصیرفی کا مقولہ ہے کہ ”معتزلہ نے بہت سر اٹھایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ کے لئے شیخ ابو الحسن اشعری کو پیدا کیا، انہوں نے اپنی ذہانت و استدلال سے ان کو بند کر دیا۔“ اس کارنامہ کی بناء پر ابو بکر اسمعیلی جیسے مبصرین نے ان کو مجددین امت میں شمار کیا ہے۔

امام ابو الحسن اشعری کے بعد ان کے مکتب خیال کے علماء نے ان کے کام کو جاری رکھا، اور قاضی ابو بکر باقلانی، شیخ ابوالحق اسفرائینی جیسے متکلم، اور علامہ ابوالحق شیرازی اور امام الحرمین جیسے مدرس و استاد پیدا ہوئے جنہوں نے اہل سنت کا علمی تفوق قائم رکھا لیکن اس عرصہ میں یونان کا علمی ذخیرہ عربی میں منتقل ہو چکا تھا اور باطنیوں اور فلاسفہ نے مل کر

فلسفہ کو تقدیس و عصمت کا جامہ پہنا دیا تھا اور وہ عقلیت و حق کا معیار بن گیا تھا، ادھر علم کلام کے حق میں جس کو سب سے زیادہ زمانہ شناس اور بیدار مغز ہونا چاہئے تھا، جمود و تقلید سرایت کر گئی تھی، علماء کلام کو نہ صرف اس پر اصرار تھا کہ اشعری و ماتریدی عقائد کو تسلیم کیا جائے بلکہ اس پر بھی اصرار تھا کہ عقائد کو ثابت کرنے کے لئے بھی وہی مقدمات و دلائل اور وہی الفاظ و اصطلاحات استعمال کئے جائیں جو اشاعرہ و ماتریدیہ نے استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ زمانہ نئے دلائل اور نئے طرز استدلال اور نئے اجتہاد کا حال لب تھا۔ امام ابو الحسن اشعری کا دور فلسفہ کا دور طفولیت تھا اور عالم اسلام میں اس کا نیا نیا تعارف ہوا تھا، پانچویں صدی میں وہ اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا اور زندگی میں اپنے پنجے گڑوا چکا تھا، اس وقت ایک نئی شخصیت، نئے اجتہاد، تازہ دماغ اور نئے علم کلام کی ضرورت تھی، اس کے لئے انتظام خداوندی نے امام غزالی کو تیار کیا، امام غزالی نے اپنی تصنیفات میں اصول و عقائد اسلامیہ پر نئے انداز سے گفتگو کی اور ان کے ثبوت کے لئے ایسے مقدمات و دلائل قائم کئے جو اس زمانہ کے لحاظ سے زیادہ موثر اور اپنے اثر کے لحاظ سے زیادہ دلنشین و دل پذیر تھے، ان کے استدلال اور طریق بحث نے دین کا نیا وقار اور اہل سنت کا نیا اعتبار قائم کر دیا، اور ہزاروں بے چین اور مضطرب دماغوں کے لئے وہ سکون و ایمان کا باعث ہوئے اگرچہ علم کلام کے حلقہ نے اس وقت ان کی اس اہم دینی خدمت کی داد نہیں دی بلکہ علم کلام کی پرانی لکیر سے ہٹنے کی بنا پر ان پر اعتراضات کئے جن کا جواب امام صاحب نے فیصل الفرقہ بین الاسلام والدندقة میں دیا ہے، لیکن بآئینہ اسلام نے ان کے اس مجددانہ کارنامہ کا اعتراف کیا، امام صاحب نے فلسفہ کا جواب دینے کے لئے اس کی ضرورت سمجھی کہ وہ فلسفہ کے اصل ماخذوں کا براہ راست مطالعہ کریں اور اس پر بھی تنقید کرنے کا استحقاق پیدا کر سکیں، چنانچہ انہوں نے دو سال لگ کر (جیسا کہ المسقذ من الضلال میں وہ لکھتے ہیں) فلاسفہ کے علوم کا گہرا مطالعہ کیا، اور باطنیہ کے عقائد و

خیالات سے واقفیت پیدا کی، پھر انہوں نے اول مقاصد الفلاسفہ۔ پھر تہافت الفلاسفہ لکھی، تہافت الفلاسفہ میں انہوں نے تیا کام یہ کیا کہ ابھی تک متکلمین اسلام کی طرف سے مدافعت و جوابدہی کیا کرتے تھے جو ہمیشہ سے ایک کمزور طریقہ ہے۔ امام غزالی نے پہلی بار فلسفہ کے شیش محل پر سنگ باری کی، ان کے اس حمد کا اثر یہ تھا کہ بقول مغربی مؤرخین فلسفہ سو برس تک فلسفہ کی عمارت ان کے حمد سے متزلزل رہی اور تقریباً نوے سال کے بعد فلسفہ کے حلقہ نے ابن رشد کی کتاب تہافت التہافت کی صورت میں امام غزالی کی کتاب کا جواب پیش کیا۔

امام غزالی کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ فلسفہ کی بنیادوں پر منظم حملہ ہو اور نفس فلسفہ کو اعتراضات کے تیروں سے چھلتی کر دیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ فلسفہ کا سارا نظام قیاس آرائی اور باز پیمائی سے زیادہ نہیں، اس کے سب سے بڑی گہری اور وسیع واقفیت، ایک بڑے نقد و ماغ اور ایک بڑے جری اور طاقتور قلم کی ضرورت تھی، اس کام کے لئے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ بڑھے، جو ہر طرح اس کے لئے موزوں تھے، انہوں نے اپنے مختلف رسائل بالخصوص اپنی تصنیف الرد علی المنطقیین میں فلسفہ اور اس کے پورے نظام فکر کو بے اعتبار ثابت کر دیا۔ ان کی مجتہدانہ کتابیں اب بھی ذہن کو نئی غذا، قدوب کو نیا اعتماد اور فکر کو تازگی اور نشاط بخشتی ہیں۔

ادھر فلسفہ اور علم کلام دونوں نے مل کر جو ایک عقلی ظاہریت اور سطحی تفلسف پیدا کر دیا تھا اور عالم اسلام میں اس کے اثر سے یہ غلط خیال پیدا ہو گیا تھا کہ صد وقت و یقین حاصل کرنے کا راستہ صرف استدلال و فکر ہے، اس کے خلاف مولانا جلال الدین رومی نے قلمی جہاد کیا، ان کی زندہ جاوید مثنوی در حقیقت ساتویں صدی کے عقلی بحران کے خلاف قلب و روح کی ایک دلکش صدائے احتجاج ہے، اور نہ صرف علم کلام کی ایک مجتہدانہ تصنیف ہے بلکہ نئے علم کلام اور نئے استدلال کی بنیاد ہے۔ انہوں نے عقائد و حقائق اسلامیہ کے

ثبوت کے لئے نئے نئے دلائل اور نئی نئی مثالیں دی ہیں۔ جو بیک وقت قلب و دماغ دونوں کو متاثر کرتی ہیں اور دونوں کی سلوٹوں کو دور کرتی ہوئی دلنشین و جاگزیں ہوتی چلی جاتی ہیں، اس کتاب کی تاثیر ابھی تک باقی ہے اور فلسفہ زدہ حلقوں میں اب بھی اس کے تیرے خطا ہیں۔

مولانا روم اور حافظ ابن تیمیہ کے بعد فلسفہ نے نئی کروٹ لی، اب وہ تصوف و اخلاق کی سرحدوں میں بھی کھس آیا اور سیاست اور انتظام میں بھی دخل دینے لگا، اب اس کی تردید کے لئے تنہا الہیات کے مباحث اور علم کلام کی کاوش کافی نہ تھی، اب فلسفہ کے ہمہ گیر اثرات کا مقابل وہ کر سکتا تھا جو یونانی الہیات کے ساتھ یونانیوں کے علم الاخلاق، مصر کی افلاطونیت جدیدہ اور اشراق، ہندوستان کے جوگ اور قرون وسطی کے سیسی تخیلات پر بھی ناقدانہ نظر رہتا ہو، اور فلسفہ و تصوف، علم الاخلاق اور علم سیاست اور اسلام کے معاشی اصول اور نظام مالیات پر بھی اس کا مطالعہ وسیع اور نظر عمیق ہو، اس موقع پر شاہ ولی اللہ کی شخصیت نمودار ہوتی ہے، جنہوں نے حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء لکھ کر اسلام کی عظمت اور صداقت کا نقش قائم کر دیا، اور علمی حلقوں میں اسلام کی نئی علمی ساکھ، سو م اسلامیہ کی زندگی کا ثبوت اور طبقہ علماء کا وقار قائم کر دیا۔

۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے تسلط سے نئے نئے فتنوں نے سر اٹھایا، عیسائی مبلغین نے اسلام پر ملتانہ حملے شروع کر دیئے اور علماء اسلام کو دعوت مقابلہ دی، پادریوں کا جواب دینے کے لئے اناجیل ان کی تفاسیر اور ان کی تاریخ تدوین اور مسیحیت و اسلام کے مابہ النزاع مسائل و مباحث کی براہ راست مطالعہ کی ضرورت تھی، اس موقع پر طبقہ علماء ہی کے ایک فرد مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی میدان میں آئے اور انہوں نے اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام جیسی کتابیں لکھ کر مسیحیت کی اشاعت میں ایک سنگ گراں رکھ دیا، یہ کتابیں ہندوستان سے لے کر مصر و ترکی تک اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی

ہیں، اور ابھی تک لا جواب ہیں۔

دوسری طرف آریوں نے جن کو حکومت وقت کی شبہ مل گئی تھی اسلمی عقائد و الہیات پر نیا حملہ شروع کر دیا اور ضد و پیٹ عالم و قدم ذات و صفات، کلام الہی، حیات بعد الموت اور تاسخ قبلہ اور حیات نبوی پر عقلی اعتراضات کرنے شروع کئے۔ ان کے جواب میں نہ تو قدیم کلامی دلائل پورے طور پر کارگر تھے، نہ قدیم مقدمات اور قدیم اسلوب موثر تھے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ان کے جواب کے لئے ایک نیا علم کلام تیار کر دیا، انہوں نے روزمرہ کی ہلکی پھلکی زبان میں چھوٹی چھوٹی مثالوں اور عام فہم دلیلوں میں بڑے بڑے علمی مسائل سمجھائے اور بڑے بڑے مباحث کا فیصلہ کیا۔ تقریر دلپذیر حجت الاسلام، آب حیات اور قبلہ نما ان کی ذہانت و سلامت فہم اور دقیقہ شناسی کا بہترین نمونہ ہیں، دوسری طرف انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں پنجاب میں ایک فتنہ کھڑا ہوا۔ یہ نبوت محمدی کے خلاف ایک سوچی سمجھی بغاوت تھی اور اسلام کے پورے اعتقادی اور علمی و فکری نظام کو ڈانٹا میٹ کرنے اور خدا نخواستہ اس کے ملبہ پر ایک نئی نبوت اور امامت کے قصر کی تعمیر کی کوشش تھی، اس کے مقابلہ میں چند مخلص اور بالغ النظر علماء میدان میں آئے، جن میں مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ندوۃ العلماء اور مولانا سید انور شاہ کا نام اور کام سب سے زیادہ روشن ہے۔

زندگی کی رفاقت اور زمانہ کے تقاضوں کی تکمیل

یہ ساری تفصیلات اس لئے سنائی گئی کہ آپ اندازہ کر سکیں کہ علماء اسلام کی ذہانت اور جذبہ خدمت نے کسی منزل پر قیام اور کیر کا فقیر بننا گوارا نہیں کیا، انہوں نے علم کے چلتے پھرتے قافلہ کا ساتھ دیا۔ ان کا ہاتھ زمانہ کی نبض سے کبھی جدا نہیں ہوا، ان کی نگاہ زندگی کے بدلتے ہوئے تیوروں سے کبھی ہٹی نہیں، انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے جس زمانہ میں جس چیز، جس طرز اور جس اسلوب کی ضرورت سمجھی، بل تکلف اختیار کر لیا،

انہوں نے اسلام سے وفاداری اور دین کی خدمت گزاری کا عہد کیا تھا انہوں نے کسی مدرسہ فکر کسی مکتب خیال اور کسی انداز فکر سے وابستگی کی قسم نہیں کھائی تھی، ہندوستان و مصر میں جب اسلام پر تمدن و تہذیب اور تاریخ و ادب کی راہ سے حملے شروع ہوئے اور مغربی مصنفین اور مستشرقین نے اسد مرکی مستند شخصیتوں اور اس کے معیاری عہد پر اعتراضات کئے، اور اسلام کے خدو خال کو بگاڑ کر بد نما شکل میں پیش کیا، تو طبقہ علماء ہی میں سے ایسے اہل قلم اور ادیب و مصنف آگے بڑھے جنہوں نے ان مضامین پر ایسی کتابیں لکھیں جو نہ صرف اسلامیات بلکہ اردو ادب میں بھی یادگار ہیں اور جنہوں نے جدید تعلیم یافتہ اصحاب میں سے ہزاروں کو نیا اطمینان اور دماغی سکون عطا کیا، اور نہ صرف ان کا تذبذب دور ہوا بلکہ اسلام سے شیفٹنگ پیدا ہو گئی۔ مولانا شبلی کی الفاروق، الجزیہ فی الاسلام کتب خانہ اسکندریہ اس سلسلہ کی کامیاب تصنیفات ہیں۔

نصاب تعلیم کے تغیرات

خود آپ کا نصاب تعلیم اس حقیقت کا گواہ ہے کہ علماء اسلام نے کسی ضرورت کے تسلیم کرنے اور کسی مفید و ناگزیر چیز کو قبول کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا، یہ نصاب عہد بہ عہد تبدیلیوں اور مختلف علمی و عقلی رجحانات کا نمائندہ ہے، اس میں ہر دور میں اضافہ و ترمیم ہوتی رہی ہے، صرف یہ سو برس کا زمانہ ایسا ہے جس میں اس نصاب میں کم سے کم تبدیلی ہوئی ہے حالانکہ یہی زمانہ اپنی سیاسی و ذہنی تبدیلیوں کی بناء پر جائز اور ضروری تبدیلیوں کا سب سے زیادہ مستحق و متقاضی تھا۔

دین کی نمائندگی کے لئے متنوع صلاحیتوں کی ضرورت

عزیزو! اس عہد انقلاب میں دین کی نمائندگی، تعلیمات اسلام کی ترجمانی اور نہ صرف ان کی تشریح و تفہیم بلکہ ان کی بندی و برتری کا نقش قائم کرنے کے لئے بڑی وسیع

تیار یوں اور بڑی متنوع صدیوں کی ضرورت ہے۔ آپ اسلام کے سپہی ہیں اور زندگی کے معرکے سے تیار رہو رہے ہیں، کی فوجی تربیت گاہ اور وہاں کی تیار ہونے والی فوج کے لئے سب سے زیادہ ناموزوں، سب سے زیادہ خطرناک بحث، قدیم و جدید اسلحہ اور طریق جنگ کی بحث ہے، سپہی کے لئے نہ کوئی ہتھیار قدیم ہے، نہ جدید، اس کو تو یہ دیکھنا ہے کہ میدان جنگ کے لئے کون سا ہتھیار کارآمد ہے اور کون سا طریق جنگ موزوں، تیار ہونے والے سپہ کے لئے تعصب کی کوئی گنجائش نہیں، اس کا نہ کسی خاص اسلحہ سے رشتہ ہے نہ کسی خاص فن جنگ سے، اس کو تو تمام ضروری اسلحہ سے مسح ہونا چاہئے۔ عرب شاعر نے بہت پہلے کہا تھا۔

کل امری یسعی الی یوم الہیاج بما استعدا

نئی تحریکوں سے گہری اور ناقدانہ واقفیت کی ضرورت

عزیزانِ گرامی! آپ کو نئے فتنوں سے واقف ہونا چاہئے، مگر سطحی واقفیت عدم واقفیت سے زیادہ مضر ہے، آج ہمارے مدارس میں فیشن کے طور پر بعض تحریکوں اور نظاموں کے نام سے جاتے ہیں، لیکن ان کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، ناقدانہ نظر اور محققانہ مطالعہ تو بڑی چیز ہے، ان کی اجمالی حقیقت سے بھی واقفیت نہیں، ضرورت ہے کہ ماہرین فن اور اہل نقد و نظر کی نگرانی اور رہنمائی میں ان کا مطالعہ کیا جائے اور اسلام کے نظام کی برتری ثابت کی جائے، یہ کام مشکل ہے لیکن ضروری ہے، اگر یہ مدارس کے اہتمام میں منظم طریقہ پر نہ ہوا تو وہ غیر منظم طریقہ پر ہوگا۔

نئے مطالعہ کی مشکلات و ذمہ داریاں

ہمارے مدارس میں نئے مطالعہ کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے، مگر مجھے اس کا اظہار کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔ اس میں کوئی سنجیدگی اور گہرائی نہیں، یہ عصری مطالعہ کا ادنیٰ

ہوں مگر بے تکلف کہتے ہوں کہ وہ اس قدر آسان اور سرسری کام نہیں، جتنا سمجھ لیا گیا ہے، اس کے سب سے کتابوں کے صحیح انتخاب و ترتیب پر پوری رہنمائی اور کسی اچھے مشیر کی رفقت کی ضرورت ہے، پھر اس سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ وہ ذہن تیار ہو جائے جو اس مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکے۔ معلومات میں صحیح ترتیب و نظام قائم کر سکے اور ان کو صحیح طور پر استعمال کر سکے، اگر یہ ذہن صحیح تعلیم و تربیت اور اساتذہ کی صحبت سے تیار ہو گیا تو وہ ہر طرح کی پڑھی چیزوں سے کام لے گا اور معلومات کے مواد خام سے کارآمد مصنوعات اور عظیم نتائج پیدا کرے گا، اور ادب، تاریخ، معلومات عامہ، یہاں تک کہ بہت سی غیر متعلق چیزوں سے دین کی نصرت اور خدمت کا ایسا موثر اور حیرت انگیز کام لے گا جو بعض اوقات خاص دینی چیزوں سے نہیں لیا جاسکتا، اس وقت من بین فرث و دم لباً خالصاً سانغاً للشاربین کی حقیقت کا ظہور ہوگا، اگر ایسا نہیں ہے، دین کی بنیاد میں قلب و دماغ میں مستحکم نہیں ہوئی ہیں، ذہن کج اور ذوق فاسد ہے تو۔

ہرچہ گیر و علتی علت شود

کا مصداق ہوگا۔

ملک کی زبان و ادب سے ربط و تعلق

اس موقع پر میں دو اور حقیقتوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

ایک حقیقت تو یہ ہے کہ کسی ملک میں دین کی خدمت و اشاعت اور وہاں کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کو اس ملک کی زبان و ادب کا صاف ستھرا ذوق ہو، اور وہ مذاق سیم اور معیار صحیح کے مطابق اس میں اظہار خیال کرنے کی قدرت، جیتی جاکتی زبان اور شگفتہ انداز بیان میں تصنیف و تقریر کی قابلیت رکھتے ہوں۔ دین کی دعوت اس وقت بہت موثر ہو جاتی ہے جب اس میں دل آویزی اور پذیرائی بھی ہو، اور یہ ایک ایسی نفسی حقیقت اور امر واقعہ ہے کہ نبیاء، پیغمبر، مسند و

اپنی قوم کو خطاب کرنے اور ان کے دل و دماغ میں نفوذ کرنے کے سب سے بہترین زبان دی گئی، قرآن مجید میں کہا گیا، انا انزلناہ قرآنا عربیاً لعلکم تعقلون ہمیں فرمایا گیا سلسان عربی میں کہیں ارشاد ہوا، وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اہل فکر سمجھتے ہیں کہ سانس اقوام سے مراد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ان کو سمجھ سکتے اور ان کو سمجھ سکتے ہو، بلکہ اپنے زمانہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ لسانی اور ادبی معیار پر پورا اترتا، بلکہ سب سے فائق ہو، اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ اس کے بعد بھی فرمایا لَتَبَيِّنَ لَہُمْ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا افصح العرب۔

آپ جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کی تاریخ اصلاح و تجدید میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا اور مسلمانوں کے خیالات و رجحانات پر گہرا اثر ڈالا، وہ عموماً زبان و قلم کی طاقت رکھتے تھے اور ان کی تصنیفات یا تقریروں میں صحیح ادبیت اور بلاغت ہے، حضرت شیخ جیلانیؒ کے مواعظ آج بھی زور بیان اور خطابت کا نمونہ ہیں، امام ربانیؒ کے مکتوبات اپنی ادبیت، زور اور طلاقت، سادہ سادہ اور بے تکلفی میں ابوالفضل اور فیضی کے انشاء پر دُری سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجتہ اللہ ابابغہ عربی انشاء اور علمی زبان کا ایسا نمونہ ہے کہ مقدمہ ابن خلدون کے بعد سے ان صدیوں میں اس سے بہتر نمونہ نظر نہیں آتا۔ شاہ صاحبؒ کی فارسی میں بھی خاص عظمت اور سلاست ہے، از قضا خفاء کے بعض کُنزِ ادبی شہ پارے ہیں، یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب عربی اور فارسی اس ملک میں مسلمانوں کی تصنیفی اور علمی زبان تھی اردو کے رواج کے بعد خود شاہ صاحبؒ کے فرزندوں نے اردو میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ دہلی کی ٹکوں زبان کا بہترین نمونہ ہے اور اپنی ادبی خوبیوں اور استثناء کی بناء پر اردو کے کلاسیکل ادب میں خاص درجہ رکھتا ہے، مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ کی اردو تصنیفات میں ایسی سلاست، سادگی اور برجستگی پائی جاتی ہے کہ دقیق علمی مضامین اردو

ذوق پر بار نہیں ہونے پاتے، اس ملک میں عرصہ دراز تک زبان و ادب کی قیادت طبقہ
 علماء کے ہاتھ میں رہی اور وہی اس ملک کی ادبی رہنمائی کرتے رہے، خواجہ الطاف حسین
 حالی، مولوی نذیر احمد دہلوی اور مولانا شبلی نعمانی اردو ادب کے معماروں میں شمار کئے
 جانے چاہئیں، علماء نے اپنی ہفت ذوق، سلامت طبع سخن فہمی اور انشاء پر دازی کے ایسے
 نمونے چھوڑے ہیں جو اردو کا قیمتی سرمایہ ہیں، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی رحمۃ
 اللہ علیہ کے مضامین اور مولانا سید عبدالحی ناظم تدوۃ العلماء کا تذکرہ گل رعنا اور تاریخ یاد
 پیام اردو بشر کا ایسا نمونہ ہے جس میں تاریخی ثقافت و متانت اور ادبی بانکین اور رنگینی پہلو
 پہلو ہیں، اور یاوش بخیر مولانا سید سیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اردو کو اپنی علمی
 تحقیقات اور ادبی مضامین سے رانبار کر دیا۔ ان کی کتابیں اب بھی اور بہت دنوں تک
 نئے کامل عیار اور ادب و انشاء کا معیار سمجھی جائیں گی۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی
 تحریروں نے اردو کو ایک نئی طاقت اور نیا اسلوب بخشا، الہدال کے سحر حلال نے ایک
 نکت میں سارے ہندوستان کو مسحور کر لیا تھا۔ اب بھی ان کا ایک ایسا ادبی مقدمہ ہے جو
 انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، علماء کی اس بیدار مغزی اور زمانہ شناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء پر
 اس ملک کی تعمیر و ترقی سے علیحدگی اور اس کے رجحانات و جذبات سے بے خبری کا الزام
 نہیں لگایا جاسکا۔ انہوں نے اس ملک میں کبھی جزیرہ بننے کی کوشش نہیں کی، بعض
 دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح وہ زمانے کے کارواں سے پچھڑے نہیں، انہوں نے اپنی
 دعوت اور دینی مقاصد کے لئے وہی زبان استعمال کی جو اس ملک میں رائج تھی اور جو ادبی
 حلقوں میں اثر رکھتی تھی، ہمیں ان روایات کو قائم رکھنا چاہئے، اور اس مقدس ترکہ کی
 حفاظت کرنی چاہئے، ہم اگر اب بھی دین کی موثر خدمت انجام دینا چاہتے ہیں اور اپنے
 عقائد و خیالات کو عوام و خواص تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تصنیف و تقریر کے
 سلیقہ و سلیس زبان اور نیا اسلوب اختیار کرنا پڑے گا، اور اپنی تصنیفات و مضامین اور

تقریروں کو اس ادبی معیار پر نہ ہوگا جو اس زمانہ میں قائم ہو گیا ہے۔ یہ نہ ثقاہت کے خلاف ہے نہ اسد ف کی روایات کے بلکہ حکمت دین کے عین مطابق ہے۔

عربی زبان پر قدرت

دوسری چیز یہ ہے کہ عربی زبان اس وقت ایک زندہ اور طاقتور زبان ہے، عرب ملکوں میں وہ اپنے پورے عروج اور شباب پر ہے، وہ تصنیف و تالیف، خطبت و تقریر، سیاست و صحت، علم و فلسفہ اور دستور و قانون کی زبان ہے، وہ پورے طور پر نکھر گئی ہے، ہمارے عربی مدارس میں ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ قدیم عربی زبان تفسیر و حدیث و فقہ میں محدود ہے اور وہ کہیں پائی نہیں جاتی، عربی کے نام سے بالکل ایک جدید زبان ایجاد ہو گئی ہے، جس میں زیادہ تر انگریزی و فرانسیسی کے معرب یا دخیل الفاظ ہیں، اس غلط فہمی نے ہمارے بہت سے علماء اور نوجوانوں کو عربی سے متوحش اور مایوس بنا دیا ہے، آپ اگر مجھ پر اعتماد کر سکیں تو میں پورے وثوق کے ساتھ عرض کروں گا کہ جدید عربی کا کہیں وجود نہیں، اس وقت جو زبان اہل علم اور اہل قلم شرق اوسط میں استعمال کرتے ہیں، وہ قرآن و حدیث اور جاہلیت و اسلام کی زبان سے زیادہ سے زیادہ قریب ہے، نئی ضرورتوں کے لئے بھی انہوں نے عربی کے قدیم ذخیرہ اور قرآن و حدیث سے الفاظ نکال لئے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو کام انجام دیا ہے، وہ حیرت انگیز بھی ہے، اور قابل داد بھی، مصر پر نیوین کے حمد کے بعد سے جو مغربی الفاظ عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے وہ ایک ایک کر کے بے دخل کئے گئے اور ان کی جگہ پر خالص عربی الفاظ رکھے گئے اس وقت ان ملکوں کا لسانی اور ادبی معیار اتنا بلند ہو گیا ہے، اور صحت و اشاعت نے عربی کے خزانہ عامرہ کے نو اور کواہب وقف عام کر دیا ہے کہ اب عربی میں کام کرنے کے لئے بڑی تیاری اور جدوجہد کی ضرورت ہے، ہمارے مدارس میں جس انداز پر عربی زبان و ادب کی تعلیم ہو رہی ہے، اس کے ساتھ ان ملکوں میں کوئی علمی خدمت یا دعوتی کام ناممکن ہے، اگر آپ

کو عربی دنیا میں دین کی دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینا ہے یا ہندوستان کی دینی و ملی تحریکات کا تعارف کرانا ہے تو اس کے لئے بڑے پیمانے پر تیاری کی ضرورت ہوگی۔ اب ہندوستان ان ملکوں سے الگ نہیں رہ سکتا، دنیا کی سیاست میں شرق اوسط کو خاص اہمیت حاصل ہے اور یہ اہمیت بڑھتی جائے گی۔ ہر ایک مسلمان کے نقطہ نظر سے وہ اب بھی عالم کا قلب اور مرکز اعصاب ہے۔ اگر شرق اوسط سے ربط قائم کرنے اور دین اور مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کرنے کے کام سے وہ نئے سرے پر کیا توجہ نہ ان کے حق میں اچھا ہوگا نہ اس ملک کے حق میں اس لئے اس پہلوی طرف بھی ہمارے مدارس میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، زبان و ادب زندہ اور متحرک چیزیں ہیں، چھ مدت کے لئے بھی اگر کوئی ادارہ یا فرد ان سے بچھڑ جائے تو اس کو اس کا نقصان مدتوں برداشت کرنا پڑے گا۔

عقائد صحیحہ کی حفاظت

دوستو اور بھائیو! میں نے آپ کا بہت وقت سنا، لیکن

ع 'مذہب بود حکایت دراز تر گفتہ۔'

اب آپ سے رخصت ہونے سے پہلے میں ایک آخری چیز کہنا چاہتا ہوں جو اگرچہ آخر میں کہی جا رہی ہے، مگر وہ اہمیت میں کسی سے کم نہیں۔ آپ کے ہمارے اسلاف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی دینی حس اور مذہبی غیرت کی حفاظت کی اور وقت کے کسی فتنہ کے سامنے سر نہیں ڈالی۔ انہوں نے بدعت و رسوم اور شعائر جاہلیت کے معاملہ میں بھی مدائنت و تساہل سے کام نہیں لیا۔ آپ کے اسلاف میں حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا رشید احمد صاحب گنڈوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جہل استقامت اور نقیب شریعت ٹڑے ہیں، جنہوں نے سب چھوڑا دیا، مگر کسی خلاف شریعت فعل اور کسی بدعت کے ساتھ رعایت نہیں برتی، انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد جب اس ملک پر مغربی تہذیب و عادات اور محمدانہ عقائد و خیالات کا سیلاب آیا تو

سب چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہے، آپ کے اسلاف شریعت کے بارہ میں اتنے ذکی
 لکھس، اتنے دور بین اور اتنے غیور واقع ہوئے تھے کہ انہوں نے آخر وقت تک بدعات و
 سند جواز نہیں دی، جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو بنتی جاتی تھیں، انہوں نے محتسب اور
 شریعت کے بے لائب منتظم کے فرائض انجام دیئے اور ان کی نگاہ احتساب سے کوئی
 انحراف اور کوئی بدعت بچ کر نکل نہیں سکی، انہوں نے عوام کا عتاب، لوگوں کی مدامت، تکفیر
 کے فتوے، مقاطعہ اور ایذا رسانی سب کچھ گوارا کیا، مگر اپنے مسلک کو نہیں چھوڑا، اس کا
 نتیجہ یہ ہے کہ آج اٹکھوں کی تعداد میں ایک طبقہ جو زیادہ سنجیدہ، باوقار اور صاحب فکر ہے
 ان بدعات سے محفوظ ہے، ورنہ بدعات ابھی تک مسلمانوں کی زندگی میں مستند اور مسلم
 نہیں ہو سکیں اللہ تعالیٰ ان خادمین شریعت اور ان محافظین دین کی تربیتیں ٹھنڈی رکھے اور
 ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آج ہمیں ان کی بصیرت، ان کی فراست، ان کے دینی تفقہ اور ان کے رسوخ فی
 اہم کی قدر کرنی ہے کہ انہوں نے اپنا فرض کس خوبی سے انجام دیا من المؤمنین رجال
 صدقوا ما عہدوا للہ علیہ ہم من قضاۃ منہم من قبلہ ومن ینظر وما بدوا اتہدوا۔

مجھے پہلے تو آپ سے یہ کہنا ہے کہ یہ آپ کا بڑا عزیز اور محبوب سرمایہ ہے۔ انہوں
 نے اپنی جانوں کو حصار بنا کر اس باغ کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے اپنے خون سے اس
 کے درختوں کو سیرپا ہے اور ہمیں بتا دیا کہ شریعت کے باغ کی رکھوالی اس طرح کی جاتی
 ہے۔

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
 قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

عزیز و اہمیں اس سرمایہ کو سینہ سے گا کر رکھنا چاہئے اور اپنے ہر سرمایہ سے زیادہ اس

سرمایہ کو عزیز رکھنا چاہئے، مجھے آپ سے دوستانہ شکایت ہے، میرے درد مند دل کو آپ سے گلہ ہے کہ آپ اس سرمایہ سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں، آپ کے بزرگوں کی بہترین صلاحیتیں، اور مبارک ترین اوقات ان نفوس قدسیہ کی طرف سے حمایت و مدافعت میں گزر رہے، آپ انہیں کی بدوست ایک بڑے رُودہ میں معنوب و مغضوب ہوئے اور آپ سے ساتھ اب بھی یہ نسبت مٹی ہوئی ہے، مگر اب آپ میں بہت سے ان کے نام اور کام سے بھی واقف نہیں، آپ میں سے کتنے مولانا اسماعیل شہید کے حالات اور کارناموں سے واقف ہیں؟ آپ میں سے کتنے بھائیوں نے صراطِ مستقیم اور تقویۃ الایمان پڑھی ہے؟ آپ میں سے کتنے بھائی توحید و سنت کی صحیح حقیقت سے واقف ہیں، وہ بتلا سکتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے ایمان باندی حقیقت کیا تھی، اور قرآن نے کیوں ان کو مشرک کہا، توحید کے کیا مراتب ہیں، اور شرک کے کیا مظاہر ہیں، بدعت کی جامع و مانع تریف کیا ہے، اور اس کے کیا نقصانات ہیں، آپ کو ان سب مسائل پر تیار ہونا چاہئے تھا، اور آپ کا مطالعہ اور آپ کی بصیرت عوام سے اس بارہ میں بہت ممتاز ہونی چاہئے تھی، مگر مجھے خطرہ ہے کہ آپ میں سے بہت سے بھائی ان چیزوں سے بالکل خالی الذہن ہوں گے۔

نئے دور کے فتنے

اسی کے ساتھ ایک دوسری حقیقت یہ ہے کہ اب نیا دور نئے فتنے رہا ہے، جاہلیت نئے روپ میں ظاہر ہو رہی ہے، پہلے اُردو بدعت کا معاملہ تھا تو اب کھلی کھلی وثنیت اور اصنامِ قدیمہ کا دور دورہ ہے، یہ حالات ہمارے احساسِ مذہبی، ہماری حمیتِ دینی اور ہمارے عقیدہ توحید کو چیلنج کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جنہوں نے بدعت و رسوم کو ابھی گوارا نہیں کیا وہ ان مشرکانہ رسوم و مظاہر کو کس طرح گوارا کرتے ہیں، اور ان کا رویہ اس بارہ میں کیا ہوتا ہے، ہم اپنے اسلاف کے دینی تہذیب اور دینی شجاعت کے معترف ہیں، اور خدا اور خلق کے سامنے اس کی گواہی دینے کے لئے تیار ہیں کہ انہوں نے باطل

کے سامنے گردن نہیں جھکا ئی، اور ہتھیا نہیں ڈالے، دیکھنے کی بات ہے کہ ہمارے بعد کی نسلیں ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتی ہیں، اور ہم تاریخ میں کیسے نقوش چھوڑ کر جاتے ہیں۔

دور جدید کی ذمہ داریاں

عزیز و در رفیقو! تقدیر الٰہی نے ہمارے لئے جس دور کا انتخاب کیا ہے اس کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوئی ہیں، سین اس کا انعام اور اس کی سرفرازیں بھی بہت بڑھ چڑھ رہی ہیں۔ ذمہ داریوں سے گریز اور زمانہ سے شکست مردوں کا کام نہیں، جو وقت باقی رہ گیا ہے اس کو تیاری میں صرف کیجئے، خدا نے آپ کو بہترین مربی اور شفیق استاد دیئے ہیں، ایک دینی ماحول اور یک بہت بڑا ادارہ بخشا ہے، زمانہ کی نزاکت، اور اپنے کام کی عظمت سمجھیں، اور اپنے کو قیمتی اور کارآمد بنائیے، تاکہ امت کے لئے قیمتی اور کارآمد ثابت ہوں۔

غافل منغیوں، نہ وقت بازیست

وقت ہنر است و کار سازیت

واحد دعوا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری اور ان کی مطلوبہ صفات

وہ تقریر جو جمعہ العموم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اس تذہ و فضلاء کے شہر اور
ضلع کے عزیز کے سامنے جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی میں کی گئی۔ جس میں
موانا مرحوم نے علماء کو ان کی مسئولیت سے خوب آگاہ فرمایا ہے اور ان کی مطلوبہ
صفات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين ومن
تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين .

اما بعد! میرے قابل احترام بزرگوار قابل محبت بھائیو، اور عزیزو!
میں اس وقت ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور اس تعارف کے
بعد بھولا نا مفتی ولی حسن صاحب ٹونگی زیدت فیوضہ نے میرے نندان کا کرایا اس کے
بعد مجھے اور بھی قرب اور موانست محسوس ہوتی ہے، کم از کم درجہ یہ ہے کہ میں ایسا محسوس کر
رہا ہوں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عزیز طلباء اور رفقاء کا اس تذہ کے سامنے بیٹھا ہوں
اور ان سے باتیں کر رہا ہوں۔ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ان عزیزوں اور
بھائیوں سے باتیں کرنے کا موقع دیا۔ اس کا امکان تھا کہ آپ میری صحت کی

۱۔ مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے حد "مفتی عظیم پاکستان" کہے جاتے ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے باعث صد
افتخار ستارہ موانا حیدر حسن ٹونگی کے چہرے۔

رعایت یا میری مشغولیت کے خیال سے مجھے دعوت دینا مناسب نہ سمجھتے، لیکن بہت اچھا ہوا کہ آپ نے یہ زریں موقع مہیا کیا۔

اب میں بغیر کسی معذرت اور تواضع کے کچھ حقیقتیں اور کچھ تقاضے آپ کے سامنے رکھوں گا، جو میں نے اپنے رائے کے قیام کے چاروں کے مطاعہ اور مشاہدہ سے اخذ کئے ہیں۔

سیاسی اصطلاحات اور سیاسی تصورات اپنی جگہ پر ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ملت ہند یہ اسلامیہ کے سوا کسی دوش نہیں ہیں۔ ایک شاخ کے لئے تقدیر ایسی نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان میں رہے، تاکہ وہاں دعوت اسلامی کا فرض انجام دے، اور مسلمانوں کے ہی تشخص کو برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مشغول رہے، دوسرے حصہ کے لئے قدرت الہی کا فیصلہ ہوا کہ وہ اس ملک میں جہاں پہلے بھی مسلمان (اکثریت میں) تھے (یا کہ اسی راستہ سے برصغیر میں آئے تھے) ملت کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دے اور عام اسلام کے لئے ایک آزاد اور مثالی اسلامی ملک کا نمونہ پیش کرنے میں مدد اور رہنمائی کرے۔

عزیزانِ کرامی! دنیا کے صالح و صحتمند تغیرات و انقلابات اور انسانی عزیمت کی فتوحات کی تاریخ پر سرکونی کتاب مستقل طور سے لکھی جائے تو ناہین انبیاء اور افراد امت کی نظربان سے جو نکلے ہیں ان میں ایک جملہ کو سب سے نمایاں اور ممتاز مقام دیا جائے گا اور اس کو آبِ زر سے بکھڑا جائے گا۔ یہ جملہ ایسا ہے جس نے امت کی رفقا کو ایسا سدا سے جس کی مثال ملل و ادیان کی تاریخ میں منی مشکل ہے۔ جزیرۃ العرب کے ایک حصہ میں اور جہنم قبل میں ارتداد نے سر اٹھایا۔ یہ نازک ترین مرحلہ تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے قریب ہی زمانہ میں اسلام کے قصب و جگر میں ایک شگاف پیدا ہو رہا تھا۔ یہ بڑی نازک صورتحال تھی۔ ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا ہے اور اس کو کچھ ہی مہینے نزلے ہیں کہ عرب جن کو ساری دنیا

میں اسلام پھیلانا تھا اور جن کو ایک امت مبعوثہ کی طرح اسلام کی دعوت دینی تھی، وہ خود ارتداد کے خطرے سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ایسا نازک وقت پوری تاریخ اسلام میں (وقت نبوی کے بعد سے اس وقت تک) نہیں آیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زبان سے ایک فقرہ نکلا جس نے تاریخ کا رخ اور واقعات کا دھارا بدل دیا اور خطرہ کا کبر اس طرح چھٹ گیا جس طرح آفتاب کے نکلنے سے چھٹ جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا (اور تاریخ نے اسی طرح ان الفاظ کو تبرک اور امانت سمجھ کر محفوظ کر لیا ہے) ”اِنْقُصُ الدِّينَ وَاَنَا حَيٌّ“ یہ دین میں کوئی قطع و برید ہو سکتی ہے اور میں زندہ ہوں (ابو بکر زندہ رہے اور پھر اللہ اور رسول اللہ کے دین میں کوئی قطع و برید ہو کوئی کتر بیونت ہو، کوئی انتخاب کا مسئلہ ہو کہ اس رکن کو لیں گے اور اس رکن کو چھوڑیں گے۔ آپؐ کو معلوم ہے کہ اسی وقت منہ زکوٰۃ کا فتنہ نمودار ہوا تھا، مسلمانہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور ساتھ ساتھ ارتداد پھیلنا شروع ہو گیا تھا، چند مقامات کا نام آتا ہے، مثلاً مدینہ حبیبہ، جواثی اور بعض مقامات کا کہ وہاں ارتداد کے اثرات نہیں پھیلے تھے، ورنہ گویا پورا جزیرۃ العرب ارتداد کی پیٹ میں آ رہا تھا، اس وقت اللہ کے ایک بندے نے اپنی زبان سے یہ کہا۔ یہ تو الفاظ ہیں، لیکن الفاظ کے ساتھ جو دنی درد اور جوش تھا، اس کو تو تحریر میں نہیں ادا کیا جاسکتا۔ یہ ان کے دس کی آواز تھی اور ان کے جذبات کا نقطہ خروج تھا۔ جس طرح سے کوئی جامہ سبز ہو جاتا ہے تو جھلک جاتا ہے، زمین پر قطرے رتے ہیں وہ ان الفاظ کی شکل میں ہیں۔

عزیز طلبہ! یہ وراثت ہے جو امت کی طرف عمومیت سے اور انہیں رسول اور صلہ، حقانیت کی طرف خصوصیت سے منتقل ہوئی، یعنی ان کو سمجھنا چاہئے کہ ہمارے ہوتے ہوئے کسی ملک میں اسلام کا زوال کسی طرح سے قابل برداشت کیا، قابل تصور بھی نہیں۔ ہم کسی ملک میں موجود ہوں اور وہاں اسلام کا زوال ہو جائے۔ یہ بات ممکن نہیں۔ یہ احساس بنیاد ہے سارے انقلابات اور دینی جدوجہد کی تاریخ کی۔ آپؐ دعوت و عزیمت

کی تاریخ پڑھتے ہیں، امام احمد بن حنبل کے خلق قرآن کے عقیدہ کے خلاف سرکف ہو جانے میں، امام ابو الحسن اشعری کے اعتزال کے مقابلہ میں صفراء ہو جانے میں۔ امام غزالی کے باطنیت اور مادیت کے مقابلہ اور اسلامی معاشرہ کے مختلف طبقات و عناصر کے دینی احتساب کے کارنامہ میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رد و انقضائے میں، بعض کلامی مسائل کی تنقیح کی شکل میں، ہندوستان کے اس ایک تجدیدی کارنامہ میں جو تقریباً چار سو سال کی مدت پر پھیل ہوا ہے اور جس کے اثرات ابھی تک زندہ ہیں شاہ ولی اللہ کی مصلحت نہ اور مجددانہ دعوت میں، حضرت سید احمد شہیدؒ اور اکابر دیوبند کے اپنے اپنے وقت میں اور رنگ میں صدی و تربیتی جدوجہد اور اشاعت کتاب و سنت اور عقائد صحیحہ کی سرگرمی میں یہی احساس کامرور رہا تھا، جس کی ترجمانی صدیق رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور یہ دور کے نابین رسول کو یہ روشنی دکھائی تھی۔ ”وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلہم یرجعون۔“

علماء اپنا احتساب کریں

اس روشنی میں علماء اپنا احتساب کریں، کہ انہوں نے اس جملہ کو کہاں تک اپنا اصول اور دستور العمل بنایا؟ وہ یہ دیکھیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے ملک میں اسلام یا اسلامی معاشرہ کے زوال کا کوئی جواز ہے؟ مسلمانوں کی چھٹی تاریخ میں ہمارے سامنے بڑی عبرتناک مثالیں ہیں، جن ملکوں میں اسلام کا زوال ہوا، یا وہاں دشمن اسلام طاقتیں غالب آئیں آپ اس تحقیق کریں گے تو ان میں کچھ ایسی چیزیں پائیں گے جن سے اس دور میں سبق لیا جاسکتا ہے۔ ان میں ایک چیز تھی علماء کا شدید اختلاف اور دوسری چیز یہ تھی کہ علماء کا عوام سے رابطہ نہیں تھا، ان کی شخصیتیں اتنی موثر نہیں رہی تھیں کہ عوام کے قلوب میں دین کا احترام اور علماء کا وقار قائم رکھتیں۔ وہ ملک جس نے خولجہ بہاء الدین تشبندی کو پیدا کیا، جس نے خولجہ عبید اللہ احرار کو پیدا کیا، وہ ملک طاقتور روحانی شخصیتوں

سے خالی ہو گیا تھا، معیار زندگی بہت بلند ہو گیا تھا، دیت اپنے عروج پر تھی۔ ابھی تک امیر بخارا کا محل باقی ہے اور میونسٹ حکومت اسے دکھاتی ہے کہ دیکھنے سے اس طرح دوست جمع کی گئی تھی، اس طرح سونے چاندی کے ظروف تھے، بقول ان کے عوام بھوکے مر رہے تھے، اور امیر بخارا کے محل میں یہ چیزیں تھیں۔ اسی طریقہ سے آپ اندلس کی تاریخ میں مدینۃ الزہراء اور قلعة احراء کی تفصیلات پڑھیں، خواب و خیال اور جن و پری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ وہاں دو بڑے عنصر اسلام کے زوال کا باعث ہوئے ہیں۔ ایک معیار زندگی کی بلندی اور تقدس کی ہوتی دوست کا غلط استعمال اور دوسرے یہ کہ شاعت اسلام اور معاشرے کو اسلامی بنانے کے بجائے انہوں نے فنون حیفہ، شعروشاعری اور ادبیات وغیرہ پر ساری توجہ مرکوز کر دی تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ حاکم خاندان میں حکومت کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی، سیاسی پارٹیوں کا وہ عہد نہیں ہے، اب اس کی جگہ سپر پارٹیوں نے لے لی ہے، یہ تین عنصر تھے، اندلس کے زوال کے۔ (اس پر اضافہ کیجئے اخلاقی زوال کا) آپ اگر ”صبح سمرقند“ کتب پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہاں کیا اخلاقی زوال اور انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔

چند خطروں کی نشاندہی

میں چند خطروں کی طرف نشاندہی کرتا ہوں۔ بعض مرتبہ باہر سے آنے والا اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، جو گھر میں رہنے والا محسوس نہیں کرتا ہے۔ آپ روشنی میں ہیں، اگر کوئی شخص باہر اندھیرے سے آئے گا تو اس کی کیفیت دوسری ہوگی اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہر وقت دیکھتے رہنے اور سنتے رہنے سے ایسی، نوس ہو جاتی ہے کہ اس میں کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی، اس میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ لیکن باہر سے آنے والا اس کو فوراً محسوس کر لے گا۔ مثلاً یہاں اردو کے سائن بورڈ عام طور پر لگے ہوئے ہیں، آپ کو تو بالکل نہیں محسوس ہوں گے، لیکن ہم ہندوستانی جب یہاں آئیں گے جو انگریزی

یہ ہندی کے سائن بورڈ، کھینے کے عادی ہیں تو وہ ایک خوشی محسوس کریں گے اور کہیں گے کہ ماشاء اللہ یہاں تو ہر طرف اردو ہی اردو نظر آتی ہے، ایسے ہی بعض لوگ تختیاں لکھ کر دیواروں پر آویزاں کرتے ہیں، تو ان میں جو چیزیں لکھی ہوتی ہیں آدمی غور سے پڑھتا ہے پھر پڑھنا چھوڑ دیتا ہے، مجھے نہ کسی دور بینی کا دعویٰ ہے اور نہ دروں بینی کا، نہ بصیرت و فراست کا، بقول اقل ۱۔

میں نہ عارف نہ مجدد، نہ محدث نہ فقیہ
 ”مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
 ہاں مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نظر
 فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام

ہاں میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں باہر سے آ رہا ہوں، اس لئے میری بات توجہ کے قابل ہے۔

اپنے اس تاریخی مطالعہ اور عالم اسلام سے قریبی واقفیت کی بناء پر کہتا ہوں کہ اعتقادی اور سیاسی انتشار اس ملک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ یہاں مذہبی گروہ ایک دوسرے سے دست و پائی میں، بعض بحثیں جو علمی انداز میں ہو سکتی تھیں، ان کو عوام میں لے آیا گیا ہے ورنہ ان کی بنیاد پر متحارب کھیپ اور متوازی محاذ بن گئے ہیں۔ یہ سخت خطرناک بات ہے، میں بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس سے آپ کا تعلق ہے۔ میرے احساسات بالکل وہی ہیں جو آپ کے ہیں اور صرف احساسات نہیں بلکہ ہمارے بزرگوں نے تو وہ جھنڈا بلند کیا جس کی وجہ سے ہم کو نئے نئے نقب ملے اور سخت مشکلات اور محنتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اگر زمین ہی پاؤں کے نیچے سے نکل گئی تو پھر یہ زمین رتیں کس پر قائم ہوں گی؟ یہ گروہ یہ ثابت کرنے کی فکر میں ہے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے، دوسرا گروہ ثابت کرتا ہے کہ ہمیں حق پر ہیں اور ہمارا ہی اس ملک پر اقتدار اعلیٰ

ہونا چاہئے، اگر ٹوڑا جائے (معاف کیجئے گا میں کسی پر حکم نہیں لگاتا) تو اس کے پیچھے حب جاہ کا جذبہ نکلے گا۔ ہمارے بزرگوں نے ملک میں دین کو بچانے کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں اور ضرورت پڑی ہے تو اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور دب گئے ہیں، جھک گئے ہیں اور نیچے اتر آئے ہیں، انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ بھائی آپ ہی اوپر بیٹھئے، مگر دین باقی رہ جائے۔ ہمارے بزرگوں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک اور ان کے مکتب فکر کے لوگوں کی ہندوستان میں یہی روایت رہی ہے۔ آپ درس کے حقوق اور علمی مجلسوں میں اختلافی مسائل پر زاویے کے ساتھ گفتگو کیجئے، ان مسائل پر کتا ہیں لکھئے، مگر ملک کو داؤ پر نہ لگائیے۔ جب کوئی ایسا محاذ قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح کی دعوت دی جاتی ہے جس میں احساس برتری یا اظہار برتری ہوتا ہے، تو اس کے مقابل دوسرا محاذ بن جاتا ہے اور وہاں سے صدائے ”ہم چوں من دیگرے نیست“ بلند ہونے لگتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کا سارا کام تو واضح کے ساتھ تھا، اتہام نفس کے ساتھ تھا ”ایمان و احتساب“ کے ساتھ تھا، نہ ان کو یہ دت و قیادت کا دعویٰ تھا اور نہ یہ کہ ہماری جماعت ہی نے سب کچھ کیا ہے اور ہمیں سب چھ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب پڑھئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے مکاتیب پڑھئے، ہندوستان کے اس دور میں جب مسلمانوں کے اقتدار کا چراغ ٹمٹم رہا تھا اور سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی، اس وقت انہوں نے احمد شاہ ابدالی، نجیب الدولہ وغیرہ کو جو خطوط لکھے ہیں، ان کو آپ پڑھئے، ان میں کیا درد ہے، احمد شاہ ابدالی کو، شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک مفصل خط لکھا ہے، اس میں بتایا ہے کہ مسلمان اس وقت کس بے بسی کی حالت میں ہیں، اس میں انہوں نے کیا موثر جملہ لکھا ہے، جس سے ان کی درد مندی اور اخلاص پکتا ہے۔

(میں رسول اللہ کو شفیع بناتا ہوں کہ اللہ کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں پر رحم کیجئے اور ایک مرتبہ آجائے) چنانچہ احمد شاہ ابدالی انہیں کی دعوت پر آئے اور انہوں نے مرہٹہ

طاقت کی ایسی کمر توڑی کہ آج تک وہ پورے طور پر سر نہیں اٹھا سکی۔ یہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہی تھے اور ان کا درو تھ، اور ان کی ہسیرت تھی جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔ آپ انہیں کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ اس نسبت کا تقاضا ہے کہ ملت اور دین کے لئے جس ایشور و قربانی کی ضرورت ہے، وہ پیش کیجئے اور صاف کہئے کہ اچھا بھائی تم ہی صحیح، تمہارا ہی کارنامہ سب سے بڑا ہے، ہم سب مل کر اس ملک کو بچائیں۔ موجودہ خطروں اور اندیشوں میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ علماء اس طرح دست و پریاں ہوں، یہ بات میں اپنے عقائد کے پورے تحفظ کے ساتھ بہت ہوں الحمد للہ ایک شوشہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں، نہ عبادت کے مسئلہ میں، نہ اپنے عقائد کے اصول میں، کسی چیز میں کسی مفاہمت کے لئے میں تیار نہیں۔ ایک تو اپنا ٹمل ہے اور ایک یہ کہ اکھاڑا بنا دیا جائے، عوام کو کھارے بنایا جائے اور سارے ملک کو میدان جنگ میں بدل دیا جائے۔ ایک کانفرنس ہو رہی ہے یا رسول اللہ کی اور ایک کانفرنس ہو رہی ہے محمد رسول اللہ کی یہ جینے کی باتیں نہیں، اس موقع پر اقبال کا شعر مجھے یاد آ رہا ہے۔

کے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے

فقیہ و صوفی شاعر کی ناخوش اندیشی

عوام الناس کے ساتھ علماء کا ربط

دوسری بات یہ ہے کہ عوام کے ساتھ آپ کا رابطہ ہونا چاہئے۔ میں نے محسوس کیا کہ علماء کا عوام سے جو ربط ہونا چاہئے اس میں کمی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں علماء کا عوام سے ربط یہاں سے زیادہ ہے۔ وہاں سیاسی میدان میں بھی، علمی ادبی اور تحقیقی میدان میں بھی علماء پیش پیش ہیں اور ان کا مقام تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ علماء سے متوحش نہیں ہے۔ ہم ادبی اور علمی مجلسوں میں جاتے ہیں اور الحمد للہ وہاں ہم کو عزت کے ساتھ یہاں جاتا ہے، عوام سے آپ کا ربط بڑھنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام آپ

کے ہاتھ سے نکل جائیں۔

علماء کی زندگی ممتاز ہو

تیسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والا کھلی آنکھوں دیکھے کہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کے یہاں مال و دولت معیار نہیں ہے۔ ہمارے کام زیادہ تر حسبہ اللہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے جب تک ہمارے طبقہ علماء میں یہ اخلاقی امتیاز نہ ہوگا، ایثار کا مادہ نہ ہوگا، ان کی شخصیت موثر اور قابل احترام نہیں ہوگی، دل و دماغ میں دین کا گہرا اثر و وفار نہیں ہوگا۔ علماء کا وقار اس سے نہیں بڑھے گا کہ یہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہاں اتنے طالب علم پڑھتے ہیں اور وہاں کے جلسے اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ اس سے علماء کا وقار نہیں قائم ہوگا۔ علماء کا وقار قائم ہوتا ہے ذاتی نمونے سے، عوام جب دیکھتے ہیں کہ یہ چیز یہی ہے کہ اس پر جان دے دی جائے لیکن علماء اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں، وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے، ہم نے سمجھا ہے کہ دولت سب سے بڑی چیز ہے، ان کے یہاں دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے نواب صاحب ڈھاکہ کو جواب دیا تھا۔ نواب صاحب نے کہلویا کہ آپ مجھ سے مل لیں حضرت نے کہلویا کہ نواب صاحب سے کہنا کہ آپ کے پاس جو چیز ”دولت“ ہے وہ میرے پاس بقدر ضرورت موجود ہے، لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو آنا چاہئے۔ مجھے آنے کی ضرورت نہیں۔

ایک واقعہ

ایک واقعہ آپ کو اور سنادوں، بڑا موثر ہے۔ شیخ سعید حلبیؒ ایک بزرگ عالم تھے، ایک دن دمشق کی ایک مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے، اس دن ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف

تھی (یہ واقعہ اگرچہ میرا منہ اس قابل نہیں کہ سنئے لیکن واقعات کے بغیر کام نہیں چلتا چھوٹا آدمی بھی اگر یہ واقعہ سنئے تو اس کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے) ہاں تو شیخ سعید درس دے رہے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسجد میں جب درس دیا جاتا ہے تو پشت قبلہ کی طرف ہوتی ہے اور سامنے طابع علم ہوتے ہیں، تو سامنے سے جو آتا ہے، استاد تو دیکھتا ہے طابع علم نہیں دیکھتے، ابراہیم شاہ جو محمد علی خدیو، بانی سلطنت خدیویہ کا فرزند تھا اور بڑا باجبروت حاکم و سپہ سالار تھا، جس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور جس سے لوگ کانپتے تھے۔ وہ دروازہ کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت کے پاؤں میں تکلیف تھی اس لئے دروازہ کی طرف پاؤں پھیلانے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو طالب علموں نے دیکھا کہ وہ ہے اور اس کے ساتھ حفاظتی دستہ بھی ہے، جد اور پہرہ دار بھی ہیں۔ طابع علم سمجھے کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو، پاؤں سمیٹ میں گئے، حاکم کا بھی ادب ہوتا ہے، شیخ نے باطل جنبش نہیں کی، پاؤں پھیلانے رہے۔ وہ سامنے آیا اور کھڑا ہو گیا۔ مؤرخ نے لکھا ہے کہ طابع علموں نے اپنے پٹے سمیٹ لئے کہ اب جلاؤ کو حکم ہوگا استاد کا قابل احترام خون ہمارے کپڑوں پر نہ پڑے، وہ دیر تک کھڑا رہا۔ اس پر ایسا جلال طاری ہوا کہ ہتھ بوز نہیں، سبق سنتا رہا اور کچھ چلا آیا، بعد میں شیخ سعید حبیبی کے لئے اشرفیوں کا ایک تورا جیسی۔ اہل اللہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ سرمد کہوایا اور کہا یہ قبول فرمائیے، جو حمد انہوں نے جو ب میں کہا وہ جملہ سننے کے قابل ہے، میں تو کہتا ہوں کہ ایسے ایک جملہ پر مغز لوں کے دن دیوان قربان کئے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ”اپنے ولی نعمت سے میرا سر نہ کہتا اور ہنہ کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا“ الذی یمدُّ رجله لا یمدُّ یدہ“ یہ جملہ اسی طرح غلط ہوئے۔ مجھے باتھ پھیلانے ہوتے تو میں اس وقت پاؤں نہ پھیلاتا پاؤں سمیٹ بیٹھا، لیکن یہ حدامت ہے کہ میں ہاتھ پھیلانے والا نہیں تھا، جو پاؤں پھیلاتا ہے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے، یہ جو ہر عام آدمی میں، دین کے خدو میں دسویں درجہ میں،

پچاسویں درجہ میں تھی، ہونا چاہئے۔ اگر یہ جو ہر نہیں ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کی ساری سہمی قابیلیت اور آپ کی ساری خصلت جس میں آپ ممتاز ہیں (سیاسی جماعتوں میں بھی ایسے خطیب ہوں گے) سب بے اثر ہے۔ جب تک کہ آپ کا عملی نمونہ نہ ہو، اہل اقتدار یہ نہ سمجھیں کہ سماء خریدے جاسکتے ہیں، علماء پیسے کے غلام اور دوست کے بندے نہیں ہیں، سماء ضمیر کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے، سماء کی زندگی ہم سے زیادہ سادہ ہے، سماء ہم سے کم درجہ کے مکاتوں میں رہتے، کم درجہ کا کھانا کھاتے ہیں، اس کا ظہر ہونا چاہئے۔ ہمارے اسلاف نے اس کا اظہار کیا ہے، میں اپنے اساتذہ ہی کے واقعات سناتا ہوں کہ میں مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں پڑھتا تھا اور وہاں ہم لوگوں کے سے بھی کبھی پر تکلف کھانے پکارتے تھے اور چونکہ میرا قریبی تعلق تھا، مدرسہ کے پیچھے حضرت مولانا احمد علی صاحب کا قیامت تھا ان کے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم سے میرا قریبی تعلق تھا، وہ ہمارے دوست تھے، مجھے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ آج وہاں فاقہ ہے اویہاں پلاؤ پکا ہے، کیا مجس کہ چاول کی ایک کھیل وہاں پہنچ جائے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت سے دین کی خدمت کا جو کام لیا ہے، وہ انہیں صفات کا نتیجہ ہے، زہد، ایثار، قربانی کا جذبہ، تواضع اور اپنے خلاف بات سن کر ضبط کر لینا، دوسرے کو اپنے سے بہتر اور فضیل سمجھنا۔ ہماری جماعت کا یہ شعار کبھی نہیں رہا ہے کہ ”ہم چوں من و یگر نیست“ بلکہ ہم نے بڑے سے بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بیچ سمجھتے تھے۔ مولانا مدنی سے جب کوئی بیعت کے لئے کہتا تو میں نے حضرت کو بعض اوقات یہ شعر پڑھتے سنا ہے

نہ گلم نہ برگ سہزم نہ درخت سایہ دارم

در حیرتم کہ دہقان بچہ کارکشت مارا

نہ پھول ہوں، نہ گھس نہ میں سبزہ ہوں، مجھے حیرت ہے کہ دہقان نے مجھے کس کام

کیسے پیدا کیا، ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اپنے سے شرمندہ ہیں، یہی بڑے سے بڑے اولیاء اللہ کا شعار رہا ہے۔

تعصبات سے گریز کریں

تہذیبی وسانی تعصب، صوبائی تعصب بھی اس ملک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ اسی تعصب نے بنگلہ دیش کو پاکستان سے کاٹ دیا۔ اس لسانی تعصب، صوبائی تعصب کے خلاف عہد کو دورے کرنے چاہئیں اور اس کے خلاف اسلام کے احکام بیان کرنے چاہئیں، حدیث میں آتا ہے:

”من تعدی علیکم بعداء الجاہلیۃ فاعضوہ بہن ایہ

ولا تکتوا۔“

زبان نبوت جس پر وحی جاری ہوتی تھی، جس سے قرآن مجید دنیا نے سنا، جس کے متعلق آتا ہے کہ آپ کی زبان سے کوئی نام نہ سب لفظ نہیں نکلتا تھا، پہلی مرتبہ اور آخری مرتبہ سخت ترین لفظ جو زبان نبوت سے نکلے ہیں وہ ہیں، کوئی شخص تمہارے لئے جاہلیت کا غرہ لگائے اور خاندان، برادری، قوم کی دہائی دے اور اس کام پر ابھرے تو اس کو اس کے باپ کی گالی دو، خاں کنایہ سے بھی کام نہ لو، اللہ اکبر! اللہ کے رسول جن کی زبان سے پھول جھڑتے تھے اور شہد نکلتا تھا اور قرآن مجید جن کی زبان سے جاری ہوتا تھا ”ما یطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی“ اتنے سخت لفظ بویں، مجھے یاد نہیں آپ نے کسی مسئلہ میں اتنے سخت لفظ استعمال کئے ہوں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ پاکستان کے صوبوں میں جائیں اور خاص طور پر تمام صوبوں کے بچوں کو یہاں بلائیں اور ان کو پڑھائیں اور ان کو ایسا علم بنائیں کہ خود بخود ان کو اس عصبيت جاہلیہ سے نفرت پیدا ہو جائے، پھر ان کو اس صوبہ میں بھیجیں جس میں یہ لسانی، جغرافیائی تعصب پایا جاتا ہے۔

اس حمیت جاہلیہ نے مٹوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی اسلامی سلطنتوں کا چراغ گل ہو گیا۔ یہ ممکن ہے کہ آپ اپنی زبان کا جادو لوگوں کے دل و دماغ پر بٹھا دیں اور اپنی علمی قابلیت کا مکمل جہاد دیں، لیکن حقیقی احترام عملی نمونہ، سیرت کی بلندی، زہد و استغناء، روحانیت اور اخلاق عالیہ سے پیدا ہوتا ہے علمی و فکری حیثیت سے بھی اخلاقی اور روحانی حیثیت سے بھی مؤثر شخصیتیں پیدا ہونی چاہئیں۔ ہمارے اکابر ایسے تھے، ہمارے اکابر ایسے تھے، بروقت اس کی رٹ اگانا اور اس کا وظیفہ پڑھنا کچھ کام نہیں دیتا، میں نے کچھلی مرتبہ یہیں جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ کوئی ملت اور کوئی دعوت تاریخ سے نہیں چلتی، تحریک سے چلتی ہے۔ ہم پاکستان میں دعوت و مسک، تاریخ سے چلانا چاہتے ہیں۔ لوگ بہہ دیں گے کہ صاحب سن چکے، بہت سن چکے، سنتے سنتے طبیعت بھر گئی، آپ کے اکابر ایسے ایسے تھے "پدرم سلطان بود، پدرم سلطان بود" بتائیے آپ کون ہیں؟ کا مشروع کیجئے، تاریخ بہت سنی جا چکی، کتبیں بہت مکھی گئیں، پورا کتب خانہ تیار ہے، اب حرکت اور عمل، جدوجہد قربانی اور پرکشش و سحر انگیز زندگی کی ضرورت ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی ناگہمی دل کی
مدح اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم ہے

”یہ تقریر پاکستانی عظیم، نئی درس گاہ جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ
نوری ٹاؤن (نیوٹاون) رپنی میں ۳ رجب، ۱۹۷۸ء، وادیہ سے سامنے
کی گئی جس میں جامعہ کے اساتذہ، طلبہ، اراکین انتظامیہ کے علاوہ ملک
کے مختلف علاقوں کے علماء اور تعلیم یافتہ حضرات نیز بیرون ملک کے ان
مندوبین کی بھی معتد بہ تعداد شریک تھی جو اسلامی ایشیائی کانفرنس میں
شرکت سے تشریف لائے ہوئے تھے۔“

عزیز صلبہ اور حضرین مجلس

دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے

اس دین کے لئے اندھنوں نے یہ اصول مقرر اور مقدر کر دیا ہے کہ اس کے زندہ
اشخاص برابر پیدا ہوتے رہیں گے۔ کوئی درخت اس وقت تک سرسبز و شاداب اور زندہ
درخت نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ وہ با ثمر نہ ہو۔ اس میں نئی نئی پتیاں درخت سے شگوفے
نہ بھٹتے رہتے ہوں۔ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کے لئے ہے اور اس کو زندہ اشخاص
کی ضرورت ہے۔ وہ دین مٹ گئے، ختم ہو گئے جنہوں نے روحانیت کے میدان میں، علم
کے میدان میں، فکر کے میدان میں، قیادت کے میدان میں زندہ اشخاص پیدا کر لئے بند
نہ ہوئے، انسان زندہ اشخاص سے متاثر ہوتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے اور چراغ
سے چراغ جلتا رہتا ہے اور جلتے رہنا چاہئے، اور اگر اس امت کو باقی رہنا ہے تو اس امت

کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندہ اشخاص پیدا کرے۔ اس کا درخت علم، اس کا درخت فکر اس کا درخت اصلاح اور اس کا درخت روحانیت نئے نئے برگ و بار لاتا رہے، نئے نئے شگوفے کھلاتا رہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری امت بارانِ رحمت کی طرح ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس کے ابتدائی قطرے مردہ زمین کے لئے زیادہ حیات بخش ہیں یا بعد کے۔

میں تاریخ لکھتا رہا ہوں، میرے شعور اور تصنیف و تالیف کی عمر زیادہ تر اسی کوچہ میں گزری اور میں کہہ سکتا ہوں

عمرِ نزاری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

میں اب بھی اس پر عقیدہ رکھتا ہوں کہ اسلاف کے کارنامے، اسد ف کا خصوص و صداقت، اسلاف کا تعلق مع اللہ اسلاف کی استقامت اور اسلاف کی قربانیاں بعد کی نسلوں کے لئے بہترین سرمایہ ہیں اور وہ حیاتِ زندگی کا پیغام دینے والی ہیں، ہم نے ہمیشہ کہا اور مانا کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ان کا حافظہ اتنا قوی تھا، ان کا علم اتنا وسیع تھا، وہ ایسے متحرک و متحرک تھے، یہ سب سر آٹکھوں پر لیکن اتنا کافی نہیں۔

فیض مردوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر رہنمائی
زندوں ہی سے حاصل ہوتی ہے

جس ادارہ اور مرتب خیال سے میرا تعلق ہے اس نے تاریخِ اسلام کو مرتب کیا، اس تختیِ براعظم (ہند) میں جس ادارہ نے اردو میں تاریخِ اسلام مرتب کرنے کی سب سے پہلے سعادت حاصل کی ہے اس سے میرا تعلق ہے، یعنی ”دارالعلوم ندوۃ العلماء“ اور ”دار المصنفین“ کسی اور کی زبان سے تو شاید آپ سوچیں کہ یہ تاریخ سے ناواقف ہے اور تاریخ سے انصاف نہیں کرتا، میری زبان سے سنئے کہ اسلاف نے جو کچھ کیا اس کو محفوظ رہنا

چاہئے اور اسی آب و تاب کے ساتھ رہنا چاہئے اور نئی نسلوں کو اس سے روشناس کرانا چاہئے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسوف کے کارنامے جمع کرنے چاہئیں۔ لیکن اس دین کے لئے خدا فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ دین قیامت تک کے لئے ہے ہذا اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، روحانیت بھی زندہ انسانوں ہی سے قائم ہے، محققین صوفیاء کی درمشارکت کی تحقیق بھی یہی ہے کہ تزکیہ و علم باطن بھی زندہ انسانوں ہی سے حاصل کیا جاتا ہے اور زندہ انسانوں ہی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، ورنہ ایسے ایسے بلند مرتبہ لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے ایک کافی تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں حرکت و نمو ہے، زندگی میں تنوع ہے، بھی ایک رنگ یا ایک رنگ کیا، ابھی ایک مرض پیدا ہوا اور ایک مرض کیا، اس لئے جن کا تعلق اس زندہ کائنات اور عام طبعی سے ٹوٹ چکا ہے وہ ان متحرک و زندہ انسانوں کی رہنمائی نہیں کر سکتے، فیض ان سے حاصل ہو سکتا ہے (فیض کے جو طریقے ہیں ان کے ذریعہ) اس میں غلط فہمی نہ ہو لیکن رہنمائی زندہ انسانوں ہی سے حاصل ہوتی ہے، کسی نسل میں سب کچھ ہے، بڑے کتب خانے ہیں، تاریخ کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں لیکن زندہ ہستیاں نہیں ہیں جن کے قلوب سے اور جن کے جہتہ و فکر سے، جن کے تفقہ سے، جن کی بصیرت سے ہم روشنی حاصل کریں، اس نسل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

دین تازہ ہوتا رہے گا

حدیث صحیح میں ہے کہ۔

”ان الله يبعث على رأس كل مائة سنة من يجدد

لهذه الامة امر دينها“

سنن کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سو برس میں ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو اس دین کو

تازہ کرے گا اور تجدید کا فرض انجام دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت تو وہ دین کو تازہ کر دے گا، پھر وہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرصہ تک اس کا وجود رہے گا، من یحدد لهذه الامة امر دینہا“ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آئے اور ہفتہ دو ہفتہ کے لئے دین کا چرچا ہو کیا، اور چلے گئے۔ ان میں سے کسی بھی بزرگ کا حال پڑھیں، کسی کا اثر سو برس تک رہا اور بعض ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کا اثر صدیوں تک رہا۔

ریحے لائن پر ایک پھوٹی گاڑی چلا کرتی تھی۔ (اور غالباً اب بھی چلتی ہے) جس کو ٹرائی کہتے تھے، لوگ اس کو ٹھیلے تھے اور پھر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ چلتی اور پھسلتی رہتی تھی، جب وہ رکنے لگتی تھی تو پھر اتر کر دھکا دیتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے، اس سے رکنے کا معائنہ ہوتا تھا، اس امت کی گاڑی کو بھی اسی طرح سمجھئے اور اس کو ٹھیلنے والے اس امت کے علماء اور مشائخ اور مجدد ہیں، یہ اس کو ٹھیل دیتے ہیں اور وہ خود اپنے پہیوں پر چلتی ہے، یہ نہیں کہ اس کو چلاتے ہی رہتے ہیں، گاڑی خود چلے گی اپنے پہیوں پر، لیکن اس کو ٹھیلنے اور چلانے کے لئے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔ وہ کوئی ٹیکنیکل چیز نہیں، زندہ انسان اس کو بڑھاتے ہیں اور ٹھیلے ہیں اور وہ اپنے پہیوں پر چلتی ہے کیونکہ ٹرائی کے سارے دو چیزوں کی ضرورت ہے، پیڑیوں میں اتنی چکناہٹ اور پہیوں میں اتنی حرکت و سرعت اور چلنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ چل سکے اور آدمیوں کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اس کو ٹھیل سکیں، اور مسافر جو بیٹھے ہوں وہ ایسے ہوں کہ بیٹھے رہیں اور جم جائیں، اس امت کی روایت یہ ہے کہ جب اس پر قفل اور بے عملی طاری ہونے لگتی ہے تو کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے اور اس کو دھکا لگاتا ہے اور پھر وہ خود چلتی ہے اور کچھ دور تک چلی جاتی ہے۔

میں مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب دونوں کو اس دور کا مجدد سمجھتا ہوں، میں

سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمیں بھی ممدین ہے، جہاں کہیں بھی سنت کی دعوت ہے، جہاں کہیں بھی شرک و بدعت سے اجتناب کا جذبہ و اس سے تنفر ہے، یہ ان دونوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے، دیکھئے ایک ایسا بھی انسان تھا جس نے اس زور سے دھکا دیا کہ امت کی گاری سڑے تین سو سال سے برابر چل رہی ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کتنا چلے پھر کوئی وراثہ کا بندہ پیدا ہو اور اس کے دھکے سے اور کتنا چلے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا پورا خاندان، حضرت مجدد الف ثانی کے سو ڈیڑھ سو برس بعد پیدا ہو اور ان کے کام کے ثمرات تیرہویں صدی کے ابتداء میں ظاہر ہوئے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فیض ہے تمام مدارس کا اور تمام علماء کا کہ زندہ اشخاص پیدا کرتے رہیں۔

پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت

میرے عزیز و اہل میں نے دارالعلوم کورنگی میں ایک بات ہی تھی کہ پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں اور نئے مسائل کے حل پیش کر سکیں اور اس میں وہ شریعت کی مدد سے کتاب و سنت کی مدد سے، اصول فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کر سکیں، اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں جیسے مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

اور دوسرے علماء جن کے نام اس وقت مجھے یاد نہیں آئے، پھر اس کے بعد میں نے کہا کہ زمانہ اتنا ترقی کر گیا ہے اور اب زمانہ کے فتنے اتنے سنگین اور زمانے کے چیلنج اتنے شدید ہیں کہ حقیقتہً ضرورت تھی امام غزالی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، و حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی، لیکن اگر حجتہ الاسلام غزالی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ

اس وقت نہ پیدا ہوں تو کم از کم اس درجہ کے لوگ پیدا ہوں جن کے نام میں نے لئے۔
 ہذا مدارس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگادیں کہ وہ تاجر پیدا ہو، وہ وسعت نظر اور
 عمق اور نظر کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو اور وہ کتب و سنت کی روح سے واقفیت پیدا ہو،
 مقصد شریعت سے آگاہی پیدا ہو، بدلے ہوئے زمانہ میں امت کی رہنمائی کر سکیں، محض
 یہ کہ کتاب میں دیکھ لو، یہ کافی نہیں اس لئے کہ کتابیں تو اپنے اپنے عہد میں لکھی گئی ہیں،
 اللہ نے صرف کتاب اللہ کی یہ خصوصیت قرار دی ہے کہ لا تسلی حدتہ ولا تنسہی
 عتائبہ کہ وہ کبھی پرانی نہیں ہوگی، باقی ہر انسانی کتاب میں اس عہد کی چھپ ہوتی ہے
 اس عہد کے گھنے سائے ہوتے ہیں، آپ کسی عالم کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے، اگر اللہ نے
 آپ کو ذوق اور غمی بصیرت دی ہے تو آپ اسے دیکھ کر زمانہ کا تعین کر سکتے ہیں کہ یہ
 کتاب فتنہ تاتار کے بعد لکھی گئی ہوگی، یہ آٹھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے، ہر
 صدی کا اسلوب الگ ہوتا ہے، فکر اور علم کا طرز الگ ہوتا ہے، ان کے درجات الگ
 ہوتے ہیں، یہ مدارس بہت مبارک اور نہایت ضروری ہیں، ہم سب مدارس ہی کے خوان
 نعمت کے ریزہ چھیں ہیں اور میں جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا بات کہہ رہا ہوں، یہ مدارس
 ہی کا فیض ہے، اول سے آخر تک میری تعلیم اسی نہج پر ہوئی، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں (اور
 خدا ارے کہ میری بات جتنی ہے اور جس درجہ کی ہے اسی کے مطابق سمجھ جائے) کہ
 یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کی اس کو ضرورت ہے، اور زندہ انسانوں ہی کے دست
 یہ چھے گا، اسد ف کی عظمت میں رتی برابر کمی کرنا مقصود نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ اس پر
 قناعت نہیں کرنی ہے کہ اسلاف نے یہ کیا، کوئی مسئلہ پوچھنے آئے تو کہے کہ ہمارے یہاں
 ایک سے ایک ہزار عالم پیدا ہو، آسمان ستم، زمین ستم، سائل کہتا ہے کہ کنوئیں میں فلاں چو نور
 سر گیا ہے، تمام جملہ وے پریشان ہیں کتنے ڈول پانی نکالاجائے، آپ کہیں کہ ہمارے

یہاں امام ابو حنیفہ پیدا ہوئے، امام زفر پیدا ہوئے اور آخر میں بدائع الصنائع کے مصنف، البحر الرائق کے مصنف اور فتاویٰ عالمگیری کے مصنف پیدا ہوئے، وہ کہے گا حضرت یہ سب صحیح ہے، لیکن جلدی بتائیے نماز کا وقت بالکل قریب ہے کہ اس کو کس طرح پاک کیا جائے؟ کوئی آپ سے یہ پوچھنے آئے کہ ذرا سی یہ عبارت سمجھ میں نہیں آئی، یہ شعر سمجھ میں نہیں آیا، اس کے معنی بتائیے، آپ ہمیں کہہ رہے یہاں ایسے ایسے ادیب پیدا ہوئے جن کا جواب نہیں، عبدالقادر جرجانی پیدا ہوئے، ابوعلی فارسی پیدا ہوئے، امام زنجیری پیدا ہوئے، حریری پیدا ہوئے اور قاضی فیضل پیدا ہوئے، اور ہندوستان میں بھی ایک سے ایک بڑھ کر ہوئے ہیں، وہ کہے گا یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کتاب پڑھانے جا رہا ہوں، طالب علم منتظر ہیں جلدی سے شعر کا مطلب بتائیے، اسی طرح ہر فن کا حال ہے، جس فن کا آدمی آیا تو کہہ دیا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں، اس سے کام نہیں چلے گا۔

ہر شہر میں قبحر آدمی ہونے چاہئیں

ہر ملک میں بلکہ ہر شہر میں ایسے قبحر آدمی ہونے چاہئیں جو وقت پر مدد کر سکیں، رہنمائی کر سکیں، یہ نہ کر سکیں تو کم از کم کسی علم کا حوالہ دے سکیں، میں خود یہ کرتا رہتا ہوں، کوئی اہم مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے مدرسہ میں مفتی موجود ہیں ان سے پوچھو ”لکل فن رجال“ ہر فن کا شخص الگ الگ ہے، وہ فقہ پڑھاتے ہیں، علامہ ابن حزم کے متعلق امام ابن تیمیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انھوں نے سعی میں رمل و اصطبلع کو لکھ دیا ہے، وہ بہت ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو ان کو طواف اور سعی میں اتنا پس ہو گیا۔ یہ بات الگ ہے، لیکن ہر چیز میں آپ اسلاف کے کارناموں کی فہرست گننے لگیں کہ کیسے کیسے آدمی پیدا ہوئے تو اس کی مثال ایسی ہے

کہ کوئی شخص پیاسا ہو اور پانی پینے آئے اور کہے کہ پانی پلا دیجئے تو آپ اس سے کہیں کہ دنیا میں ایسی ایسی سٹیلیں مٹی ہیں اور ایسی ایسی آئیں کریمیں ایجاد ہوئی ہیں، ایسے ایسے مشروبات ایجاد ہوئے ہیں، تو ہر مضر و بات کے نام لینے سے اور اس میں جو ترقیاں آپ کے اسلاف نے لیں اس سے کیا ہوتا ہے، اس کو تو پانی چاہئے، آپ کٹورہ میں دیں یا مٹی کے کوزہ میں دیں، جب جا کر اس کی پیاس بجھے گی۔

خلا پر کرنے کے لئے جانفشانیوں کی ضرورت ہے

علوم کا زوال بلکہ امتوں کا زوال اسی طرح ہوا کہ جب کوئی کیا تو کوئی دوسرا اس کی جگہ لینے والا نہیں آج خطرہ اسی بات کا ہے جو اٹھتا ہے جگہ خالی کر کے چل جاتا ہے۔ آپ سے کیا ہوں، یہ کہنے کی بات نہیں، ہندوستان میں ہم کیا خلا محسوس کر رہے ہیں، کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کی ضرورت ہے، شیخ الحدیث نہیں مل رہا ہے، کہیں اصول فقہ پڑھانے والا نہیں مل رہا ہے، چھ اللہ کے بند یہاں آگئے اور کچھ اللہ میاں کے یہاں چلے گئے، ایک نے انتقال کیا تو دوسرا منتقل ہو گیا، ہمارے حق میں نتیجہ ایک ہوا، مطلب یہ ہے کہ خلا پُر ہونا چاہئے اور اس کے لئے جانفشانیوں کی ضرورت ہے، یہ کام بغیر جانفشانیوں کے نہیں ہو سکتا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ حدیث کا جید عالم پیدا ہو، فقہ کا کوئی جید عالم پیدا ہو، تو اس کے لئے پتا پانی کرنے کی ضرورت ہے، اور افسوس ہے کہ اب ہمارے مدارس میں اس کا رواج نہیں رہا، سب سمجھ رہے ہیں کہ وہ محنت نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ مبالغہ سہی مگر کسی درجہ میں انہماک ہونا چاہئے، یورپ میں جو ترقیاں ہوئی ہیں اسی لائن سے ان میں بھی استفراق ہے، میں نے واقعات سنے ہیں کہ بعض تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی کہ کب صبح ہوئی اور کب شام ہوئی، میرے جاننے والے ایک دوست جرمنی گئے تھے

انہوں نے کہا ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ کب کام شروع کرتے ہیں، آپ کا یہ وارہ کب سے کھلتا ہے، تو اس نے کہا ابھی بتاتا ہوں، وہ اندر گیا اور ایک آدمی سے پوچھا کہ میرا شعبہ کب سے کھلتا ہے، اس نے بتایا، اتنے بجے تو آکر کہہ دیا کہ اتنے بجے سے، میں نے کہا کیوں آپ نے خود کیوں نہیں بتلایا تو اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں میں اتنی صبح آجاتا ہوں کہ مجھے ہوش نہیں رہتا اور میں گھڑی بھی نہیں دیکھتا، کام کا جوش اتنا غالب ہوتا ہے۔

میرے عزیز طلبہ! یہ انتشار کا دور ہے، آج کل تو بڑی مصیبت یہ ہے کہ آپ یہاں سے جائیے، پچاس چیزیں آپ کو ایسی نظر آئیں گی جو انتشار پیدا کرنے والی ہوں گی۔ آپ ایسے حالات دیکھیں گے جو انتشار پیدا کرنے والے ہوں گے آپ ایسی تصویریں دیکھیں گے جو ساری ذہنی یکسوئی ختم کر دیں گی، اور اگر ٹیلی ویژن ہو رہا ہے تو سبحان اللہ! اللہ کہہ دیجئے، اس زمانہ کی خوبی یہ تھی کہ انتشار پیدا کرنے والی چیزیں کم تھیں اور لوگوں میں علمی استغراق تھا، میرے ایک مغربی استاد نے بتایا کہ ایک صاحب مغرب (مراکش) میں فقہ، مکی پر کتب لکھتے تھے، ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ دوپہر کو وہ گھر جاتے تھے اور کھانا کھاتے تھے اور جاتے تھے، ایک دن وہ گھر نہیں گئے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ کھانے پر تشریف نہیں لائے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں میں تو کیا تھا! میں نے کھانا بھی اٹھایا، اب ان کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہوئی، معلوم ہوا کہ مسئلہ سوچتے ہوئے نکلے اور ایک گھر کا دروازہ کھلا تھا اس میں چائے اور وہ لوگ اتنے مشفق اور مہذب تھے کہ انھوں نے کہا: کھادیا اور ان کو بالکل محسوس نہیں ہونے لایا کہ ان کا گھر نہیں ہے، اس زمانہ میں علماء کی قدر تھی، ان کو شاید یہ معلوم تھا کہ وہ اس وقت نکلتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں، گھر والوں نے اسے خوان بچھایا، ہاتھ دھوائے، انھوں نے کھانا کھایا، ہاتھ پونچھے اور اپنی جد آگئے ورنہ یہ

سمجھتے رہے کہ وہ اپنے گھر گئے تھے اور کھانا کھایا تھا۔

ایک واقعہ امام غزالی نے غالباً احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ امام شافعی ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کے گھر آئے۔ امام صاحب کے بچے کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ ہمارے والد ہر نماز کے بعد امام شافعی کے لئے دعا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ:

”اے اللہ! محمد بن اور لیس کو زندہ رکھ، قائم رکھ، ان کی عمر میں

برکت دے۔“

وہ بچے سوچتے تھے کہ ہمارے باپ امام وقت ہیں ان کے استاد کیسے ہوں گے جن کے لئے یہ دعا کرتے ہیں؟ تو ایک مرتبہ پوچھا کہ ابا جان! آپ کے لئے دعا کرتے ہیں اور کیوں؟ انھوں نے کہا:

”یا بنی انہ كالشمس الدینا والعافیة للبدن۔“

ایک مرتبہ لطیفہ پیش آیا کہ امام شافعی تشریف لے آئے تو گھر والوں نے سمجھا کہ گھر بیٹھے دوست ملی، بڑی خاطر مدارت کی اور ات کو جب وہ کھانا کھا کے اور باتیں کر کے بستر پر لیٹے تو بچوں نے سوچا کہ والد صاحب بڑا وقت عبادت میں گزارتے ہیں، یہ تو ہمارے والد کے بھی استاد ہیں، ان کی تو پک بھی نہیں گئے گی، رات بھر عبادت کریں گے، چنانچہ انھوں نے لوٹا بھڑر رہ دیا کہ رات کو اٹھیں گے، وضو کریں گے، عبادت میں مشغول ہو جائیں گے لیکن وہ صبح تک سوتے رہے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل آئے اور انھوں نے اٹھایا، وہ اٹھے اور بے وضو کئے ہی نماز پڑھنے چلے گئے، اب تو ان کے پاؤں تلے زمین نکل گئی کہ یا اللہ قصہ کیا ہے؟ لوٹا دیکھا تو ویسا کا ویسا بھرا رکھا ہے، بڑی حیرت کہ انھوں نے بے وضو نماز پڑھی، اس زمانہ میں اعتراض کرنے کا رواج نہیں تھا، جب وہ مجلس میں آکر بیٹھے تو امام احمد بن حنبل سے امام شافعی نے کہا کہ ابو عبد اللہ رات کو عجیب واقعہ پیش آیا جب تم مجھے ناکر کئے تو فلاں حدیث کی طرف میرا ذہن چلا گیا، میں نے

اس سے مسائل استنباط کرنے شروع کئے، رات بھر مسائل استنباط کرتا رہا، مسائل کی ایک بڑی تعداد بیان کر کے فرمایا کہ اتنے مسائل استنباط کر چکا تھا کہ صبح ہو گئی، اسی لئے شعر نے کہا ہے ۔

کارِ پا کاں را قیاس از خود ملکہ
گرچہ باشد درنوشتن شیر، شیر

اگر بدگمانی کا دور ہوتا تو اخبار میں چھاپ دیا جاتا کہ ایسے ایسے علماء ہیں جو بے وضو نماز پڑھ لیتے ہیں، بلکہ پڑھا بھی دیتے ہیں تعجب نہیں کہ انھوں نے نماز پڑھائی بھی ہو، بھلا ان کی موجودگی میں کون نماز پڑھاتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس خلا کو پُر فرمائے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دین و علم کا دائمی رشتہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين،
ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين. اما بعد
وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل
فرقة منهم ليتفقها في الدين ولينذروا قومهم اذا
رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ۝

”اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں
کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں چند اشخاص نکل جاتے تاکہ
دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی
طرف واپس ہوتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے۔“

(توبہ آیت ۱۲۲)

اسلام اور علم کا رابطہ

میرے عزیز بھائیو، اور دوستو!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسلام علم کے بغیر نہیں رہ
سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ علم بھی اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے لیکن کسی اور مجلس میں شرح و

بسط کے ساتھ کہنے کی بات ہے، وہ علم علم ہی نہیں جو وحی کی سرپرستی و روحی کی رہنمائی بلکہ وحی اور علوم نبوت کی نگلی پکڑ کر نہ چلے اور جس پر وحی کی مہر تصدیق ثبت نہ ہو۔ اور جو وحی اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کی سرپرستی میں، اتالیقی میں، نگرانی میں، رہنمائی میں نہ ہو وہ علم علم نہیں۔

ع علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اس وقت ہمارا آپ کا موضوع ہے کہ اسلام بغیر علم کے نہیں رہ سکتا اس کی مثال ہر کل ایسی ہے کہ جیسے آپ مچھلی کو پانی سے نکال دیجئے تو اس کا دم ٹھٹھنے لگتا ہے اور وہ مر جاتی ہے، تو اسی طریقہ سے اسلام کے لئے علم ضروری ہے خدا کی صحیح معرفت ہو، اس کی ذات و صفات کی صحیح معرفت ہو۔ اس کا بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بندوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہئے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ آغاز کیا ہے؟ انجام کیا ہے؟ ابتداء کیا ہے؟ انتہاء کیا ہے؟ انسان کہاں سے آیا اور اس کو کہاں جانا ہے، اور پھر کیا ہونا ہے اس کے بعد؟ علم ہونا ضروری ہے اسی لئے اسد مہم کو چاہتا ہے اور وہ علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔

پہلی وحی میں علم و قلم کا تذکرہ

پہلی وحی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی اور سائنس دان اس کے بعد آسمان و زمین کا پہلی مرتبہ جو رشتہ قائم ہوتا ہے زمین کے سے پہنچنے کے لئے اور آسمان کے سے پہنچنے کے لئے، برسوں کے بعد ڈونگپٹرے ہوئے ملتے ہیں وہ ایسا دور ہے کہ یہاں یہ افواہ فرمایا، شکایتیں درحکایتیں سناتے ہیں زمین اس وقت جو یہ ڈونگپٹرے ہوئے آسمان سے اس کی جو جس کو زمین والوں کا رشتہ اللہ سے جو رشتہ اللہ سے پہنچا بیخود ہے۔ اس میں ماہر اس سے آپ علم و قلم کی اہمیت و عظمت سمجھیں گے۔ اس پہلی وحی و پیغام آسمانی میں عزت کا مقصد یہ گیا۔

شیخ عبدی علیہ رحمۃ اللہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا تھا

ع کتب خانہ چند ملت ہشت

لیکن آپ نے کتب خانے اتنے دھوئے نہیں جتنے کتب خانے بنا دیئے، وہی کتب خانے دھوئے جن کو دھونا چاہئے تھا، لیکن دھو کر کے پھر کیا دیا؟ نور دیا، یقین دیا، اللہ کی صحیح معرفت عطا فرمائی، انسان کو انسان بنا دیا اور جاہل انسان بلکہ حیوان صفت انسان کو دنیا کا معلم بنا دیا۔ بقول اکبر ۔

جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا مقام

دنیا کی کوئی قوم ہم سے مستغنی ہو سکتی ہے کہہ سکتی ہے کہ ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم پر کوئی فرض واجب نہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہم پڑھیں اور پڑھائیں۔ بچوں کی تعلیم کا نظام ریں لیکن روئے زمین پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں وہ چاہے مقامات مقدسہ ہوں، چاہے جزیرۃ العرب ہو، چاہے یورپ و امریکہ ہو، چاہے ہندوستان کی سر زمین ہو، شہر ہو قصبہ ہو، دیہات ہو جہاں مسلمانوں کے چار گھر بھی آباد ہوں، بلکہ جہاں چار مسلمان بھی پائے جاتے ہیں وہاں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ”اقرأ“ کا سامان کریں۔ وہ اس کی تعمیل کریں کہ پڑھو، یہ کام شفا خانوں کے قیام سے زیادہ ضروری ہے اور آپ کی دکانوں سے زیادہ ضروری ہے، یہ کارخانوں سے زیادہ ضروری ہے، اس میں سے کسی چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مامور نہیں فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ تجارت کرو، کماد کہ یہ بہت بڑی حقت ہے، دین حق کو غائب کرنے کے لئے خوب پیسہ پیدا کرو، خوب دوست جمع کرو، اپنی امت کو سبق سکھاؤ، یہ کہیں نہیں فرمایا۔ فرمایا تو یہ فرمایا ”اقرأ“ (پڑھو) اب بتائیے کہ علم کا کیا مقام ہوا؟

اچھا پھر وہ علم جو منجانب اللہ حاصل ہوتا ہے، ایک علم لدنی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کسی

کا سینہ کھول دیتا ہے وراے علوم کا گنجینہ بنا دیتا ہے ان کی زبان سے حکمت اہتی ہے، یہ سر آنکھوں پر، ہم ان کو اپنے سے ہزار درجہ افضل مانتے ہیں۔ ان کا سر یہ پڑ جائے تو ہم سمجھیں کہ ہم آدمی بن جائیں گے، لیکن ”اقراء“ اپنی جگہ پر رہے گا۔ ان حضرات کو بھی ضرورت ہے کہ وہ مسئلہ پوچھیں عالموں سے بڑے بڑے صاحب ادراک، صاحب کشف بھی نماز کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔

یہ ”اقراء“ کا سلسلہ ایسا ہے کہ نبی اُمی سے شروع ہو کر آخری اُمی تک (یعنی جو لفظنا بے پڑھا ہے) جاری رہے گا۔ کتنے ہی دنیا میں انقلابات آئیں سلطنتیں بدلیں، تہذیبیں بدل جائیں۔ اور انقلاب عظیم برپا ہو جائے۔ زبان بدل جائے، تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہے گا!

حفاظت قرآن کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب اور کسی زبان کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی۔ قرآن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ یہ ہے تو حفاظت کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ بس کتاب رہے نہ کوئی اس کو سمجھے نہ سمجھے۔ اس کے لئے سمجھنے سمجھانے والے بھی ہونے چاہئیں، اور وہ کتاب الفاظ میں ہے تو زبان بھی ہونی چاہیے۔ الفاظ بغیر زبان کے نہیں رہتے۔ اس لئے عربی زبان بھی رہے گی کتنی زبانیں مٹ گئیں، لیکن شریعت الہی کی زبان عربی اپنی جگہ پر ہے اور اس کا علم اپنی جگہ پر ہے، تو ہر جگہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے یہاں مقدور بھر دینی تعلیم کا انتظام کریں، ہر جگہ مسائل بتانے والے نہ صرف یہ کہ موجود ہوں بلکہ ان کا سلسلہ جاری رہے یہ بھی مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے۔ مدارس کا سلسلہ ضروری ہے یہ کوئی شوق تفریحی کام نہیں ہے یہ خاص دینی ضرورت ہے، میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ مساجد کے بعد نمبر دو چیز یہی ہے اور سچ پوچھئے تو مساجد کی پشت پناہ بھی یہی مدارس ہیں اگر مدارس نہ ہوئے تو آپ کو امام کہیں سے ملیں گے؟ اور اگر ایسے امام مل گئے جو بس

نماز پڑھا دیں تو جمعہ پڑھانے کے لئے اس سے زیادہ کچھ شرائط ہیں اس کے چھ اور احکام ہیں پھر اس کے بعد مسائل کے لئے آپ کہاں جائیں گے، مسجدوں ہی میں تو جائیں گے امام صاحب سے پوچھنے امام صاحب کو کوئی علم نہیں ہے بس تھوڑی سی سورتیں یاد کریں اور نماز پڑھانا آگیا تو یہ مدارس درحقیقت مساجد کے بھی محافظ ہیں اور مساجد کو بھی غذا پہنچاتے ہیں۔

فضلائے مدارس کا فرض

میں نے آپ کے سامنے شروع میں آیت پڑھی تھی وما كان المؤمنون لينفروا كافةً یہ تو نہیں ہو سکتا، یعنی ایک غیر ممکن سی چیز ہے غیر طبعی چیز ہے کہ سب مسلمان سب کام چھوڑ چھڑ کر دین سیکھنے نکل جائیں، نہ دکان پر کوئی بیٹھنے وال ہو، نہ کوئی خرید و فروخت کرنے والا، نہ کوئی ضرورت پوری کرنے وال، معلوم ہو اس راشر چلا گیا مدرسہ کا طالب علم بن کر، یہ ہونے والی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی بات نہیں کہتا نہ اس کا مکلف قرار دیتا ہے نہ اس کا مطالبہ کرتا ہے، فرماتا ہے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مومنین سب کے سب گھر چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ ”فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة“ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ اس کے لئے تیار ہو جائیں کہ وہ دین سیکھیں، ليتفقھوا فی الدین دین کی سمجھ حاصل کریں یعنی وہ دین کے احکام و مسائل کا علم حاصل کریں۔ ”ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم“ جا کر اپنی اپنی بستیوں میں ہدایت کا کام کریں، وعظ وارشاد کا کام کریں۔ اور ان کو خطرات سے مہلکات سے بچائیں شرک کے مہلکات سے کفر کے مہلکات سے، ان عقائد سے ان رسوم سے ان اعمال سے کہ جن سے آدمی بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ اسلام کی سرحد پار کر جاتا ہے اور مسلمانوں میں اس کا شمار نہیں رہتا، بعض چیزوں سے ایمان چلا جاتا ہے بالکل آدمی نے گویا رتہ ادھتیا کر لیا ”لینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم“

علم ہی بتا سکتا ہے مسلمانوں کا کوئی بہت بڑا شہر ہو، تجارتی مرکز بھی ہو کھاتے پیتے مسلمان رہتے ہوں لیکن ایک مدرسہ بھی وہاں نہ ہو دین کے موئے موئے احکام سکھانے کے لئے اور قرآن مجید پڑھانے کے لئے تو پورا شہر گتھگا رہوگا، بس یہی فرض کفایہ کے معنی ہوتے ہیں، پورا شہر خطرہ میں ہے اور خدا کے یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ تمہیں توفیق نہیں ہوئی کہ اتنے بڑے شہر میں مدرسہ قائم کرو۔ یہ بات ایسی نہیں جیسے تہجد پڑھنا بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تہجد تو فرض نہیں ہے اللہ توفیق دے کوئی پڑھے تو اچھی بات ہے ایسے ہی ان لوگوں نے مدرسہ قائم کر دیا ہے تو تہجد پڑھایا کوئی خیرات کر دی، یہ بنیادی کام ہے یہ آپ کے لئے شہہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے کہ آپ اپنے یہاں بقدر ضرورت کم سے کم دینی تعلیم کا انتظام کریں آپ کے شہر میں ایسے لوگ ہوں جو وقت پر مسئلہ بتا سکیں اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ پیش آجائے، حلال و حرام، کفر و ایمان کا کوئی مسئلہ آجائے تو اس میں وہ رہنمائی کر سکیں، بتا سکیں کہ یہاں سے یہاں تک تو اسلام ہے اس کے بعد کفر ہے ورنہ آپ کو سمجھنا چاہئے ہو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

”قَدْ تَسَى الرُّشْدَ مِنَ الْعِيَّ ۖ فَمَنْ يَكْفُرُ بِالطَّاغُوتِ

وَيُؤْمِنُ ۖ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ“

(القرہ ۲۵۶)

یہ رشد ہے اور یہ نئی ہے، یہ اسلام ہے اور یہ جاہلیت ہے، یہ بتا سکیں، اس کے بعد کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

عوام کی ذمہ داری

بنیاد رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے بنیاد رکھ دی ہماری ایک ذمہ داری ہو گئی آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں یہ بنیاد تو ہم آپ کی طرف سے رکھیں گے گویا آپ کے ہاتھوں سے آپ سب تو ہاتھ نہیں لگا سکتے تو ہم آپ کی طرف سے آپ کی نیابت کریں گے خدمت

ہم کریں کہ وہ پتھر رکھ دیں۔ لیکن آپ کا کام ختم نہیں ہوتا، بلکہ سچ پوچھئے تو اس سے شروع ہوتا ہے اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس مدرسہ کو ترقی دیں، باقی مشورہ کا معاملہ ہے استادوں کا مسئلہ ہے کتابوں کا مسئلہ ہے، نصاب کا مسئلہ ہے کبھی جسوں میں آنے جانے کا مسئلہ ہے اس کے لئے ہم حاضر ہیں۔ آپ کو شکر گزار ہونا چاہئے کہ ایک بہت بڑی مصیبت سے ایک قومی و ملی کوتاہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچا لیا اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو خدا کے یہاں پریش ہوتی۔

سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام

اسی طریقہ سے آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ بچوں کو خواہ اس مدرسہ میں نہ پڑھتے ہوں اسکولوں میں پڑھتے ہوں، ان کی بقدر ضرورت دینی تعلیم کا انتظام آپ کے ذمہ فرض ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(الحجۃ ۶)

”اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جو تمہارے

ذمہ ہیں ان سب کو آگ سے بچاؤ۔“

یہ آپ کا فرض ہے آپ ان کے لئے صبح و شام کوئی انتظام کریں۔ کوئی ٹیوٹر رکھیں، کسی مہلوی صاحب کی خدمات حاصل کریں، بہر حال ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے آپ کو کچھ سامان کرنا چاہئے۔ ایسی ہی کچھ چیزیں اور ہیں، مثلاً اس ملک میں موجودہ دور میں اور اس جمہوری ملک میں اور ایک ایسے ملک میں جہاں ہم اکثریت میں نہیں ہیں بہت سی تحریکیں ہیں، جہاں تبدیلیوں جلدی جلدی ہوتی ہیں، بہت سے چیلنج سامنے آتے ہیں اس ملک میں اس طرح ہم اپنے دین کو بھی بچا سکتے ہیں اور اپنی عزت کو بھی بچا

سکتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھی بچا سکتے ہیں اس کے لئے کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو آپ کو اختیار کرنا ہوگا اور ان پر عمل کرنا ہوگا لیکن اس وقت خاص دینی تعلیم کے تعلق سے کہتے ہوں کہ اس مدرسہ کو ترقی دینا اس کو تکمیل کی منزل تک پہنچانا اس کے منصوبہ کو پورا کرنا اور اس کو اس قابل بنانا کہ یہ آپ کے پورے جوار کا اس پورے نواح کا ایک مرکزی مدرسہ بن جائے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔

اسی طریقہ سے اپنے بچوں کو اردو سکھانا اور دینیات کی تعلیم دینا اور سیرت و رخصیہ کرامت اور دینی شخصیتوں سے واقف کرانا اور کفر و ایمان کا فرق اور توحید و شرک کا فرق بتانا ضروری ہے۔

اسی طریقہ سے جو باغ حضرات ہیں ان کو اپنے دین کے لئے بھی اور دینی جذبات کو ترقی دینے کے لئے بھی اور دینی عزم پیدا کرنے کے لئے بھی تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنا اور ان کے اجتماعات میں شریک ہونا اور اس کو وقت دینا اور دینی کتابیں پڑھنا یہ سب بہت ضروری ہے ورنہ ایسے ملک میں جیسا کہ ہندوستان ہے بلکہ ایسے دور میں جس میں ہمیں خدا نے پیدا کیا ہے نظر چوکی، آنکھ چھپکی اور آدمی مارا گیا، ہر وقت چوکنہ رہنے کی ضرورت ہے اور اس میں بہت وسیع نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور گرد و پیش کے حالات کا پورا جائزہ لینے کی ضرورت ہے زندگی کے دھارے سے الگ ہونا خطرناک ہے اگر مسلمان، حول سے مٹ گئے اور اپنے خول میں رہنے اور اپنی خیالی دنیا میں بسنے لگے کہ جو چھ ہوتا ہے ہونے دیجئے ہم تو نماز روزہ کرتے ہیں اس طرح آپ ملک میں نہیں رہ سکتے اس ملک میں ہر وقت حالات کو دیکھتے رہیں اور اپنے مخلص رہنماؤں کی باتوں پر دھیان دینا ہے جن کو صرف اس سے دلچسپی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس انعام سے سرفراز فرمایا اور جو امانت ہمارے سپرد کی وہ ہم محفوظ رکھیں اور اس کو لے کر ہم دنیا سے جائیں اور سرخرو ہوں اور جن کو صرف اس بات سے دلچسپی ہے ان کے مشوروں کو آپ

مانیں اور غور سے سنیں۔ اس ملک میں ہمیشہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور دیکھتے رہیں کہ کیا ہو رہا ہے، کیا چیز ایسی پیدا ہو رہی ہے کہ جس سے ہم کو بھی اور اگر ہم بھی رہ گئے تو ہماری آئندہ نسلوں کو مسلمان رہنا مشکل ہو جائے۔ اس کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔
ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی قدر دانی نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

دعوتِ ایمان اور پیامِ انسانیت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين ومن
تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد

دعوت کی خاصیت

دوستو اور بھائیو! آج میں آپ کی خدمت میں دو باتیں عرض کروں گا۔ ایک بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح اشیاء میں خاصیتیں پیدا کی ہیں اور وہ ہزاروں بندہ شاید لاکھوں برسوں سے چلی آ رہی ہیں، زمانہ میں کتنے انقلابات آئے، سلطنتوں کے چراغ گل ہو گئے، کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں خلیج عربی کا کوئی وجود نہ تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبھی شام اور ہندوستان کی سرحد ایک تھی، مصر اور ہندوستان کی تہذیب میں جو مماثلت پائی جاتی ہے ان کے عقائد میں بلکہ مزاج تک میں جو اشتراک ہے اس سے لوگوں نے اندازہ کیا ہے کہ کسی زمانہ میں مصر و ہندوستان قریب تھے اور یہ ایک تختہ تھا جو یہاں سے وہاں تک چلا گیا تھا۔ یہ سب انقلابات ہوئے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اشیاء میں جو خصوصیات رکھی تھیں وہ آج تک چھٹی آ رہی ہیں، پانی آگ بجھاتا ہے، آگ جلاتی ہے، سنگھیا اور زہری جتنی قسمیں ہیں وہ کام تمام کر دیتی ہیں، سردی گرمی کے وہی اوصاف ہیں اور انسانوں کو کھانے کی ضرورت ہزاروں لاکھوں برس سے ہے، غلہ ہمیشہ سے پایا جاتا ہے، انسان کے لئے اس کے ماحول میں جو چیزیں رکھ دی گئی ہیں ان سے اس کا تعلق

بہت قدیم ہے، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اخلاق میں، اعمال میں اور معنویات میں تاثیر رکھی ہے، ایمان میں اس نے جو اپنے تعلق کی صفت رکھی ہے اپنی یاد میں، اپنے ذہن اور اپنی عبادت میں، توجہ میں جو خصوصیت رکھی ہے وہ لاکھوں برس سے ہے اور اگر ابھی دنیا کے مقدر میں ہزاروں برس باقی رہنا ہے تو یہ خاصیت رہے گی۔

تاریخ کی کسی ایک شہادت سے نہیں معصوم ہوتا کہ ان اخلاق، اعمال اور عقائد کی خاصیت کسی زمانہ میں کچھ اور تھی، تاریخ تو کیا بتاتی کوئی صحیفہ آسمانی بتاتا کہ توحید میں جو خاصیت ہے وہ کبھی شرک میں تھی جو نیک اعمال میں خاصیت ہے کبھی بد اعمالی میں تھی۔ جو ہمدردی میں خاصیت ہے وہ کبھی بے دردی میں تھی، جو عدل میں خاصیت ہے وہ کبھی ظلم میں تھی کوئی آسمانی صحیفہ یہ نہیں بتاتا، توریت ہو، انجیل ہو، صحفِ ابراہیم ہوں، زبور ہو اور پھر آخری صحیفہ قرآن مجید ہو، سب یہ بتاتے ہیں کہ ایمان میں توحید میں، نیک اعمال میں، عبادت میں، عدل میں، انصاف میں، ہمدردی میں، محبت میں یہ ہے، جب یہ حقیر اشیاء جو انگلیوں سے مسلی جاسکتی ہیں، پیروں سے روندی جاسکتی ہیں جنہیں استعمال کے انسان نہایت خراب حالت میں پہنچ سکتا ہے جن کو جانور چرتے ہیں، کھا جاتے ہیں، جن کو پانی بہا لے جاتا ہے ان میں یہ خاصیت ہے تو وہ چیزیں جو خدا سے اور اس ذاتِ عالی سے تعلق رکھتی ہیں ان میں یہ خاصیت کیوں نہ ہوگی۔

صفات میں تغیر پیدا کیجئے

میرے دوستو اور بزرگو! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خدا اور آپ کے لئے دنیا میں نجات کا، عزت کا اور حفاظت کا راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم خدا کے پیغمبروں کی تعلیمات پر چلیں اور اپنے اندر وہ صفات پیدا کریں جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے

”وَإِنْ حَنَدُوا لَكُمْ الْعَالُونَ وَإِنْ حَنَدُوا لَكُمْ
الْمَنْصُورُونَ.“

”بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے بے شک ہمارے
ہی لشکر کی مدد کی جائے گی۔“

وہ اخلاق پیدا کریں جو دلوں کو کھینچتے ہیں، جو دشمنوں کو دوست بناتے ہیں، ہمارے
اندر سچی ہمدردی پیدا ہو، بے عوٹ خدمت کا جذبہ پیدا ہو، ہمارے اندر درد پیدا ہو کہ یہ کیا
ہو رہا ہے ہم اپنے اندر سے حسد نکال دیں، کینہ کو نکال دیں، خود غرضی کو نکال دیں، ہماری
سطح بند ہو جائے، ہم مال و دوست کے پرستار نہ ہوں، ہم نوکریوں اور آسامیوں کے
عبدت گزار نہ ہوں، ہم عرف و اقبال، طاقت و دبہ اور اقتدار کے پجاری اور غلام نہ
ہوں، ہم ابن الوقت اور موقع پرست نہ ہوں، ہم پیسہ پر جان دینے والے نہ ہوں،
یہ اخلاق اگر ہم اپنے اندر پیدا کر لیں گے تو سرے عالم کی کیفیت بدل جائے گی اور ہم
خدا کے محبوب بن جائیں گے اور پھر آسمان سے صدا آئے گی کہ مجھے اپنے فلاں بندہ سے
محبت ہے تم بھی اس سے محبت کرو، اس سے بڑھ کر کوئی شمشیر، اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر پیغمبر سے
لے کر اولیاء اللہ تک اور اولیاء اللہ سے لے کر عام مسلمانوں تک نہ کبھی تھی اور نہ کبھی ہوگی،
کوئی سیاسی رہنما کوئی دنیا کا فلسفی و دانشور آپ کو اس سے بہتر مشورہ نہیں دے سکتا اور کسی
کے مشورہ سے آپ کو فائدہ نہیں ہو سکتا جو آپ کو خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستہ
پر چلنے سے ہے، یہ عالم بہت وسیع ہے اور اس کثرت میں اتنا انتشار ہے اور اس میں اتنی
چیزیں اتنی اکائیاں پھیلی ہیں کہ آپ ان کو سمیٹ بھی نہیں سکتے، آپ ایک شہر کی ایک محلہ
کی بھی اکائیوں کو نہیں سمیٹ سکتے، اس کثرت میں اگر آپ وحدت پیدا کریں، اس
کثرت میں اگر اس ذات واحد سے آپ کا تعلق پیدا ہو جائے اور اس کو آپ اپنا بنائیں تو
پھر سارا عالم آپ کا بن جائے گا۔ صفات میں جب تک تغیر نہ ہوگا حالات میں تغیر نہ آئے

گا۔ آپ اپنی صفات میں تغیر پیدا کیجئے، اپنی افادیت ثابت کیجئے اور اس لئے ثابت نہ کیجئے کہ آپ کو فائدہ ہو بلکہ آپ مجسم افادیت بن جائیے، ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، ثابت کرنا بھی ایک طرح کا تصنع ہے، نہیں آپ مفید بن جائیے یہ نہ دیکھئے کہ دوسروں نے آپ کو مفید، نایا نہیں، پانی کب کہتا ہے کہ میں پیاس بجھاتا ہوں، کیا آپ نے کبھی سنا ہے پانی کے وکیل آئے ہوں، پانی کے مبلغ آئے ہوں، پانی کے سفیر آئے ہوں کہ پانی یہ کہتا ہے کہ میں بہت کام کی چیز ہوں مجھے پینا چاہئے، مجھ سے پیاس بجھتی ہے؟ آگ نے کبھی کہا تھا یا اپنا سفیر بھیجا تھا کہ میں کھانا پکاتی ہوں، میں بہت کام نکالتی ہوں، یہ سب بے زبان چیزیں ہیں یہ نہ کبھی بولی ہیں اور نہ بولیں گی مگر ان کی افادیت مسلم ہے، ساری دنیا ان کی پابند اور محتاج ہے، ایسے ہی مسلمان کسی ملک میں بھی محبوب بن کر رہنا چاہتے ہیں تو اپنی صفات میں تغیر پیدا کریں۔ تمام سیرت کی کتابیں اور تاریخ کی کتابیں اس کے دلائل سے بھری ہوئی ہیں، آپ نے بارہا یہ ایمان افروز واقعات سنے ہیں میں صرف دو واقعات سناتا ہوں۔

داعی کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی

حضرات گرامی ایک واقعہ تو وہی دجلہ والا ہے جب مسلمان مدائن فتح کرنے کے لئے دجلہ کے قریب پہنچے تو مدائن کا شہر سامنے تھا لیکن پل توڑ دیئے گئے تھے، کشتیاں وہاں سے ہٹا دی گئیں تھیں، مسلمانوں کے لئے اس کے پار کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، آپ کو معلوم ہے کہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے عرب دنیا میں گھوڑے کے سب سے بڑے شہر سوار تھے لیکن پانی سے ان کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا یہ پیرنا کیا جانیں، اور سمندر بھی بزرگ نہ نہیں ہے، صرف ساحل عرب پر ہے، جو اس کے قریب رہتے ہیں اور وہ بھی اکثر کشتیوں پر بیٹھنے کے عادی ہوا کرتے ہیں، عام طور پر تو عرب کچھ بھی جانتے ہوں لیکن پیرا کی سے ناواقف تھے، اب سوال یہ ہے کہ مدائن اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ سامنے

ہے مگر اس میں جیسا جیسے جائے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وہاں لشکر چند منٹ کے لئے روکا اور سہمان فرسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، میں یہ واقعہ کئی بار ذکر کر چکا ہوں، لکھ چکا ہوں مگر اس سے بہتر واقعہ تاریخ عالم میں نہیں مل سکتا اور یہ ایسی بولتی ہوئی کہانی ہے، سچا واقعہ ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی تو انہوں نے حضرت سہمان کی طرف دیکھا کہ یہ کرنا چاہئے؟ انہوں نے کہا ”ان هذا اللہ یس لحدید“ اللہ کا یہ دین اس کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے یہ ابھی ابھی آیا ہے دنیا کو نجات دینے کے لئے میری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس کا بیڑا یہیں غرق ہو جائے جس کام کے لئے بھیجا جائے وہ کام پورا نہ ہو بلکہ بھینچنے والا قادر ہو، آپ نے اپنے نوکر کو بھیجا اور آپ کی حکمرانی ہے، آپ کا سکہ چل رہا ہے تو کیا مجل ہے کہ کوئی آپ کے نوکر کو روکے یا راستہ ہی میں اس کا کام تمام کر دے، تو انہوں نے کہا یہ دین ابھی تازہ ہے، اسے ابھی دنیا میں آئے تھے ان ہولے ہیں اور اس کے نمائندے ڈوب جائیں؟ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ میں شہر میں نہ، تو انہیں ہوئے ہیں۔ غر میں گنہگار اوج تو نہیں ہو گیا ہے؟ بس انہوں نے یہ کہا اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے شکر پر ایک نگاہ ڈالی، وہ نگاہ بھی کیا نگاہ تھی، اور وہ شکر بھی یا شکر تھا کہ اس کی صورت سے معصومیت ہوتی تھی، اور وہ نگاہ بھی یہ نگاہ تھی جو ایک نظر میں سب ہار ہارے لے، آج جائزے کے لئے کیسے محکمے قائم ہیں پھر بھی اس کا پتہ نہیں چلتا ہے اور انہوں نے ایک مرتبہ دیکھا اور کہا ”سم اللہ چلو بس“ انہوں نے یہ میں سمجھتا ہوں، اب وہ نہایت اطمینان سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے، ان کی صاحبی کا ایک ہاتھ ان کے اوپریں انہیں دھکنے دیئے کہ آپ کا برتن گر گیا؟ انہوں نے ہابائے گا کہیں اس کی جال کیا ہے، ایک ہر آئی اور برتن بہتا ہوا ان کے پاس آیا۔ انہوں نے اسے اٹھا پانے اطمینان کی اس وقت پر یہ حالت تھی لکھ ہے کہ اس طرح انہیں رہ رہتے گاہے یمسوں فی البرایا پتہ چل رہا تھا جیسے خوشی پر چل رہے

ہوں، جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا دیواں آمدند، دیواں آمدند یہ تو دیوار ہے ہیں دیوار ہے ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت عقبہ بن نافع کا ہے جب وہ قیروان گئے اور وہاں چھاؤنی ڈالنے کا ارادہ کیا کہ وہاں سے بیٹھ کر سارے شمالی و مغربی افریقہ کو فتح کریں اور جگہ ان کو پسند آئی تو لوگوں نے کہا یہ جگہ من سب نہیں ہے، شیر چیتے، بھیڑیے بہت ہیں جو بھی جانور رہے ہوں، شیر کا نام تو خاص طور پر لیا اور بھی جانور رہے ہوں گے، تو کہا آپ یہاں چھاؤنی نہ بنائیں گے بنائیں۔ معقول بات تھی اور معمولی بات تھی، اللہ کی بڑی زمین پڑی ہوئی تھی لیکن صحابہ کرامؓ کا ذہن ہی اور تھا وہ حالات کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے تھے، حالات کو اپنے موافق بناتے تھے، انہوں نے کہا ہم تو جو اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں چھ جائیں اور یہ شیر اور چیتے رہیں؟ رہن تو اسے چاہئے جس کی ضرورت ہو، اس لئے یہ تو اتنی بات ہوئی کہ ہم کہیں یہ جگہ من سب نہیں ہے آگے چلو، اور شیر کون سا مفید کام کر رہے ہیں، یہ کون سا اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، یہ بھیڑیے کون سے مفید ہیں اس لئے ہم نہیں جائیں گے، ان کو جانا چاہئے یہ ہمہ کرا انہوں نے ایک آدمی کو بلایا، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، افسانہ نہیں ہے اور عرب ایرانیوں اور ہندوستانیوں کی طرح تاریخ میں افسانہ لکھنے کے بالکل عادی نہیں ہیں، تاریخ بالکل سچی لکھتے ہیں جیسی تو حدیث محفوظ رہی، تو انہوں نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا دیکھو اعداں کر دو کہ شیر و! اور چیتو! اب بھیڑیو! اے تین دو دو! ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ہم یہاں چھاؤنی بنانا چاہتے ہیں، ہم یہاں بیٹھ کر اللہ کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں، اور اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس کو اپنی جان پیاری ہے قتل وقت تک مہلت ہے چل جائے اور اگر وہ رہے گا تو ان کی جان کی خیر نہیں، لوگوں نے کہا واللہ العظیم ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چیتا بھاگا چھا جا رہا ہے، اور اس کی مادہ اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے ہے، بغل میں دبائے ہوئے ہے اور بھگی چلی جا رہی

تو اخلاق بدلنے کی ضرورت ہے یعنی یہ کہ آپ دعوت لے کر بھڑے ہوں اور اپنے درمیان بھی داعی بنیں، مسلمانوں کو آپ تبلیغ کریں تاکہ آپ کی بات کا مسلمانوں میں وزن ہو اور آپ مسلمانوں پر اثر انداز ہو سکیں اور مسلمانوں میں اصلاح کی رو چلے، تعلق باللہ کی رو چلے، ان کے اخلاق درست ہوں وہ نمونہ بنیں، تو پہلے تو مسلمانوں میں ضرورت ہے پھر مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ بجائے عہمی انداز میں تبلیغ کرنے اور اس طرح دعوت دینے کے کہ آؤ مسلمان ہو جاؤ، اپنے اخلاق سے ان کے قلب میں، ان کے دل میں جگہ پیدا کرنی چاہئے اور ہمدردی کا جذبہ کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہ ملک ڈوب نہ جائے۔

طفلانہ ذہنیت

اب مسلمانوں کی ذہنیت ایسی ہو گئی ہے کہ کوئی سیلاب بھی آ جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں چھو اچھا ہو جتنی ہی پریشانی ہو ٹھیک ہے، کہیں آگ لگ جاتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اب ایسی ذہنیت پست ہو گئی کہ اگر سرکٹ میں، باکی میں ملک کی ٹیم ہار جائے تو خوش ہوتے ہیں اور کسی اسلامی ملک کی ٹیم جیت جائے تو خوش ہوتے ہیں، یہ بالکل طفلانہ ذہنیت ہے، اس سے کام نہیں چھوگا، سچی ہمدردی آپ کے اندر پیدا ہونی چاہئے کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس سے ہمیں ہمدردی ہو، دیکھئے اگر آج ہمارے اسلاف کرام نے اس ملک کو نہ بنایا ہوتا، نہ سنوارا ہوتا تو آج ہم اس ملک کو دکھانے کے قابل نہ ہوتے اتنے آدمیوں کو ہم نے دکھایا آپ ہماری نمائش گاہ جائیے دارالعلوم میں جہاں نمائش ہاں ہے وہاں دیکھئے کہ اس ملک کو ہمارے بزرگوں نے کیا دیا ہے اور اس ملک کو کیسا مالا مال کر دیا، ایران کے اندر یہ جذبہ نہ ہوتا اور ہمیشہ ان کا ذہن مصائب سے خوش ہونے کا ہوتا، کہتے لعنت ہو اس سرزمین پر، ڈوب جائے یہ ملک، ہمارے ساتھ یہ نا انصافی ہوئی ہے، وہ نا انصافی ہوئی ہے، تو کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن انہوں نے اس ملک کو اپنا

ملک سمجھا، اور اس ملک کی مخلوق کو اللہ کی مخلوق سمجھا الخلق عیال اللہ، مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کی، اللہ کا پیغام پہنچایا اس کو انسان بنانے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ محبوب بن گئے، ہر دلعزیز بن گئے آنکھوں کا تارا بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا محبوب بنائے۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

دعوت کا کامیابی امت مسلمہ کی اعمل قدر و قیمت ہے

اس کتاب میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں منعقد ہونے والے
جلسے کی تقریریں جمع ہیں۔ ان میں سے کئی ایک
تقریریں اس کتاب میں جمع ہیں۔ ان کی جگہ
کے لئے اس کتاب میں جمع ہیں۔ ان کی جگہ
کے لئے اس کتاب میں جمع ہیں۔ ان کی جگہ

الحمد لله رب العالمين وانصلي والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين ، وعلى آله واصحابه اجمعين ومن
تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين .
اما بعد اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله
الرحمن الرحيم . ولنكن منكم امة يدعون الى الخير
ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر .

عزیز صاحب یہ بات معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ اس سال خطبات، مطالعہ اور
پڑھنے کے سلسلہ میں متروک ہوا سلسلہ شروع ہوگا۔ لہذا اس میں برکت و طہارت
یہ ایک بدیہی حقیقت اور یہ تاریخی واقعہ ہے کہ انبیاء، پیغمبر اسلام کی تمام مساعی اور ان کی
برہت۔ ان کے فیوض و اصداحات اور ان کے ذریعے سے عام انسانیت کے اندر جو حقیقت

[illegible]

اللہ تعالیٰ نے جو جزیات بیان کی ہیں، انہیں، اے مہمانِ مَدَن، دعوت کے
سُرخِ تِلْک کیسے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ اولا واصلِ دُعا کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ
السلام اس میں خاص اقیار رکھنے والے دنیا میں قیامت تک ان سے بسکی و اعتقاد کی، اور
دعوتِ انتساب رکھنے والے آپ میں قیامت تک دعوتِ اہل اللہ دعوتِ اہل الآخرة، دعوت

ان اہل دین، دعوت الی الفہر کل، دعوت الی الانسانیۃ! ان سب کے ذمہ دار وہ ہوں گے جو حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو بنیں۔ اس لئے فرمایا مسئلہ ایکم ابراہیم ہو سماعکم المسلمین۔

مہر لگا دی کہ مسلمان جو آخری امت ہیں اور جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم حیرانہ، خیر امت کے اصل مورث اسی در اس کے بانی اور مربی، سرپرست حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، قرآن مجید میں جہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے اس میں صاف داعی نہ روح جھلکتی رہے اور ان کو سب سے زیادہ داعی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور کسی داعی کو جو سب سے بڑا خطرہ پیش آ سکتا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی اس کو دینی پڑتی ہے اس کا نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے تذکرہ میں وہ عظیم الشان قربانیاں بیان کی گئی ہیں آپ نے جب عقیدہ توحید کا اعلان کیا اور بادشاہ وقت کی پرستش سے انکار کیا تو آگ جلائی گئی اور کہا گیا کہ اس کو آگ میں ڈال دو۔

دیگر انبیاء کرام کے تذکرہ میں ایسی کھلی آزمائش کے واقعات تاریخ میں نظر نہیں آتے پھر دوسری آزمائش جس وقت انہوں نے کہا:

یا بسی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذاتری؟

(سورۃ الصافات پ ۲۳)

”ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامری) ذبح کرتا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

یہ دونوں قربانیاں ایسی ہیں جن کی داعیوں کی زندگی اور تاریخ میں کیا؟ انبیاء کرام کی

تاریخوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے اور ان دونوں کا تذکرہ کرے گویا اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ داعی کو یہ مرحلے پیش آ سکتے ہیں تو اسلام کی تاریخ کا، اسلام کی کامیابیوں کا، اور جو انقلاب اسلام لایا ہے اور جو سردار اس کے سپہ دکیا گیا ہے اور جو خلا، امت مسلمہ پر کرتی ہے ان سب کا انحصار دعوت پر ہے امت جب تک دعوت سے منسلک رہے گی دنیا میں خیر کی امید ہے اور دنیا میں خیر چھپے گی، اور خدا نخواستہ یہ امت اگر دعوت سے مستغنی اور کنز رہے اور بے تعلقی ہو گئی تو دنیا خطرہ میں پڑ جائے گی اس لئے ضرورت ہے کہ دعوت کے پیغمبر کو زندہ کیا جائے اور جیسا کہ ربیع بن عمارؓ نے رستم سے کہا تھا جب رستم نے پوچھا تھا مال الدی حاء نکم (تم کس غرض سے آئے ہو) رستم نے اس سوال کے دس جواب ہو سکتے تھے، اور رستم توقع کرتا تھا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے کہ آپ لوگ سینکڑوں برس سے پیش کر رہے تھے اور ہم وہاں فاقے کر رہے تھے اور خیموں میں رہتے تھے اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور اس کا دودھ پیتے تھے اور کھجوروں پر ہماری گذر اوقات تھی ہم اپنا حق لینے کے لئے آئے ہیں کیا یہ سب آپ ہی کے لئے ہے؟ ہمیں بھی حصہ رسدی مانا چاہئے بالکل رستم اس کے لئے تیار تھا کہ اگر وہ کہیں قوت کا جو پیدا ہوگی اور فطری حصہ و حق ہے ان کو دے دیا جائے اور ان سے چھٹی مے، جہد کا بھی خطرہ نہیں رہے گا، سب لوگ واپس چل جائیں گے، اچھا ہم تمہارا وظیفہ مقرر کرتے ہیں، ہم عرب و اتنا مے گا، اور تمہارا تمدن کو بھی داخل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ رستم نے سوال اسی بنا پر کیا تھا اور ہم سمجھتے ہیں وہ ۹۵-۹۶ فیصد اسی امید میں رہا ہوگا کہ جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ ہم کو فخر و فائقے نے یہاں پہنچایا ہے۔ کیا ظلم ہے کہ آپ لوگ ایک ایک لاکھ کی ٹوپی پہنیں اور ہم بھوکے رہیں یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب رستم شکست کھ کر بھاگا ہے تو اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی ایک ہزار غویے، ایک ہزار بازے پانے والے لے کر بھاگا تھا اور اس پر کہا تھا کہ کیسے چلے گا؟ سراسانی حکومت پر بہت مستند اور پر زور

1. The first part of the document discusses the importance of maintaining accurate records of all transactions, both incoming and outgoing, to ensure transparency and accountability. It emphasizes the need for regular audits and the use of standardized accounting practices.

2. The second part outlines the various methods used to collect and analyze financial data, including direct observation, interviews, and the use of statistical models. It highlights the challenges associated with data collection in different contexts and provides recommendations for improving the quality of the information gathered.

3. The third section focuses on the interpretation of results and the drawing of conclusions from the collected data. It discusses the limitations of the study and offers suggestions for future research to address the identified gaps in knowledge.

4. Finally, the document concludes by summarizing the key findings and their implications for policy-making and practice. It stresses the importance of ongoing monitoring and evaluation to ensure that interventions remain effective and relevant over time.

مجلس شورای ملی
شماره پنجم - سال اول

تاریخ ۱۳۰۲

1. What is the main purpose of the document?
 2. What are the key findings of the study?
 3. What are the implications of the study?
 4. What are the limitations of the study?
 5. What are the conclusions of the study?

اللَّهُ يَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَى عِبَادَةِ الْإِلهِ

[illegible]

خداوند کی بابت۔ مثلاً: میری ماں سنتے، سب اپنے ارادے سے سنتے تھے۔
 ان میں سے کسی ایک سے دعا کی جائے۔ من عبادۃ العباد یہاں عبادت اصنام (بت) ہو
 سکتی ہے۔ عبادت بتوں کی۔ مثلاً: تھانوں، تھانوں کی مورہی تھی، ہر بادشاہ معبودانہ بیٹھتا تھا
 جس سے تم سے دربار میں گئے ہیں تو ان کو روکا گیا کہ تم اس طرح نہیں جا سکتے۔ گھوڑا
 نہیں لے سکتے۔ مراد یہ ہے کہ تم چلو، تمہاری کہانیوں نے کہا نہیں، میں بدیدہ یا ہوں خود نہیں کیا
 میں، تمہیں منظور نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔ رستم نے کہا کہ آئے دور اللہ

ہم مذہب کے ظہم، جور سے آپ کو نکال کر سلام کے بدل کے
سائے میں مانا چاہتے ہیں۔“

بہر حال یہ دعوت ہی اس امت کی قدر و قیمت ہے اس کے وجود کی اصل علت ہے۔
اللہ پاک نے اس کو باقی رکھا ہے اور اس کے سرچشمے قرآن کو بھی باقی رکھا ہے۔ سیرت
نبوی اور داعی، عربوں اور داعیانِ اہلینِ تاریخ، بلکہ پوری تاریخِ داعیوں سے بھری ہوئی
ہے، تاریخِ دعوت و عزیمت میں کہا گیا ہے کہ کوئی دور خالی نہیں رہا کہ وقت اور تقاضے
مطابق دینی نہ پیدا ہو ہو، اس کی مثال کی غیر مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ ہم نے دعوت
و عزیمت میں غیروں کے جنس اعتراضات کو نقل کیا ہے۔ شکر آچار یہ سے پہلے
صدیاں گزر گئیں۔ شکر آپاریہ نے یہ اصداغ کا کام کیا۔ انہوں نے توبت پر قی کی
حمایت کی، اور عیسائیت کا حال تو یہ ہے کہ سینٹ پال جو ستر برس کے بعد پیدا ہوا۔ اس
نے تو عیسائیت کو دوسری پڑی پر ڈال دیا۔ بالکل ضد پر، جس کے معنی ہمارے میں
سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ کراہی یہ ہے کہ مشرق کی طرف جاتا ہوا اور مغرب کی طرف
پلٹ جائے۔ یہ معنی ولا الضالین میں بھی سمجھنا چاہئے۔ صل ضد یہ ہے کہ راستہ
اور رخ بدل جائے۔ مشرق کے بجائے مغرب کی طرف چلے۔ اس کے لئے اس سنت
کو باقی رکھا گیا ہے، و قرآن مجید اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے سیرت نبوی موجود ہے
داعیوں کے واقعات و حالات موجود ہیں کوئی بھی دور وقت کے مخلص داعی سے خالی
نہیں رہا۔ سرکولی، دعوی کے ساتھ کہ اس امت میں دس سال تک کوئی داعی نہیں
پیدا ہوا تو سراسر غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر دور میں داعی پیدا کرتا رہا ہے ہم بہت خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کا
شکر ادا کرتے ہیں و درحقیقت ندوۃ العلماء کی بنیاد دعوت ہی پر پڑی ہے۔ مدارس بہت
تھے، لیکن اس جہد کے تعلیمی فائدہ کو اس دین کی اہمیت اور ضرورت سمجھنے اور وقت

کے فتنوں کے مقابلہ کی جدوجہد پیدا کرنے والی چیز تقریباً مفقود اور ثانوی درجہ میں تھی، ندوۃ العلماء کی تحریک کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ عہد کے مطابق اور پسینجوں کے مطابق لوگ تیار کئے جائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور یہاں ایسے داعی پیدا ہوں، ہم علامہ شبلی اور مولانا سید سید سیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کو اور سید صاحب کے ”خطبات مدراس“ کو، مولانا شبلی کی کتاب ”انفاد روق“ کو اور دارالمصنفین کے کام کو یہاں تک کہ ندوۃ العلماء کے نصاب کو بھی دعوت کا جزو سمجھتے ہیں جب ان کتابوں کا ذکر آگیا تو ہم عرض کرتے ہیں کہ جب ہم نے یہ سوال اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے پاس بھیجا کہ آپ کی محسن کتابیں کیا ہیں؟ ان کو لکھیں تو میاں بشیر احمد نے لکھا کہ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو کئی بار مجھ پر الحی دے حملے ہوئے۔ جب بھی حمد ہوتا تو ”انفاد روق“ میرے سامنے کرکھڑی ہو جاتی تھی کہ جس کی یہ سیرت ہے وہ گمراہی پر نہیں ہو سکتا یہ سارا اعلیٰ کام جو چھ ہوا ہے دارالمصنفین، ندوۃ العلماء یا اس سے استفادہ کرنے والوں کے ذریعہ یا شعبہ کے ذریعہ ہوا، اور ان سب کی قدر مشترک دعوت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

مدارِ مراد کا منتخب سائنس و فہم رکھنے والا

یہ نیا دور ہے، نیا زمانہ ہے، نیا ہی نہ ہو مگر نیا ہے۔
 یہ نیا دور ہے، نیا زمانہ ہے، نیا ہی نہ ہو مگر نیا ہے۔
 یہ نیا دور ہے، نیا زمانہ ہے، نیا ہی نہ ہو مگر نیا ہے۔
 یہ نیا دور ہے، نیا زمانہ ہے، نیا ہی نہ ہو مگر نیا ہے۔

نحمدہ لله رب العالمین، والصلوة والبرکات
 سید الانساء، سرسلین، وعلی الہ واصفہ
 سیدین، وعلی نعیمہ و حسن و ذعلی بدخوبہ
 بزم الدین المدعو

سیدت عہدہ، بردارن
 پختہ "و سرزمین یقہ" کہتے ہیں، سب بھلا ہوں، ہوتا رہا
 نہ کہ سر، انھوں نے تارن کی تارن کی، کئی معلوم ہوا کہ شہر، طاقت
 نہ کہ پختہ کے وہ نامور (افراد) یاد آج، جو صرف پختہ ہی کے
 رہا، طاقت مراد، سب سے بہتر

ہوئے لگ، رگوں میں خون منجمد ہونے لگا، تو قصبات نے نیا خون عطا کیا۔ آپ نے نہ صرف سلطنت مغلیہ کے دارالخلافہ بدھ مرزا سلم و سلوک و جذبہ جہاد، ملی کو پھلتنے اتنا بڑا تحفہ عطا کیا، خانوادہ دلی الہی، اس سے بڑھ کر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس طرح لکھنؤ کو سہاگن کے ایک قصبہ نے خانوادہ عطاء فرنگی محل عطا کیا ایسے ہی جب بغداد میں اضمحلال پیدا ہوا، حکومت کے شر نے قوی کو مضحک کر دیا، اور سوائے حصول منصب کے کوئی مقصد و ہوا کے سامنے نہیں رہا، تو ایران کے ایک قصبہ جیلان نے سیدنا عبدالقادر جیلانی کا تحفہ دیا جس نے پورے عالم اسلام کو عشق الہی کے سوز سے بھر دیا، جس کی لہریں افریقہ تک پہنچیں، ایسے ہی ایران کے ایک معمولی قصبہ نے امام غزالی جیسا مفکر عطا کیا، اغرض قصبات نے ہر دور میں دارالحکومت کو ایسا چمکتا ہوا دکھاتا ہوا، نیا خون عطا کیا جس نے پورے پورے ملکوں کو کر دیا، بہت سے لوگ اس کو بھول جاتے ہیں کہ یہ نیا خون کس نے عطا کیا، بڑے بڑے شہروں کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے اور وہ آڑ بن جاتی ہے، جہاں ایسے مرد خیر قصبوں میں جا کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے، خدا کی دین (عطا) کی بھی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کی وسعت معلوم ہوتی ہے وہاں یہ ذہن بھی جاتا ہے جو نفسیاتی رد عمل بھی ہے کہ اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے اور خدا مردے سے زندہ ہو پیدا کرنے کی جو خدا کی قوت ہے (یخرج الحي من الميت) اس کو بھول کر ذہن کے کسی گوشہ میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ اب تو بس تاریخ اور ان کے کارناموں کو پڑھنا چاہئے، اور اپنے معاش میں لگنا چاہئے تو آپ کے سامنے پھلت کا جو تاریخی تعارف دیا گیا ہے اس نے مجھے آمادہ کیا کہ میں یہ آیت پڑھ کر سناؤں۔ تِلْكَ اَمْثَلُ هَوْلًا وَ هَوْلًا مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا۔ ہم ان کو بھی بھر بھر کر دیتے ہیں، اور ان کو بھی ہولاء و ہولاء در دیتے رہیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ مضر رح کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے یعنی یوں کہنا کہ ”ہم

دیتے ہیں، صحیح نہیں۔ اور ”دیں گے“ یہ بھی صحیح نہیں، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”دیتے رہیں گے“ تمہارے رب کی دین میں کوئی راشک ہی نہیں ہے کہ اب اگر دے دیا تو انتظار کروائے گا برس کا ہمارے رب کی عطاء میں کوئی راشن نہیں ہے، کیونکہ اس کی بخشش لامحدود ہے و ما کان عطاء ربک محظورا۔

اکبرالہ آبادی مرحوم نے کہا تھا ۔

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی، آثار و نشان بھی قائم ہیں

اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پر چلنا چھوڑ دیا

لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں، ہمت بلند ہو، اخلاص وسیعی ہو، اللہ تعالیٰ نے کوشش کی بھی جا بجا تاکید کی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو بھی ضائع نہیں کرتا، تو یہ ملت تو محبوب ہے،

رحمت للعالمین ﷺ کی ملت ہے، کیونکہ یہ تو اشرف الامم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو انسانیت بھی عزیز ہے۔ اپنی پیدا کی ہوئی دنیا بھی عزیز ہے، جس ماحول کا ہمارے سئے انتخاب کیا گیا ہے یا ہمارا جس ماحول کے سئے انتخاب کیا گیا ہے اس کے ساتھ ہمارا جوڑ ہو، اور ہم اس فضا میں اپنی افادیت ثابت کریں۔ ہمارے اکابر مجدد الف ثانی ہوں یا شاہ ولی اللہ ہوں، یا شاہ عبد القدور ہوں، انہوں نے زمانے کی نبض پہنچی، انہوں نے دیکھ کر زمانے کو روحانیت کی ضرورت ہے۔ علم صحیح کی ضرورت ہے، توحید خالص کی، عہدوں اور انسانیت سے بلند ہو کر اعمال میں روح پیدا کرنے کی ضرورت ہے طلبِ رضا، الہی کی ضرورت ہے ایسے ہی انہوں نے دیکھ کر اس وقت انسانیت کس چیز کی پیاسی ہے؟ وہ زندہ رہنے کا استحقاق کھوئی چلی جا رہی ہے۔ اس سے جو مظالم سرزد ہو رہے ہیں، اس سے جو حقوق تلف ہیں ہو رہی ہیں، اس سے جو خون انساں ارزاں سستا اور ضائع ہو رہا ہے اور پانی کی طرح بہہ رہا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ نسل انسانی

کے خاتمہ کا فیصلہ نہ کرے۔ وَمَا الزَّبَدُ فِیْ ذَهَابٍ وَامَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فِیْمَنْکُمْ فِی الْاَرْضِ۔

جو جھگ ہے وہ چلا جاتا ہے، اور جو چیز نافع ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے، معلوم ہوا کہ بقا مربوط ہے نفعیت کے ساتھ جو چیز اپنی افادیت کھوٹےٹھکتی ہے جو روہ، کوئی مرتز، دعوت، یا تحریک اپنی نفعیت کھوٹےٹھکتی ہے وہ اس کی مستحق نہیں رہتی کہ قائم رہے، یہی سنت اللہ ہے۔

ان بزرگان دین نے ملت کو کیا دیا

ان بزرگان دین نے دونوں کام کیے ہماری نظر اس پر تو جاتی ہے کہ انہوں نے ملت کو کیا دیا۔ حدیث و تفسیر میں کیا نئی راہیں نکالیں علوم اسلامیہ میں کتنا عمق پیدا کیا ماحول میں سیار وہ نیت پیدا کی لیکن ہماری نظر اس پر نہیں جاتی کہ انہوں نے غیر مسلموں کی نظر میں اسلام کا کس درجہ احترام پیدا کیا، سیرت نبوی ﷺ کو غور سے دیکھنے، پڑھنے، مطالعہ کرنے پر کس طرح آمادہ کیا؟ مؤرخین نے بھی اس پر پردہ ڈالا جہاں انہوں نے علم کے دریا بہائے، سند درس بچھائی، وہیں اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رجمۃ للعالمین ہونے کا، اسلام کے حقانی و مطابق عقل ہونے کا اور اسلام کے اس دنیا کی پیاس بجھانے کا ثبوت دیا، یقین دلایا، ہمارے سوانحی شریچہ میں یہ پہلو بہت مغلوب رہ گیا ہے، آج میں کہتا ہوں کہ مذمت اسلامیہ کو یہ دونوں کام کرنے ہیں، عقائد صحیحہ، عبادات مقبولہ، طب خداوندی کے ذریعے امت کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے صحیح بھی ہو، قوی بھی ہو، دونوں چیزیں ضروری ہیں، صرف صحیح ہونا کافی نہیں، قوی بھی ہو اور صرف قوی ہونا کافی نہیں، صحیح بھی ہو، عبادت تو مشرکین بھی کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْثَيْبِ اِلَّا مُكَاۤءٌ وَتَصَدِيۡةٌ لِّیْکُنْ اَسَاسُهَا سَاطِحُ اَسَاسِهَا اس زمانے میں ملت کا یہ فریضہ بھی ہو گیا ہے کہ اپنی نفعیت ثابت کرے، ہماری وجہ سے کتنی بلائیں ہیں جو ٹل رہی ہیں، ہم اس ملک کے لئے باعث رحمت و برکت ہیں، یہ جب ہی

ہوگا، جب آپ صحیح انسان بن کر بازاروں اور دفتروں میں جائیں، جو انہیں سوچنے پر مجبور کرے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس نے ہمیں ایسا انسان بنادیا، ہم بتائیں کہ اس ملک کے سنے پہاڑ، دریا، سمندر اتنے ضروری نہیں جتنے کہ ہم، ہمارا پیام انہما نیت، ہماری خدا ترسی ضروری ہے، ہم ایسے دورا ہے پد آگئے ہیں کہ ایک راستہ ارتداد کی طرف جا رہا ہے، میں اس سے کم درجہ کا حفظ استعمال کرنے پر تیار نہیں اگر کوئی آسمان سے ویسا اشارہ نہ ہوا، قدرت خداوندی کی کوئی مداخلت نہ ہوئی تو اس کے صاف آثار ہیں، آثار ہی نہیں بلکہ آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے تصور کی آنکھ سے جس میں صرف تصور نہیں، بلکہ تصویر بھی شامل ہے کہ آئندہ نسل شاید اسلام کے بنیادی عقائد سے بالکل نا آشنا ہو صرف آتش منفی طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے بالمقابل اسلام کے برخلاف عقائد و تصورات کی حامل ہو، شرکانہ عقائد کی قائل ہو، ایسے خطرناک دورا ہے پر آگئے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے سنے اپنی ساری توانائی صرف کر ڈالیں تو شاید آنے والی نسل ۲۵ برس بعد یہ تو زیادہ بہہ دیا بلکہ ۵۰ برس سے بعد خطرہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے نام سے بالکل نا آشنا ہو، اس کی مثالیں سامنے آنے لگی ہیں کہ اسکولوں کے بچے بہت سے اللہ کا لفظ صحیح نہیں کھ سکتے پوچھتے ہیں کہ ہم ”اللہ“ کس طرح لکھیں اور آج نو جوانوں کی ایک تعداد یہ سمجھتی ہے کہ اس دھرتی کو کرشن یا رام چلاتے ہیں۔ ہندو علم الاضنام، ہندو دیوالا، بچوں کے ذہنوں پر اثر کر رہی ہے، ابھی ٹی وی پر ”رامائن“ جو سیریل چل رہی ہے۔ کالج کی جو کتب ہیں پڑھائی جا رہی ہیں اس سے جوانوں کے ذہن و دماغ متاثر ہو رہے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا.

معاملہ جہنم سے بچانے کا ہے

معاملہ عالم و فاضل، یا مفسر و محدث بنانے کا نہیں، بلکہ معاملہ ہے جہنم سے بچانے کا۔ دوزخ کی آگ سے بچنے کا، ایک جلسہ میں ایک بہن ایسی تھیں کہ جن کے چہرے،

ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ عورتوں نے پوچھا کہ بہن! سر میں درد ہے؟ کچھ پیٹ میں تکلیف ہے؟ بوی میں کہ کچھ نہیں پھر مزید اصرار پر بتایا کہ میں بچہ سوتا ہوا چھوڑ گئی تھی اس سے کچھ فاصلہ پر دیا سلائی رکھی ہوئی ہے، اُروہ بچہ جاگ گیا اور چل رہا تھا تک گیا اور دیا سلائی سے تیل نکال لی، پھر اپنے کپڑوں میں گگ لگالی تو کیا ہوگا؟ عورتوں نے پوچھا کہ بچے کی عمر کیا ہے؟ بولی ”ڈھائی سال کا ہے“ سب نے کہا کہ ہوش کی باتیں کرو، وہ اتنا چھوٹا بچہ چار پائی سے کیسے اترے گا؟ اور پھر چل رہا تھا تک جائے گا؟ اور جا کر وہ یہی ایک کام کرے گا؟ جواب دیا کہ تمہارا بچہ ہوتا تو جانتیں؟ میرا بچہ ہے اس لئے مجھے ڈر ہے۔

حضرات میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آج ہمارے ماں باپ کے دل میں یہ خیال پیدا کیوں نہیں ہوتا کہ اُسر ہم نے بچہ کو کلمہ، نماز نہ سکھائی، توحید کا سبق یاد نہ کرایا، ابراہیم علیہ السلام کی بت شنئی نہ سمجھائی تو کل وہ مشرک اٹھے گا یہاں تو بالکل خطرات نہیں، بلکہ مشاہدات ہیں وہاں تو ایسا دور دراز کا اندیشہ تھا، میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک لڑکا ڈھال کی سڑک پر سائیکل پر جا رہا ہے اور آگے گہری کھائی ہے۔ وہ کھائی ہندو دیوتا کی ہے، بت پرستی ہے، مسلمانوں کے دلوں سے شرک و بت پرستی کی طرف سے ایسے گھن آنا ضروری ہے جیسے پاخانہ پیشاب سے بلکہ اس سے زیادہ گھن آنا ضروری ہے۔ یہ تکرار، یہ نفقہ، یہ وحشت دور ہوئی جا رہی ہے، حالانکہ ایک مسلمان کو سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہونا تھا کہ کل وہ مشرک نہ عقائد لے کر نہ اٹھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچہ کو قتل کر دینے کا واقعہ تشریح نہیں ہے اس پر عمل آج نہیں ہو سکتا، مگر یہ قصہ قرآن میں قیمت تک پڑھ جائے گا۔ اس کا مقصد و افادیت یہ ہے کہ مسلمان سمجھے کہ خاندان کے لئے فتنہ بننے والا بچہ تنہا نہیں ہوتا ہے، اس قصہ کو قرآن نے جگہ دی تاکہ معلوم ہو کہ یہ خطرہ کتنا بڑا تھا؟ یہی بات تو یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو کھلی ہوئی بت پرستی سے، مشرکانہ عقائد سے بچانے کے لئے اپنے گھٹنے ٹیک دیجئے، ہر ممکن کوشش کر ڈالیے، اسلوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے خانہ قتلوں میں پرائیوٹ کلاسز کا انتظام برائیے، یہ ان کو

مدارس و مکاتب میں داخل کرائیے، یہ مدارس و مکاتب آج ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں، سائنس کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر سائنس چل رہی ہے تو ہم زندہ ہیں ورنہ ختم اور اپنے ماحول کو مانوس کریں فضا اگر یونہی اشتعال انگیز رہی تو کسی وقت چنگاری سے آگ لگ سکتی ہے۔ اگر ہمیں دیکھ کر ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار نمودار ہوتے رہے، وہ دیکھتے رہے کہ ہم میں اخلاقی کردار، نہ افادیت ہم بھی وعدہ خلاف اسی طرح یہ بھی جس طرح ہم جھوٹ بولتے ہیں اسی طرح یہ بھی، تو ہم صرف اپنے لئے ہی نہیں، بلکہ اسلام کے باقی رکھنے کے لئے بھی اس ملک میں خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابر جو افریقہ، مراکش، اسپین تک اسلام کو پھیلاتے چلے گئے، یہ صرف زبانی کام نہیں، بلکہ اس میں کردار بھی شامل تھا، جنہیں دیکھ کر خود بخود دیگر مسموموں میں جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ اسلام کو قبول کریں، مسلم پرسنل لاء کی لڑائی اسی لئے لڑی گئی تھی کہ عائلی تعلقات میراث، حلق، نکاح، سب اسلامی طریقہ پر ہوں جس کے لئے سب مطالعہ کرنے والے علماء اپنے کمروں سے نکل کر میدان میں آئیں اپنے عائلی قانون کی بھی حفاظت کرنی ہے، اپنے ملی تشخص کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ اس کا قریب ترین ذریعہ یہ دینی مدارس و مکاتب ہیں، دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ یہ تلخی جو پائی، ہوا، سانسوں اور ماحول اور فضا میں آگئی ہے اسے دور کریں، اسلام کا تعارف کرائیں، ورنہ کسی چیز کا موقع باقی نہ رہے گا۔

حضرات ”پیام انسانیت کی تحریک“ یہ ایک چہار دیواری ہے، یہ ایک حصار ہے اس میں بیٹھ کر آپ قرآن شریف پڑھیئے، مسجد بنائیئے، نماز پڑھیئے۔ خدا نخواستہ یہ ٹوٹ گئی تو؟ خدا ہمیں اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے۔ جب یہ مسئلہ چہار دیواری کے اندر آجائے اور مدارس و مساجد سب خطرے میں پڑ جائیں۔

میں جسمانی طور سے اس حالت میں نہیں تھا کہ اتنا بھی کہہ سکوں آپ حضرات کے خصوص اور تعادون اور سکون نے اتنا کہہوا دیا۔ اللہ عمل کی توفیق بخشے!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

مدارس دینیہ کی ضرورت اور علوم دینیہ میں اخلاص و اختصاص کی اہمیت!

۱۳ یقعد ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو مقرر شدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ملک نیپال (جو دنیا کا واحد ہندو ٹیٹ ہے) کا پیدا اور آخری دورہ کیا، اس موقع پر مولانا موصوف اور علوم نورالسلام مجاہد چوہدری کے ناظم حضرت مولانا محمد ایوب ندوی صاحب دامت برکاتہم اعلیٰ نے ان کی دعوت پر دارالعلوم شریف کے دارالعلوم سے پروگرام ہاں میں طلبہ و راہلوم نورالسلام میں خلاص و مہمی اختصاص پیدا کرنے والا بصیرت افروز بیان فرمایا، اس جلسہ میں چونکہ علوم انسانی کی کثیر تعداد بھی موجود تھی، اس لیے دارالعلوم کے ساتھ ساتھ وہ ملک بھر کے اکثر علماء کرام کی بڑی تعداد جلسہ گاہ میں موجود تھی۔ موقع جامع جامع جامع (دارالعلوم کی جامع مسجد) کا سنگ بنیاد بھی حضرت مولانا قادیان سرہ کے ہرست مبارک رکھا گیا جامع کا ناظم کاشمیریوں کی بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔ اس بابرکت جلسہ میں پاکستان کے ہر جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے امام و خطیب حضرت مولانا قادیان رشید اسنادوی مہمان خصوصی تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد
المرسلين و حاتم النبیین محمد وآله وصحبہ
اجمعین ومن تبعہم باحسان و دعا بدعوتہم الی یوم
الدین، اما بعد!

میرے عزیز! ایک ہی علمی و دینی و فکری خاندان کے فرزند اور ذمہ دارو! اس

موقع پر مجھے بے اختیار عربی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے جو حسبِ حال ہے، شاعر کہتا ہے

قالوا خراسان اقصى ما يرا دينا

ثم القفول فقد جئنا خراسانا

شاعر کہتا ہے کہ ہمیں جن سے تعلق تھا انہوں نے کہا تم ہمارے یہاں کہاں اور کب آ سکو گے؟ ہم خراسان میں رہتے ہیں تم کہاں رہتے ہو خراسان بہت دور ہے، دنیا کے آخری سرے پر واقع ہے، پھر واپس جانے کا بھی مسئلہ ہے تو میں نے کہا بیجئے ہم خراسان آ گئے

نیپال کی سر زمین یوں تو اپنی جغرافیائی حیثیت سے اور وسائل کے لحاظ سے کوئی ایسے کوہِ قاف پر نہیں واقع ہے لیکن اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے میرے لئے اس وقت یہاں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقدر تھی اور اس کا وقت مقرر تھا کہ میں آؤں۔

حضراتِ گرامی! مجھے بہت خوشی ہے، میں آپ سے بلا تکلف کہتا ہوں کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ و اساتذہ سے خطاب کر رہا ہوں۔ ایک ہی خاندان ہے اور جہاں تک آپ کا اور ہمارے یہاں کے رہنے والے مسلمان بھائیوں کا تعلق ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں لکھنؤ میں کھڑا ہوں، یا راکے بریلی اپنے وطن میں ہوں اور ان سے خطاب کر رہا ہوں، مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

تفصیل کے ساتھ سپانامہ میں یہاں کے حالات پیش کئے گئے ہیں، وہ تفصیل بہت دس کشا ہے اس کا تقاضا تھا اور ہے کہ میں بھی تفصیل کے ساتھ جواب دوں، لیکن میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں۔ میں آپ کے سامنے چند ضروری باتیں رکھتا ہوں۔

پہلی بات تو مجھے اپنے صوبہ سے کہنی ہے، دیکھئے دنیا میں ہمیشہ سے جب سے کہ دنیا

محقق نم ہے اور دنیا کی جتنی تاریخ ہمارے سامنے محفوظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں آدمی کی محنت اپنا رنگ دکھاتی ہے اور کمالات نے اپنی قیمت وصول کر لی ہے اس میں نہ کسی زمانہ کی خصوصیت ہے نہ کسی ملک کی خصوصیت ہے نہ کسی نسل و نسب کی خصوصیت ہے نہ خاندان و برادری کی، نہ کسی جغرافیائی اختلاف کی۔ جس طریقہ سے خوشبو پھیلتی ہے تو وہ اپنا وجود منوالیتی ہے، پھولوں کا حسن ہے، باغ کی رعنائی اور اس کی دکھائی ہے، ستاروں کا چمک ہے، سورج کی روشنی ہے چاند کا حسن و جمال ہے، یہ سب چیزیں خود اپنی قیمت وصول کر لیتی ہیں اور اپنے وجود کو منوالیتی ہیں۔ اس کے لئے کسی سند کی بھی حقیقت میں ضرورت نہیں، میں اپنے طالب علموں سے کہوں گا کہ آپ محنت کریں، یوں تو سب میں آپ کو درگاہ ہونا چاہئے اور استعداد ہونی چاہئے، لیکن کسی ایک فن کو آپ اپنا موضوع بنالیں اس میں امتیاز پیدا کریں۔ اگر آپ نے یہاں امتیاز پیدا کیا تو آپ یقیناً جانے گئے۔ اس کی رسید کی آواز بد و عربیہ سے آئے گی۔ آپ کے سامنے اس کی مثالیں ہیں، میں نام نہیں لوں گا اور اگر اس میں اپنی خود ستائی نہیں تو اپنے خاندانہ کی یا اپنے ہی مرکز دارالعموم ندوۃ العلماء کی تعریف نکلے گی جو اپنی ہی تعریف ہوتی ہے۔ یہ سنت الہی ہے وَلَنْ تَحْدِلْ لِسَانَهُ اللَّهُ تَبْدِيلًا ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسَانَ اللَّهِ تَحْوِيلًا اتنی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ کسی قسم کا تغیر نہیں پاؤ گے۔ پہلے کہا ”تبدیل“ پھر کہا ”تحویل“ کوئی اس میں تبدیلی کچھ اسٹ پھیر نہیں پاؤ گے۔

آپ کسی ایک فن میں امتیاز پیدا کریں

ایک بات تو آپ سے کہتا ہوں جو میں بڑے بڑے چوٹی کے مدرسوں میں کہتا رہا ہوں کہ آپ کسی فن میں امتیاز پیدا کریں اور اس میں ایک جملہ جو میری زبان سے اکثر نکلا ہے اور اس کو میں نے وظیفہ کے طور پر یاد رکھا ہے وہ یہ کہ آپ اخلاص و اختصاص پیدا

کریں، جہاں تک اللہ کا معاملہ ہے اس میں خلوص ہو، اس میں اللہ کی رضا کی نیت ہو، اللہ کی رضا کی طلب ہو کہ اللہ ہم سے راضی ہو، ہم قرآن و حدیث پڑھ رہے ہیں ہم فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں تاکہ ہم اللہ کو پیچا نہیں اور اس کے رسول کو جانیں اور اس کے کلام کو سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

اخلاص و اختصاص کی اہمیت

پہلی بات تو یہ ہے کہ اخلاص ہو، دوسری بات یہ کہ اختصاص ہو، یعنی کسی ایک فن میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز حاصل ہو اس کی طرف انگلیاں انھیں جو اہل کمال ہیں، پہنچنے والے ہیں وہ ہمیں کہ یہ اس فن میں بہت بڑھا ہوا ہے، سینکڑوں سے بڑھا ہوا ہے ایک طرف تو طلب علموں سے یہ کہوں گا کہ اخلاص و اختصاص پیدا کریں اور اپنی نیت صحیح کریں، صرف اللہ کی رضا کی نیت ہو، باقی چیزیں خود بخود پیدا ہوں گی، یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا قانون ہے وہ خود بخود حاصل ہوں گی اور دوسرے یہ کہ کسی خاص فن میں کسی ایک چیز میں کم سے کم ایک چیز میں (اور اللہ توفیق اور ہمت دے تو اس سے زیادہ میں) اختصاص یعنی امتیاز ہو، یقیناً زمانہ بہت بدل گیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ نہیں بدلا، آج بھی جن لوگوں نے کوئی امتیاز پیدا کر لیا ہے، انہوں نے اپنا امتیاز منوایا ہے، دشمنوں تک سے منوایا ہے، تسلیم کروالیا ہے، گردنیں جھک گئی ہیں اور لوگ ان کے قدموں پر پڑتے ہیں ان کی خوشامدی کرتے ہیں، ان کو سر پر بٹھا کر آنکھوں میں جگہ دے کر لے جانا چاہتے ہیں، ایک بات تو یہ ہے اس میں نہ تو نیپال کی خصوصیت ہے، نہ برما کی کوئی خصوصیت ہے آج ہم ان لوگوں کے نام پڑھتے ہیں ان کے نام کے ساتھ نسبتیں دیکھتے ہیں آج اچھے اچھے پڑھے لکھوں کو نہیں معلوم کہ صاحب ہدایہ مرغینا کہاں کے رہنے والے ہیں کوئی تبریزی ہیں اور کوئی زمخشری ہیں کوئی سرکا کی ہیں اب جغرافیہ میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہو گئی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے تو یہ نیپال کی، یا ہندوستان کی یا

کسی صوبہ کی کوئی خصوصیت نہیں آپ کہاں پیدا کریں گے تو ساری دنیا کم سے کم عالم اسلام آپ کے مال و مال لے گا اور اگر آپ کہیں چھپ کر رہنا چاہیں گے تو آپ کو کوئی چھپنے دے گا نہیں۔ آپ ہزار پردے میں بیٹھیں، لوگ آئیں گے اور پردے اٹھا لیں گے اور آپ کو سر پر ہٹا کر لے کر جائیں گے وہ خوشامدیں کریں گے، آپ کے پاؤں پر نوپی ڈال دیں گے۔ آپ ہمارے مدرسہ چلے! آپ ہمارے کانٹے چلنے والے ساری یونیورسٹی چلنے والے پڑھائیے۔

اپنے صاحب علموں سے تو یہ بہت ہوں کہ اخلاص و اختصاص پیدا کریں، اللہ کے معاملہ میں اخلاص، کوئی نیت نہیں نہ مانے نہ نہ کھانے کی، نہ اتنی بڑی تنخواہ اور فن کے لحاظ سے (علم کا جہاں تک معاملہ ہے) اختصاص ہو اس لئے کہ بغیر اختصاص اور بغیر امتیاز کے کوئی چیز نمایاں نہیں ہوتی حضرت علیؓ رحمہ اللہ وجہ کا قول ہے قیمة کل امری ما یحسنہ (ہر شخص کی قیمت وہ ہے جس کا مکو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر انجام دے سکتا ہے) میں صاحب علموں سے یہ ہوں گا کہ تم محنت کرو، تمہاری یہ محنت تمہیں چمکائے گی اور دور تک لے جائے گی کہاں کا مدوہ؟ کہاں کا دارالعلوم دیوبند؟ اور کہاں کا جامعہ ازہر؟ تم چمکو اور اس میں نیپاں کا ہونا اتنی دور ہونا اتنا مشکل اتنا مہیا راستہ ہونا کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی جو لوگ صاحب کمال تھے ان کو لوگ کہاں کہاں سے آئے اور اس کو میں جد دی؟ صاحب علموں سے کہتا ہوں کہ شکر کریں اللہ کا، اللہ تعالیٰ نے ایسی دور افتادہ جگہ میں اپنی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا میں آپ سے صاف کہتا ہوں، نیپال کا تعارف صرف فوجی سپاہیوں، پہرے داروں کی وجہ سے تھا، میں آپ سے صفائی کے ساتھ کہتا ہوں بہت پڑھتا نہ تھا ہوں دنیا میں پھرا ہوں کہ میں نیپاں کو گورکھوں کی وجہ سے جانتا ہوں، نیپال وہ جگہ ہے جو بڑے مضبوط فوجی دیتا ہے بہت امانت دار، بڑے جفاکش پہرے درایتا ہے جس کو بڑے بڑے رئیس اور نواب لوگ اپنے دروازے پر

بٹھتے تھے لیکن ابھی تک عالموں کی حیثیت سے نیپال کا تعارف نہیں ہوا تھا لیکن اللہ
جزائے خیر دے اللہ قبول فرمائے کہ یہ دارالعلوم یہاں قائم ہوا اور ندوی فضلاء اس کو چلا
رہے ہیں جن لوگوں کے نام لئے گئے اللہ ان کے درجے بلند فرمائے۔ اس کی وجہ سے
اب انشاء اللہ نیپال کا نام صرف گورکھوں کی وجہ سے اور پہرے داروں کی وجہ سے نہیں ہوگا
، عالموں کی وجہ سے بھی ہوگا۔ اس معاملہ میں شہروں اور سکوں کا فرق نہیں ہوتا، لکھنؤ،
دہلی، جو پور (جو شیراز ہند کہلاتا تھا) بھوپال، ٹونک جو کبھی بڑے بڑے بل ممالک کا مرکز
بن چکے ہیں، رام پور میں بڑے بڑے منطقی اور فلسفی تھے اور سنسکری کا یہ علاقہ اور آپ کا یہ
جلپا پور (نیپال) میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں سنت الہی ہے کہ
اعترافِ کمال میں ناموں کا، فصول کا اور ان کی سابقہ روایات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہ تو سب علموں سے بہت ہوں۔ آپ اپنے درجہ میں بھی ممتاز ہوں گے اور نگاہیں
اٹھیں گی، انگلیاں اٹھیں گی، دیکھو یہ نیپال کے طالب علم ہیں، یہ صرف و نحو میں ہمارے
طالب علموں سے اچھے ہیں، یہ مطالعہ دیکھ کر آتے ہیں اور بعد میں بھی پڑھتے ہیں ان کی
استعداد بھی بڑی اچھی ہے اور یہ انشاء اللہ بڑی ترقی کریں گے، اس میں کسی قسم کا امتیاز
نہیں برتا جاتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایران کے تھے ان کے بزرگوں میں کوئی بڑے
عالم بھی ہوئے ہیں ان کے والد تک علم نہیں تھے، اور غزالی کا لفظ ہی بتاتا ہے کہ ان کا
خاندان اولیٰ کا کام کرنے والا تھا، ایک جلیل القدر بزرگ خواجہ نقشبند کہلاتے ہیں ان کے
یہاں نقاشی کا کام ہوتا تھا کوئی بزرگ کچھ کہلاتے ہیں تو اس سے آپ سمجھ دیجئے اس
کے علاوہ خصاف یعنی جوتا گانٹھنے والے، زیات یعنی تیل بیچنے والے، خیاط کپڑا سینے
والے جن کے پیچھے ہم نے بیسیوں نمازیں پڑھی ہوں گی، حرم شریف جو دنیا میں سب
سے بڑھ کر عزت و احترام کی جگہ اور عبادت گاہ ہے جہاں کی اہمیت سب سے فخر اور
شرف کی بات سمجھی جاتی ہے اور وہ بیت اللہ کہلاتا ہے اس کے اہم خیاط تھے، غالباً بھوپال

کی طرف کے تھے یا کہاں کے تھے؟ وہ شیخ عبد اللہ الخياط ہندوستانی تھے لیکن اپنے ہم کی وجہ سے ان کو حرم کا امام بنایا گیا، اور ایسی کتنی مثالیں دے سکتا ہوں، بڑے بڑے مصنفین کے ساتھ کیا یہ لگا ہوا ہے بعض تو حجار ہیں یعنی پتھر توڑنے والے، ہم نے بھی ان کی زیارت کی ہے، قدوری ایک بہت بڑے فقیہ ہیں جن کی کتاب فقہ کے ضروری نصاب میں داخل ہے، شروٹ میں وہ قدوری تھے یعنی بانڈیاں بناتے تھے مٹی کی، اور قدوری کہا، تے تھے انہوں نے کتاب لکھی اور وہ کتاب مقبول ہوئی اس کتاب نے منوایا اپنے کو، اور مصنف کو بھی، طالب علموں سے یہ بات مختصر بہت ہو کہ آپ محنت کیجئے اور اخلاص، اختصاص پیدا کیجئے، آپ بھی چمکیں گے اور اپنے ملک کو بھی چمکائیں گے اور آپ کی روشنی دور تک پھیلے گی۔

اب ہم اپنے ان بھائیوں سے جو مدرسہ سے حساب سہمی کا تعلق نہیں رکھتے ہیں اپنے دینی جذبہ اور دین کے شوق میں آئے ہیں کہتا ہوں کہ آپ ایسے ملک میں ہیں کہ اگر آپ اس ملک کے رہنے والوں کے دل جیت میں اور ان کو اسلام کی طرف مائل کر لیں اور ان کے دلوں میں ایمان کا بیج ڈال دیں تو آپ نہ صرف اسلام کی بلکہ انسانیت کی خدمت کریں گے کیونکہ یہ ملک اسلام سے نا آشنا رہا ہے، ابھی ہمارے عزیز بھائی نے جو اس ملک پر ایک تاریخی روشنی ڈالی ہے یہاں کیسے کیسے لوگ ہوئے ہیں، ان میں رام جی کا نام آیا ہے اور بودھ جی کا نام آیا اور لکھن جی کا نام آیا ہے لیکن یہاں کسی سیدنا جیلانی کا نام نہیں آیا، خیر ان کا ہونا آسان کام نہیں، کسی بزرگ کا کسی مرشد کا، کسی فقیہ کا اور کسی مفسر کا نام نہیں آیا تو آپ یہ کوشش کریں کہ آپ اپنے اخلاق اور اپنے کیر کڑ سے زندگی کا ایسا نمونہ پیش کریں کہ یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں اور وہ اسلام کا مطالعہ کریں اور آئیں مدرسوں میں کہ ہمیں آپ بتائیں کہ اسلام کی کیا خصوصیات اور کیا تعینات ہیں؟ نیپالی زبان میں ہو، انگریزی زبان ہو یا ہندی میں، ہم سمجھیں کہ کیا بات ہے کہ لوگ اتنے

مختلف ہیں میں نے آکسفورڈ میں (جوانگلستان کا بہت بڑا اسمی و تعلیمی مرکز ہے) تقریر کی، وہاں کے لوگوں کے سامنے ہندوستان کا ایک واقعہ بیان کیا کہ جب ہندوستان کے مجاہدین نے پشاور فتح کیا اور اس میں کئی مفتے ممکن ہوئے مہینے گزر گئے وہاں ایک دن ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا (اودھ کا یا کہیں کا رہنے والا ہوگا) اور کہنے لگا میں ایک بات پوچھتا ہوں صحیح صحیح جواب دینا، کیا تم ہندوستانیوں کی دور کی نظر کچھ خراب ہوتی ہے، کمزور ہوتی ہے، دور کی چیز تم دیکھ نہیں سکتے؟ اس نے کہا نہیں، ہم خوب دیکھتے ہیں کہ نہیں! کوئی بات ہے ضرور، ہندوستانیوں کی دور کی نظر کمزور ہے، اس ہندوستانی نے کہا یہ تو آپ بتلائیے کہ یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، یہ بات تو ہر ایک پوچھتا نہیں یہ کوئی ایسی پوچھنے والی بات بھی نہیں ہے، آپ پوچھ کیوں رہے ہیں ہم بھی اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنا آپ دیکھتے ہیں، مگر آپ پوچھ کیوں رہے ہیں؟

پٹھان نے کہا پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ مہینوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہو اپنے گھر بار کو، بیوی بچوں کو چھوڑے ہوئے ہو، اور تندرست ہو، ماشاء اللہ شکیل ہو، ہم نے تم میں سے کسی کو کسی نامحرم عورت کو دور سے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، تمہاری نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی ہیں ایک آدمی کا معاملہ ہو تو آسان ہے سارے کے سارے کیوں نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، عورتوں کو اور بڑیوں کو، لوگ جانتے ہیں کہ پشاور میں صوبہ سرحد میں خوبصورتی زیادہ ہے یعنی وہاں بچھا ایسی کشش بھی ہے کہ آدمی دیکھے اور اس کے اندر اس کا خیال پیدا ہو، شوق پیدا ہو تو ہم نے سوچا کہ دو چہ رزائد ہو سکتے ہیں عابد ہو سکتے ہیں بڑے محتاط متقی ہو سکتے ہیں لیکن فوج میں تو لوگ عام طور پر زائد نہیں ہوتے جوان ہوتے ہیں، بٹے کٹے ہوتے ہیں، بٹے کٹے لوگ پھر اپنے گھر سے دور، کوئی اپنی بیوی سے دور دو برس سے ملا نہیں کوئی چار برس سے ملا نہیں کوئی چھ مہینے سے نہیں ملا اور جوان بھی ہیں ابھی تو یہ نظر اٹھا رہے دیکھتے کہ یہاں کی عورتیں ایسی ہوتی ہیں، دیکھنے ہی سے

کچھ اپنی تسکین کر لیتے، لطف لیتے تو ہم سمجھے کہ یہ کوئی تقویٰ اور زہد کی بات نہیں بلکہ ان کی دوری نظر ہی نہیں۔

ہندوستانی نے جواب دیا کہ نہیں! الحمد للہ ہماری دور کی نظر خوب کام کرتی ہے ہم دور کی چیز صاف دیکھتے ہیں لیکن یہ ہمارے امام کی تربیت کا نتیجہ ہے، قرآن مجید کی آیت پر عمل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَعْصُوْنَ
مِنْ اَنْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْنَ اَفْرُوْجَهُمْ.

”(اہل ایمان سے ہر دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم

گاہوں کی حفاظت کریں، عفت و طہارت کے ساتھ رہیں)۔“

سننے والوں کو بڑا تعجب ہوا! ہم نے وہاں ہندوستان کے لوگوں سے کہا کہ آپ یہ نمونہ دکھائیں، لوگوں کو یہ شوق پیدا ہو کہ یہ چیز کہاں سے آئی، یہ لوگ گھر چھوڑے ہوئے اتنے دنوں سے یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، کوئی بی اے میں پڑھ رہا ہے کوئی بی ایس سی میں پڑھ رہا ہے کوئی ایم ایس سی میں پڑھ رہا ہے کسی کو چار برس ہوئے کسی کو چھ برس ہوئے اور یہاں بہت خرچ ہوتا ہے ہندوستان جانے میں اور ان میں سے اکثر کی شادی نہیں ہوئی اور یہاں کی لیڈیز اپنی خوبصورتی میں مشہور ہیں، ساری دنیا میں اور خود ہندوستان میں لوگ بڑی لالچی ہوئی بڑے شوق کی نگاہوں سے ان کو دیکھتے تھے یہاں کیوں نہیں دیکھتے ان کے اندر یہ سوا پیدا ہوا اور پھر وہ سمجھیں کہ یہ اسلام کا فیض ہے یہ اسلام کی تربیت کا فیض ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ ایک بات تو یہ ہے کہ آپ اس شہر میں چلیں، پھریں، دوکانیں کھولیں، ملازمت کریں، ملیں جلسیں اور دور رہنے کی ضرورت نہیں لیکن آپ اپنا امتیاز ثابت کریں، نیپال کی اس سرزمین پر سوال پیدا ہو کہ یہ کون سے لوگ ہیں، یہ کوئی

بے احتیاطی نہیں کرتے یہ کسی نامحرم کو نہیں دیکھتے یہ وہ ہیں کہ اگر ملازمت کرتے ہیں تو بڑی دیانتداری اور وفاداری کے ساتھ کرتے ہیں پھر یہ گرے پڑے لوگوں کو سہارا دیتے ہیں، یہ غریبوں اور کمزوروں پر زیادتی نہیں کرتے، یہ کیرکٹر آپ کو دکھانا چاہئے۔

مجھے امید نہیں کہ اس کے بعد آپ سے ملنے اور کہنے سننے کا موقع ملے گا اور ملے گا تو کب ملے گا؟ ہم آپ پھر جمع ہوں گے یا نہیں ہوں گے اس لئے میں یہ دو تین باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں ایک بات تو یہ کہ آپ اپنی زندگی کا نقشہ، اپنی زندگی کا طرز ایسا بنائیں کہ لوگوں کے اندر سوال پیدا ہو، تجسس پیدا ہو کہ بھئی پوچھنا چاہئے کہ یہ بات ان میں کہاں سے آئی؟ یہی بات تھی جس کی وجہ سے انڈونیشیا مسلمان ہو گیا، پورا کا پورا ملک مسلمان ہو گیا، مورخین کہتے ہیں کہ وہاں کوئی اسلامی فوج نہیں پہنچی، یہ بات مانی ہوئی ہے تاریخی طور پر لیکن پورا کا پورا ملک پہلے سو فیصد ہی مسلمان تھا اب وہاں کچھ شامت اعمال سے، کچھ حکومتوں کی خرابی سے، کچھ امریکہ اور برطانیہ کی سازش سے کہیں کہیں میسائیت پھیل رہی ہے، ایک بات تو یہ کہ آپ اپنے اخلاق سے، اپنی ایمانداری سے، اپنی سچائی سے، اپنی شرافت سے ثابت کریں کہ آپ کوئی اور نمونہ، کوئی اور ماڈل اور کوئی اور چیز ہیں۔

مکاتب و مدارس کی ضرورت

دوسری بات یہ کہ مکاتب اور مدارس قائم کیجئے کوئی بستی کوئی گاؤں ایسا نہ ہو جہاں کوئی مکتب اور مدرسہ نہ ہو، جہاں دینی تعلیم نہ دی جائے اور عورتوں تک کو گھر میں خواتین کو مستورات کو اپنے گھر میں بیٹیوں اور بچیوں کو دین کی تعلیم دیجئے اور ان کو تاکید کیجئے کہ اپنے بچوں کو بھی تعلیم دیں، پیغمبروں کے قصے سنائیں تو حید کی محبت پیدا کریں شرک سے نفرت دلائیں، بد اخلاقیوں سے نفرت پیدا کریں، دلوں میں حضور سے عشق اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا کریں جب جا کر یہاں ایمان محفوظ رہے گا نئی نسل کا، ورنہ کوئی ٹھکانہ

نہیں، کوئی بھروسہ نہیں اس کا

تیسری بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ہندوستان میں یہ آفت آئی ہوئی ہے کل ہی بھگل پور میں بڑا جسہ ہوا، ہزاروں آدمی تھے، وہاں میری تقریر ہوئی اور بڑے بڑے علماء کی تقریریں ہوئیں، اس سے پہلے مونگیر میں بڑا جسہ ہوا ہزاروں ہزار آدمی تھے، کرناٹک سے اور آندھرا پردیش سے اور کہاں کہاں سے علماء آئے، وہاں ایک مصیبت ہے شادیوں میں فضول خرچی اور دھوم دھام اور نمائش کی اور سخت درجہ کے اسراف، فضول خرچی کی، بڑی بڑی بارائیں لے جانا، اور بڑے کھانوں کا اہتمام۔

اور پھر وہاں ایک اور مصیبت آئی ہوئی ہے، بلکہ خدا کا ایک عذاب آیا ہوا ہے کہ لڑکی والوں سے فرہاش کی جاتی ہے کہ لڑکی کو اتنا جہیز دیا جائے موثر دی جائے اور وہ موثر لے کر آئے اور اتنی رقم لے کر آئے جب ہم اپنے لڑکے سے شادی کریں گے نہیں تو نہیں کریں گے، ... خدا کرے آپ کے یہاں یہ نہ ہو۔

دین کی قدر کریں

آخر میں یہ کہ آپ اپنے دین کی قدر کریں اس کو سب سے بڑی نعمت سمجھیں، نمازوں کی پابندی کریں اور کلمہ کے معنی سمجھیں، قرآن مجید کی کچھ سورتیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں ان کے معنی مطلب بھی اس آپ سمجھ سکیں یاد کر سکیں تو یاد کریں اور دین کی ضروری معنومات حاصل کرنے کا آپ کو شوق ہو، آپ مدرسوں میں جائیں اور پھر آپ کاؤں گاؤں میں مکتب مدرسہ قائم کریں، خلاصہ یہ کہ اپنے دین و ایمان کی سب سے زیادہ فکر کریں اور اللہ سے دعا کریں اور کوشش کریں کہ اسلام پر قائم رہیں، ایمان پر خاتمہ ہو قرآن شریف میں آتا ہے "وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ" (دیکھو نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو) اس کی کوشش کریں سب سے بڑی نعمت، سب سے بڑی دولت، سب سے بڑی خوش قسمتی، سب سے بڑی قبول مندی، اسلام کی دولت کامل بنانا

اور ایمان پر خاتمہ ہونا، اللہ کے رسول کی شفاعت نصیب ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جام کوثر پینا اور جنت کا مستحق قرار پانا ہے۔ اس کو سب سے بڑی دولت سمجھیں اور اس کی پوری حفاظت کریں۔

مدارس دینیہ کے وجود کو غنیمت جانیں

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور آپ سے کہتا ہوں کہ آپ مدرسوں کی قدر کریں کہ یہاں سے پڑھ کر یہ دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں، اور قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور ما شاء اللہ یہ آپ کے ملک کا نام روشن کرتے ہیں اور آپ کے ملک کی عزت بڑھاتے ہیں۔ آپ اس کی قدر کریں اور ان مدرسوں کی ضروریات کی تکمیل کریں یہاں تعمیرات کی ضرورت ہے، ابھی تعمیرات پوری نہیں ہوئیں، وہاں اس کی کوشش کریں جہاں ضرورت ہے خرچ کر کے لڑکوں کو طالع علموں کو وظیفہ دیا جائے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جائے اس میں بھی آپ مدد کریں، یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑے ثواب کا کام ہے، اس کی قدر آپ کو قیمت میں معلوم ہوگی آپ کی وجہ سے کوئی طالب علم دین حاصل کرے اللہ و رسول کا نام ہی نہ سیکھے بلکہ اللہ و رسول کا نام سکھانے کی اس میں قابلیت پیدا ہو جائے اس سے بڑا صدقہ جاریہ کیا ہے؟

انہیں چند باتوں پر میں ختم کرتا ہوں، ان کو روم میں باندھ لیں ورنہ پر عمل کرنے کی کوشش کریں

آخر میں ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی اس مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے اس مرکز کو اپنی امید اور اپنے تصور سے زیادہ پیارا، ہمیں بڑی خوشی ہوتی اگر ہمیں یہاں زیادہ وقت صرف کرنے کا موقع ملتا لیکن چھ ایسی مجبوریاں ہیں کہ ہم زیادہ وقت نہیں دے سکتے مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے آکر خود ہی کہا کہ ہم خطبہ رتنا چاہتے ہیں۔ نکلے

ہماری حالت کا تقاضہ یہ تھا کہ ہم کہتے بھی کچھ بات نہیں کر سکیں گے ہمیں تو سدا دینا، سنا دینا، ہم آرام کریں اور کل صبح ہی ہمیں جانا ہے لیکن آپ کی محبت کا، آپ کے خلوص کا اور ان بلائے والے بھائیوں کے خلوص کا اثر تھا کہ ہم نے خود ہی اپنی طرف سے کہا کہ اگر کوئی پروگرام ہو یا آپ کر سکیں تو کیجئے، اپنے بھائیوں کو دیکھ لیں کہیں پھر ہم دیکھنے کے لئے آئیں گے یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں کو اپنے دینی بھائیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھیں، خوش ہوں اور اللہ کا شکر ادا کریں کچھ اللہ و رسول کے دین کی باتیں ہم ان سے کر لیں، سن بھی لیں اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام ہو گیا بس اس سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قبول فرمائیں۔

وما التوفیق الا من عند اللہ.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

علماء ربانی ان کا منصب اور ان کے کام کی نوعیت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علي رسولہ
الکریم اما بعد اعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله
الرحمن الرحیم انما یخشى الله من عباده العلماء (۱)
وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم العلماء ورثة الانبیاء (۲)

علماء انبیاء کے جانشین ہیں

علماء حق حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور جانشین ہیں۔ ان کی
وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا
مرکز وہی ہوگا جو انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و عمل کیا ہے؟
دو لفظوں میں ”اقامتِ دین“ یا ایک لفظ میں ”توحید“ یعنی انسانوں کو اختیاراً و عملاً اسی
طرح سے اللہ تعالیٰ کا ”عبد“ بنانا جیسا کہ وہ فطرتاً اور اضطراراً اس کے عہد ہیں۔ اللہ جل
شانہ کی حکومت اور قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کی متعقد زمین پر قائم کرنے کی
کوشش کرنا۔ جیسا کہ وہ زمین و آسمان پر قائم ہیں۔

هو الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (صف ۹۰-۹۱)

(۱) سورہ فاطر پارہ ۲۴

(۲) صحیح بخاری کتاب العہد

”وہ ہے جس نے اپنا رسول رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجی
تاکہ اس کو سب دینوں (تمام قسم کے نظام اطاعت) پر غالب کر

دے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ ناگوار ہو۔“

اس دین حق کے لئے ہر زمانہ میں چند موانع اور مزاحم ہوتے ہیں جن میں سے اکثر
ان چار اقسام میں داخل ہیں:

شرک کیا ہے

یعنی غیر اللہ کو الٰہ بنانا، اللہ کے سوا کسی ہستی کو مافوق الطبعی طور پر نافع مان لینا اس کو
کائنات میں متصرف اور موثر تسلیم کر لینا۔

احتیاج والتجاء (پناہ جوئی) اور خوف ورجاء اس عقیدہ کے بالکل قدرتی اور طبعی نتائج و لوازم
ہیں اور دعا و استعانت اور خضوع (جو عبادت کی حقیقت ہے) اس کے لازمی مظاہر ہیں۔

شرک ایک مستقل دین اور ایک مکمل حکومت ہے اس کا اور دین کا کسی ایک جسم یا دل
و دماغ یا خدہ زمین پر ایک ساتھ قائم ہونا ناممکن ہے۔ یہ غیر الٰہی دین جسم و نفس اور جسم و
نفس سے خارج اتنی ہی جگہ پھیرتا ہے جتنی دین اللہ کو کم سے کم درکار ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ

كَحُبِّ اللَّهِ (البقرہ ۱۶۵:۲)

”جنس وک وہ ہیں جو اللہ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں ان کی

محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی۔“

قَالُوا يَا اللَّهُ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اِذْ نُسَوِّدُكُمْ بَرَب

الْعَالَمِينَ (شعراء ۹۶:۲۶-۹۸)

”مشرکین نے کہا خد کی قسم ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جو تم کو

(معبودوں کو) سارے جہان کے پروردگار کے برابر کرتے تھے۔“

اس لئے جب تک زمین سے شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں بھی اکھاڑ نہ دی جائیں اس وقت تک دین اللہ کا پودا لگ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی کوئی جڑ ہو یا کوئی اور تخم ہو۔ اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ

حِينٍ ۚ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۝ (ابراہیم ۲۴: ۲۵)

”تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی ایک مثال بیان کی، پاکیزہ بات (کلمہ طیبہ وغیرہ) ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنا پھل لاتا ہے ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔“

یہ درخت کسی دوسرے درخت کے سایہ میں بڑھ نہیں سکتا۔ یہ جہاں رہے گا تنہا رہے گا۔ اس کی طبعی نشوونما کے لئے لامتناہی فضا چاہئے۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ . (مر ۱۳۹)

”یاد رکھو اللہ ہی کی تنہا تابداری ہے۔“

جاہلیت کی علامت

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی

جدوجہد قائم کرنے کے لئے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں۔ وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں چن چن کر نکالتے ہیں اور ان کا ایک بیج بنا کر پھیلتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پٹ دیتے ہیں چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی زحمت اٹھانی پڑے اور چاہے ان کی دن رات کی اس کوشش اور عمر بھر کی اس جدوجہد کا حاصل حضرت نوح کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو۔ اور چاہے بعض پیغمبروں کی طرح ان کی ساری زندگی کا سرمایہ صرف ایک شخص ہو۔ لیکن وہ اس نتیجہ پر قانع اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

گُفر یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار، اس کی حکومت سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرتابی ہے خواہ کی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ اور رسول کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، نہیں مانتے یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں اس دائرے سے خارج نہیں۔

اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اَفْتَوْمُنُوْنَ بِنُعْصِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ ۚ فَمَا جَزَاُ
مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلَى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۚ وَمَا لِلّٰهِ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ ۲: ۸۵)

”کیا کتاب الہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو دوسرے حصے کو نہیں مانتے تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن وہ پہنچے جائیگے سخت سے سخت

عذاب میں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔“

صرف اللہ تعالیٰ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جو اشخاص خداوندانِ باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس قبلہ کی طرف منہ تو کر لیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی۔ دینِ الہی کے مقابلے میں دنیا میں جو نظام حاکمیت قائم، اور شریعتِ الہی کے مقابلے میں جو قوانین نافذ ہیں ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر بھی عمل کر لیتے ہیں اور بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔

ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت ضروری ہے اور اللہ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا

ہے۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ (البقرہ ۲۵۶)

”جو سرکشی کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط

حلقہ پکڑ لیا۔“

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان قبول نہیں کیا۔ جو غیر الہی قوانین اور

ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حاکم اور ثالث بناتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَرْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ

الطَّاغُوتِ عَارِفًا عَنْ كُلِّ

مَنْعَبِدٍ كُلِّ مَعْبُودٍ مِّنْ دُونِ اللَّهِ (ام راعب اصفہانی)

خواہ وہ شیطان ہو، انسان ہو یا سلطان ہو ان سب پر طغوت کا اطلاق ہوگا۔ ۱۲

وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى
الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ
يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ (النساء ۶۰)

”تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر
ایمان لائے جو حق آپ سے پہلے اتارا گیا چاہتے ہیں کہ قضیہ
لے جائیں سرکش کی طرف، حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا
انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور لے جا
ڈالے۔“

اس کفر کی بوا ان اشخاص سے بھی نہیں نکلتی جو مسلمانوں کے دائرے میں آجانے کے
بعد بھی ”جاہلیت“ سے منحرف اور عقائد و رسومات جاہلیت سے بے تعلق نہ ہو سکے۔ ان
کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی۔ اور ان کاموں کی تحقیر
نہیں نکلی۔ جن کو جاہلیت برا سمجھتی ہے ان سے نفرت اور ان کی تحقیر کرتی ہے خواہ وہ اللہ
کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں اور اللہ کے رسول کی محبوب سنت ہوں۔

اسی طرح ان کے دلوں سے ابھی تک اعمال و اخلاق اور رسوم و عادات کی محبت اور
عزت دور نہیں ہوئی جو اہل جاہلیت کے نزدیک محبوب و معزز ہیں خواہ وہ اللہ کی شریعت
میں مکروہ اور حقیر ہوں۔

اسی طرح جن لوگوں کے دلوں سے ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دور نہیں ہوئی
اور ان کا عمل جاہلیت عرب اور درحقیقت ہر جاہلیت کے اس مقبول و مسلم اصول پر

۱۔ یہ آیت ترمذی کی روایت کے مطابق اس منفق کے بارے میں قازن ہوئی جس نے اپنے ایک مقدمہ
میں (جس کا دوسرا فریق ایک یہودی تھا) مشہور یہودی عالم کعب بن الاشرف کو قاضی اور حکم بنایا تھا۔

(ترمذی کتاب التفسیر)

ہے کہ ”اَنْصُرْ اِخَاكَ ظَالِمًا وَّ مَظْلُومًا“ ”اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم۔“

اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد بھی یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی خُسن و قُبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے۔ اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کر دی ہے۔ زندگی کی انہیں قدروں اور انہیں معیاروں کی وقعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام متعلقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس کی طرف واپسی اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصور سے آدمی کو تکلیف ہو، اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے مقابلے میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو۔ بخاری کی روایت ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا
يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ
أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ.

”تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے انسان سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو۔ تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ہی ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔“

صحیہ کرام کی کیفیت یہی تھی۔ ان کو اپنے زمانہ سابق (جاہلیت) سے بڑھ کر کوئی

تو بین نہ تھی۔ وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ اس زمانے کی تمام باتوں اعمال و اخلاق اور کفر و فسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی بلکہ طبعی کراہت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے:

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ
وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ

(احزاب ۷۹)

”لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کے محبت ڈال دی، اور اس کو کھب دیا تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ نافرمانی کی۔“

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ و رسول کا حکم سنایا جائے تو قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے طور طریق کا نام یہ چائے اور اللہ و رسول کے مقابلے میں گزشتہ زمانہ اور پرانے دستور کی سند پیش کی جائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَفِينَا
عَلَيْهِ أَمَّا نَا وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا
يَهْتَدُونَ

(القرہ ۲۳)

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی راستہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے دادوں کو پایا ہے۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔“

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ

مُہْتَدُونَ

(زحرف ۲۲:۴۳)

”بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انھیں کے نقش قدم پر ٹھیک چل رہے ہیں۔“

اللہ کے حکم اور وحی کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش اور مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے۔

قَالُوا يَسْعَيْبُ أَصْلُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

أَبَاؤُنَا أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ“ (ہود ۸۷:۱۱)

”انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں کرتے ہیں۔“

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے۔ جو اللہ کے مقابلے میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے، اور جنہوں نے اپنے تئیں مکمل طور پر اللہ کے حوالے نہیں کیا۔ یہ مکمل دستبرداری اور تسخیم کامل وہ اسلام ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے اس کو قبول کیا:

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

(نقرہ ۱۲:۱۳)

”جب (ابراہیم سے) ان کے رب نے کہا کہ اپنے رب کے حوالے ہو جاؤ، اور اس کی مکمل تابعداری کرو انہوں نے کہا میں نے اپنے تئیں سارے جہان کے پروردگار کے حوالے کر دیا۔“ اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے:

فَالْهَکُمُ اللّٰهُ وَاحِدٌ فَلَهُ اسْلَمُوا .

”تمہارا معبود وہ کم ایک ہی معبود وہ کم ہے پس اسی کے حوالے۔

ہو جاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔

(صحیح ۳۳۱۲۲)

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سلم کہا ہے یعنی یہ اللہ سے صلح ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كُلًّا وَلَا
تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

(بقرہ ۲۸۱۲)

”اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ صلح و اسلام میں پورے پورے،

اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن

ہے۔“

یہ بات یہ در ہے کہ جاہلیت سے مراد صرف بعثت نبوی کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے جس کا ماخذ وحی و نبوت اور کتاب الہی و سنت انبیاء نہ ہو اور جو اسلام کے مسئلہ و احکام زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو یا ایران کی مزدکیت یا ہندوستان کی برہمنیت یا مصر کی فرعونیت، یا ترکوں کی طورانیت، یا موجودہ مغربی تمدن یا مسلمان قوم کی غیر شرعی زندگی اور ان کے

مفسرین نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ بعض مسلمانوں کو ایسی چیزوں کے کھانے پینے میں تاویل ہو جو ان کے قدم مذہب میں نہ تھے جہاں نہیں تھیں، اور جن کے استعمال کے وہ عادی نہ تھے، یہ آیت لڑچھڑا مصلحت سے منطبق سمجھائی واقعہ سے مخصوص نہیں اور نہایت پر معانی اور جامع آیت ہے جو تمام احکام اسلام پر مشتمل ہے جن میں سے اس پہلو کی بھی وضاحت ہوتی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا۔

مخالف شریعت رسوم و عادات، اخلاق و آداب اور میلانات و جذبات خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، ماضی ہوں یا حال۔

کفر ایک سلبی (منفی) چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایجابی اور مثبت چیز بھی ہے۔ وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی و اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے جس میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی، اس لئے یہ دونوں دین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں مذاہب کا وقادار اور ماننے والا نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کفر کی پوری بنیاد کھینچ کر تے ہیں اور کفر کے ساتھ کسی برادری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے۔ کفر کے پیچہ لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دور رس اور باریک بین ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت اور عزیمت عطا فرماتا ہے۔ ان کی خدا داد فراست اور بصیرت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں۔

دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انھوں نے قائم کر دی ہیں اور ان کے جو نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان کی حفاظت کی جائے۔ اس میں ادنیٰ تساہل اور رواداری دین کو اتنا مسخ کرے کہ دیتی ہے کہ جتنی یہودی، عیسائی اور ہندوستان کے مذہب مسخ ہو گئے۔

انبیاء علیہم السلام کے صحیح جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست اور عزیمت رکھتے ہیں۔ وہ کفر کا ایک ایک نشان مٹاتے ہیں اور جاہلیت کا ایک ایک داغ دھوتے ہیں۔ کفر کا ادراک کرنے میں ان کی حس عوام سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کفر جس لباس اور جس صورت میں ظاہر ہو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور اس کی مخیلفت پر مہر بستہ ہو جاتے ہیں۔

کہیں ہندوستان جیسے ملک میں بیواؤں کے نکاح ثانی کو حرام سمجھنے اور اس سے شدید نفرت رکھنے میں ان کو کفر کی بو محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کو رواج دینے اور اس سنت کو زندہ کرنے چاہا وہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ کہیں قانون شریعت پر رواج کو ترجیح دینا اور بہنوں کو میراث نہ دینے پر اصرار کرنا ان کو کفر معلوم ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں کی مخالفت اور ان کا مقاطعہ فرض سمجھتے ہیں۔ کبھی اللہ و رسول کا صاف و صریح حکم سن لینے کے بعد اس کو نہ ماننا اور غیر الہی عداوت اور غیر الہی قانون کے دامن میں پناہ لینا اور غیر اسلامی احکام و قوانین نافذ کرنا ان کو اسلام سے خروج کے مترادف معلوم ہوتا ہے اور وہ مجبوری کی حالت میں وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔

کبھی کسی نو مسلم یا ایسے مسلمانوں کے جو ہندوؤں کی صحبت میں رہتے ہوں اور ان سے متاثر ہوں، گائے کا گوشت کھانے سے احتراز کرنے میں اور اس سے نفرت کرنے میں ان کو ایمان کی کمزوری اور ان کے قدیم مذہب یا غیر مسلموں کی صحبت کا اثر نظر آتا ہے کبھی بعض حالات میں ایک سنت یا فعل جائز و مستحب کو وہ واجب اور شرع از اسلامی سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ:

”ذبح بقدر ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است“

کبھی وہ غیر مسلموں کے رسوم و عادات اور ان کی تہذیب اور ذبح و لباس اختیار کرنے اور ان سے تشبہ پیدا کرنے کی شد و مد سے مخالفت کرتے ہیں اور کبھی ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کی ممانعت کرتے ہیں۔

غرض کفر یا کفر کی محبت یا اس کی اعانت جس لباس اور جس صورت میں جلوہ گر ہو اور اس کی روح جس قالب میں بھی ظاہر ہو وہ اس کو فوراً بھنپ لیتے ہیں ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصحت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی وہ

کفر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ۔

بہر رنگے خواہی کہ جامہ می پوش

من اندازِ قدرتِ رامی شناسم

ان کے زمانے کے کوتاہ نظریا رند مشرب و مصلح کل جو دیر و حرم کعبہ و بیت خانہ میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں۔ ان کی تضحیک کرتے ہیں اور تحقیر کے ساتھ ان کو فقیہ شہر، محتسب، واعظ، اور خدائی فوجدار کا لقب دیتے ہیں۔

لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت ہر زمانے میں انھیں لوگوں نے کی ہے اور آج اسلام یہودیت و عیسائیت و ہندویت سے ممتاز شکل میں جو نظر آتا ہے وہ انھیں کی ہمت و استقامت اور تفرقہ کا نتیجہ ہے۔

جَزَاهُمْ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَوَلِيَّهِ وَنَبِيِّهِ خَيْرُ الْجَزَاءِ

بدعت کیا ہے

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا ہے اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا اور اس کا ایک جزو بن لینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے سے کرنا، اور اس کی کسی خو و ساختہ یا اصطلاحی شکل اور وضع کئے ہوئے شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے۔

شُرک اور کفر (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے) اگر مستقل دین ہیں تو بدعت مستقل شریعت ہے، اور شرک و کفر اگر اسلام کے مقابلے میں خارج کی چیزیں ہیں تو بدعت دین الہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل ہے جو اندراندر نشوونما پاتی رہتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات (اگر اس کو آزادی کے ساتھ نشوونما پانے کا موقع دیا جائے) اصل

شریعت سے دو چند و سہ چند ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ شریعت الہی کی ساری جگہ اور انسان کے سارے وقت کو گھیر لیتی ہے۔

اس شریعت کی فقہ الگ ہے، اس کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات مستقل ہیں۔ اور بعض اوقات تعداد میں شریعت الہی کے احکام سے کہیں زیادہ۔

بدعت سب سے پہلے اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ تشریع (قانون سازی) اللہ کا حق ہے۔ کسی چیز کو قانونی حیثیت دینا، اس کی پابندی ضروری قرار دینا، یہ منصب صرف شارع (اللہ) کا ہے انسانی قانون سازی اسی منصب الہی کے خلاف بغاوت ہے اس لئے قانون ساز انسان کو قرآن ”طاغوت“ کہتا ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ
يَكْفُرُوا بِهِ.

(النساء: ۶۰)

لیکن کسی چیز کو دین و شرع قرار دینا، اور اس کو کسی خاص شکل اور شرائط کے ساتھ قربت خداوندی اور اجر و ثواب کا ذریعہ قرار دینا تو اس سے بھی بڑھ کر بات ہے۔ یہ تو شریعت سازی ہوئی اور قرآن کہتا ہے کہ دین و شرع قرار دینا اللہ ہی کا کام ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ

(شوری: ۱۳۱-۱۳۲)

”تمہارے لئے دین کی وہی راہ مقرر کی جس کا حضرت نوحؑ
حکم دیا تھا اور ہم نے آپ کی طرف حکم بھیجا۔“

اہل عرب نے جب اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کا کام شروع کیا اور مستقل احکام جاری کئے تو قرآن نے یہی جرح کی۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ لَهُ اللَّهُ

(شوری ۱۷۳، ۱۷۴)

”کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین بنایا جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا۔“

یہ تمدن اجازت کے بغیر قانون سازی کیا تھی؟ اس کی تفصیل مد خطہ ہو۔
وَقَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَهِيَ حُرْمٌ لِّآلِهَتِنَا لَا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ
نَشَاءُ بِرِغْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ طَهُورُهَا وَاَنْعَامٌ لَا
يَذْكُرُونَ اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِمْ سَيَجْزِيْهِمْ مَا
كَانُوا يَفْتُرُوْنَ ۝

(بعاہ ۳۸۱، ۳۸۲)

”اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے اس کو صرف وہی کھا میں گے جن کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق اور یہ مویشی ہیں جن کی پیٹھ پر چڑھنا منع ہے، اور کچھ مویشی جن کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں بیتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے، تمدان کے جھوٹ کی ان کو سزا دے گا۔“

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ حَالِصَةٌ لِّدُكُوْرِنَا
وَمَحْرُوقَةٌ عَلٰی اَرْوَاحِنَا وَاِنْ بَكْرٌ مِّمَّنْ فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاءُ ۝
سَيُخْرِجُهُمْ وَضَعُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔

(اعام ۳۹۱، ۳۹۲)

”اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے جو کچھ پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں ہی کے کھانے کے لئے مخصوص ہے اور ہماری

عورتوں کے سب سے حرام ہے اور اگر مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ اللہ ان کو ایسی باتیں بتانے کی سزا دے گا وہ حکمت والا اور خبردار ہے۔“

عرب کے ان شریعت سازوں کا یہ جرم جس کو قرآن ”افترا“ کہتا ہے کیا تھا؟ یہی کہ انھوں نے بلا کی آسمانی کتاب اور مسند کے محض اپنے اتفاق رکھنے اور اصطلاح سے ایک چیز کو ایک کے لئے حلال اور دوسرے کیلئے حرام کر دیا، اور اس کے لئے ایسے قواعد و احکام اور اصول و ضوابط مقرر کئے جن کا کوئی آسمانی ماخذ نہ تھا اور پھر ان کی ایسی پابندی کی اور دوسروں سے کرائی جیسی پیغمبروں کی شریعتوں اور احکام الہی کی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو سخت گھڑگاڑ سمجھا جائے اور مزموم ملعون ہو۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی جرم قرآن نے بیان کیا ہے:

اتَّخَذُوا أَحْصَارَهُمْ وَرُهْطَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ.

(توبہ ۱۹، ۲۰)

”انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو، اللہ کو چھوڑ کر الہ

تکبر الیا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتمؓ کے سامنے اس آیت کی یہی تفسیر کی عیسائی علماء و مشائخ نے جس چیز کو ان کے لئے حلال یا حرام قرار دے دیا انھوں نے بے چوں و چرا اس کو مان لیا اور ان کو مستقل شارع قرار دے دیا۔

درحقیقت تحلیل و تحریم میں اور کسی چیز کو بلا دلیل شرعی فرض و واجب قرار دے دینے اور کسی خاص شکل اور آداب و شرائط کے ساتھ کار و ثواب و ذریعہ تقرب الی اللہ قرار دینے میں کوئی اصولی فرق نہیں، دونوں شرع ”قَالَ لَمْ يَأْذَنْ لَهُ اللَّهُ“ کے حکم میں آتے ہیں۔

بدعت اس امر کی حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی

ہے جس کا تعین ہونا تھا اس کا تعین ہو گیا۔ ایک انسان کی نجات کے لئے جتنے اعمال ضروری ہیں اور تقرب الی اللہ کے لئے جتنے وسائل تھے ان سب کی وضاحت کر دی گئی اور دین کی تکمل بند کر دی گئی۔ اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ بَعْمَتِي
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۝

(مانندہ ۳۱۵)

”آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انجی متتام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔“ (بین القرآن)

امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا:

من ابتدع في الاسلام بدعة يراها حسنة فقد زعم ان
محمداً صلى الله عليه وسلم خان الرسالة فان الله
سبحانه يقول.

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ فما لم يكن يومئذ ديناً
فلا يكون اليوم ديناً.

”جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور اس کو اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پیغمبر پہنچنے میں خیریت کی۔ اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ پس جو بات عہد رسالت میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔“

شریعت منزل من اللہ کی ایک خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک زمانے میں قابل عمل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم و خبیر ہے اس کو انسانوں کی فطری کمزوری، ان کے مصالح اور ان کے مختلف ومتفاوت حالات کا پورا علم ہے۔ اسی کے ساتھ وہ رؤف و رحیم (بیحد مہربان) اور شفیق بھی ہے۔ اس علم محیط اور شفقت بے پایاں کی بنیاد پر اس نے انسانوں کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نہایت آسان شریعت نازل کی، حکام شریعت میں ان کی کمزوریوں، مشکلات اور کوتاہیوں کا پورا لحاظ رکھا اور ان کی قوت و وسعت اور زمان و مکان اور لحاظ فرماتے ہوئے ان کے لئے ایک عالمگیر اور ہدیٰ قانون مقرر فرمایا۔ اس کا ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (بقرہ ۲۸۶:۱۲)

”اللہ کسی کو اس کی گنجائش سے بڑھ کر مجبور نہیں کرتا۔“

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝

(نساء ۲۸:۳)

”اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا

کیا گیا ہے۔“

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ

(الحج ۲۲:۷۸)

”تم پر اللہ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ.

(توبہ ۱۲۸:۹)

”تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری

تکلیف شق ہے۔ تمہاری اس کو بڑی فکر ہے، ایمان والوں پر
نہایت شفیق و مہربان ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے متعلق فرمایا:

بَعَثْتُ بِالْحَنِيفَةِ السَّمْحَةِ إِنَّ هَذَا الدِّينَ يُسْرُوهُ

”مجھے نہایت سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا۔

بے شک یہ دین آسان ہے۔“

امت کی مشقت کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ فرمایا: ”لَوْ لَا أَنْ شَقَّ عَلَيَّ أَمْتِي لَا
مَرْتَهُمُ بِالسَّوَاكِ عِدَّةَ كُلِّ صَلَاةٍ“ اُر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو
میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا۔

لیکن دین کی یہ سہولت اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی ضمانت اسی وقت تک
ہے جب تک کہ اللہ شارع ہے اور شریعت اسی کی ہے لیکن جب انسان شرع بن جائے
اور وہ شریعت الہی میں مداخلت اور اضافہ شروع کر دے تو پھر دین کی یہ سہولت باقی نہیں
رہ سکتی، نہ انسان کا ہم محیط ہے، نہ وہ مختلف انسانوں کی ضروریات، مصالح اور زبان و
مکان کے اختلاف کا لحاظ رکھ سکتا ہے۔ نہ اس کو اپنے بنی نوع پر وہ شفقت ہو سکتی ہے، جو
للہ اور اس کے رسول کو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو دین خالص ہونے کی صورت میں ہر
ایک کے لئے قابل نمل اور بالکل سہل ہوتا ہے وہ ان بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً
اضافہ کے بعد اس قدر دشوار، پیچیدہ اور طویل ہو جاتا ہے کہ اس پر چرے طور پر عمل کرنا
رفتہ رفتہ ناممکن ہوتا چلا جاتا ہے۔

لوگوں کو گریز اور حیدہ جوئیوں کی عادت پڑ جاتی ہے اور بہت سے لوگ ایسے مذہب کا
قدادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم
ہوگا کہ ترک مذہب کی بکثرت نوبت اور احادیث و مذہبیت کا آغاز عموماً ان لامتناہی بدعات

کے بعد ہوا۔ جن کی پابندی ایک متوسط درجے کے انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہوئی تھی اور آدمی ان کا پابند رہ کر کسی ورکام کا نہیں رہ سکتا تھا۔ قرون وسطیٰ میں بھی عجم و عتل کی بغاوت کلیسا کے ان مذہبی نظام کے خلاف تھی جس سے اصل مسیحیت کو ذرا نسبت بھی نہ تھی۔

یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ الہی دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی مائتبیہ یسائیت ہے۔ یہ یسائیت زمانوں کے لحاظ سے بھی ہے اور مکانات کے لحاظ سے بھی۔ اللہ کی ذات حق سے نہ تو علی چونکہ "رب المشرقین والمغربین" ہے وہ زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہے اس لئے اس کی شریعت میں کمال یکسانی پائی جاتی ہے اس کی آخری شریعت جس کی تکمیل آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی ہے۔ آفتاب کی طرح سب کے لئے ایک اور زمین و آسمان کی طرح سب کے لئے یکساں ہے۔

سب کی شکل جو قرن اول میں تھی وہی شکل چودہویں صدی ہجری میں بھی ہے وہ جیسی اور جتنی مشرق والوں کے لئے ہے ویسی ہی اور اتنی ہی مغرب والوں کے لئے بھی۔ جو قواعد و احکام، عبادت کے جو اشکال، تقرب الی اللہ کی جو متعین شکلیں اہل عرب کے لئے تھیں وہی اہل ہندوستان کے لئے بھی۔

سی لئے اردنیہ کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو فرائض اسلام کے ادا کرنے میں اور مسجد میں عبادت کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی نہ اس کے لئے کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی۔ اس کو دینی حیثیت سے کوئی اجنبیت اور مسافرت محسوس نہیں ہوگی وہ مقتدی ہونے کے کہ وہ اگر صاحب علم ہے تو ہر جگہ اہل مہن سکتا ہے اور ہر جگہ فتویٰ دے سکتا ہے۔

لیکن بدعت کا یہ خاصہ نہیں۔ ان میں یکسانی اور وحدت نہیں ہوتی ان میں زمان

و مکان کا پرتو ہوتا ہے وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی وہ شہری ٹکساں سے ڈھل کر نکلتی ہیں اور خاص تاریخی و مقامی اسباب اور ماحول میں بنتی ہیں۔ ان کو تمام عالم اسلام میں رواج نہیں دیا جاسکتا، نہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ان کا علم ہونا ضروری ہے۔ علم ہونے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ سب ان کو قبول کریں۔

اس سے ہندوستان کی بدعات مصر کی بدعات سے مختلف ہیں اور ایران و شام کی بدعات میں کوئی اشتراک نہیں۔ ملکوں سے گزر کر بعض اوقات شہر شہر کی بدعات مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شہر کے مسلمانوں کو دوسرے شہر کی مخصوص بدعات کا علم نہیں ہوتا یہ بات بڑھتے بڑھتے محلوں اور گروہوں تک پہنچ سکتی ہے اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام دوسری شریعتوں اور مذاہب کا عبرتناک انجام تھا۔ یہودیت اور عیسائیت کی مسخ شدہ اور محرف شکل موجود تھی۔ اس لئے آپ نے شریعت اسلامی کو اپنی حقیقی شکل اور اسی مقدار میں رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اس کے لئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔

آپ نے اپنے جانشین صحابہ کرام کو بدعات سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی بڑی تاکید و تلقین فرمائی۔ آپ کے براہ راست جانشین صحابہ کرام نے اس وصیت کی پوری تعمیل کی اور بدعات کے بارے میں کسی قسم کی رواداری اور کمزوری روا نہیں رکھی۔

صحابہ کرام کے بعد ائمہ و فقہاء اسلام نے اعلیٰ درجہ کے فہم دین اور ایسی عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا جو انبیاء کرام کے جانشینوں کے شایان شان ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے زمانے کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی۔ مبتدعین کا علمی و عملی مقاطعہ کیا۔ اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول اور ان کے علمبرداروں کو موقع اور باوقار بننے سے روکنے کی کوشش کی اور ان کو اہل علم کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے برا

با خصوص فقہاء حنفیہ نے جو شدید احتساب کیا اور جس باریک بینی اور نکتہ فہمی کے ساتھ اپنے زمانہ کے بعض اظہار معمولی مبتدعہ نہ اعمال و رسوم کی مخالفت کی اور شریعت کی حفاظت اور سنت و بدعت کے امتیاز کے لئے جو حکیمانہ انتظامات اور فقہی احتیاطیں کیں وہ ان کی اصول دین سے بڑی وقیفیت اور ان کے تفقہ کی بہترین مثالیں ہیں۔

جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ بدعت خوش عقیدہ و شائقین دین کے لئے ایسی مقناطیسی شش رکھتی ہیں اور اس بدعت کے ساتھ رواج و مقبولیت حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ ان علماء اسلام کی ہمت دیری و کامیابی کی داد دیں۔ جن کی کوششوں اور اظہار حق سے بعض بدعات کا بالکل سد باب ہو گیا اور اب ان کا فقہ کی بعض کتابوں یا تمدن کی بعض تاریخوں میں ذکر کرتا ہے۔ بعض بدعت جو باقی رہ گئیں ان کا بدعت ہونا بھی مشتبہ نہیں رہا اور ایک جماعت ہمیشہ ان کی مخالفت کرتی رہی ہے اور اب بھی کرتی ہے۔

ان مخالفین بدعت اور حاکمین اواء سنت کو اپنے زمانے کے عوام یا خواص کا عوام سے اس طرح جدا اور روایت پرست وغیرہ کے خطابات سے جس طرح ہر زمانہ کے مذاق عام اور رواج عام کے خلاف کہنے والوں کو دہرے و ہول کو دہرتے ہیں۔

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ

اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ علماء ربانی کو دینی تقاضے پورے کرنے کی اور اپنے منصب کو پیچھے نہ لے کر توفیق بخشے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں

یہ تقریر حضرت مولانا رحمت اللہ کو کشمیر یونیورسٹی کے سہ توین کنونشن منعقدہ ۱۱/۲۹ اکتوبر میں ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری پیش کئے جانے کے موقع پر کی گئی!

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين
اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، اقرأ باسم
ربك الذي خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ
وربك الاكرم، الذي علم بالقلم، علم الانسان
ما لم يعلم.

جناب چانسلسر صاحب (بھی۔ جے نہرو۔ گورنر کشمیر) پروچانسلسر صاحب (شیخ محمد عبد
اللہ چیف منسٹر کشمیر) واس چانسلسر صاحب (ڈاکٹر وحید الدین ملک) اساتذہ جامعہ
فضلاء کرام اور معزز حضرات! میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے، جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم و جدید مشرقی و
مغربی نظری و عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے
دیں کم نظری قصہ جدید و قدیم

میں علم کو ایک صدقت ماننا ہوں جو خدا کی وہ دین ہے، جو کہ ملک و قوم کی ملک نہیں
اور نہ ہونی چاہئے، مجھے علم کی کثرت میں بھی وحدت نظر آتی ہے، وہ ”وحدت“ سچائی ہے

سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے، اور اس کو پانے کی خوشی ہے، اس کے باوجود میں جناب چانسلر صاحب، و اس چانسلر صاحب، اور اس جامعہ کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے اپنے ایک علمی اعزاز کے لئے ایک شخص کا انتخاب کیا جس کا انتساب اور تعلق قدیم طرز تعلیم سے ہے۔

میں علم، ادب، شاعری، فلسفہ، خدمت کسی میں اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی ”وردی“ پہن کر آئے وہی ”علم“ اور ”دانشور“ ہے، اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر وردی نہ ہو وہ نہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت، بد قسمتی سے ادب و شاعری میں بھی یہی حال ہے، جو ادب کی دکان نہ لگائے اور اس پر ادب کا سامن بورڈ آویزاں نہ کرے، وہ ادب کی وردی پہن کر ادبی محفل میں نہ آئے وہ ”بے ادب“ ہے، لوگوں نے ان پیدائشی دیو اور شاعروں کا قصور بھی معاف نہیں کیا، جن کے جسم پر وہ وردی دکھائی نہ دیتی ہو، یا جن کو بد قسمتی سے ان وردیوں میں سے کوئی وردی نہ مل سکی ہو، میں علم کی آفیت اور علم کی تازگی کا قائل ہوں، جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خصوص ہے، اور سچی صلب ہے تو خدا کی طرف سے کسی وقت فیضان میں کمی نہیں۔

علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے

حضرات اس مقررہ دانش گاہ کے جسہ تقسیم استاد میں جو فنک بوس ہائیڈ کی ایک سرسبز و سینہ ادبی میں منعقد ہو رہا ہے، مجھے بے اختیار وہ واقعہ یاد آتا ہے، جب عرب کے ایک خستہ علاقہ میں ایک پہاڑ پر جو نہ بند تھا ورنہ سرسبز، (تقریباً چودہ سو سال پہلے پیش آیا تھا

اس موقع پر مقرر نے کہا کہ وہاں میں خستہ و روہ پہاڑیہ سرسبز تھی، لیکن حفیظ بن ندرہ نے خوب نما

نہیں کر سکا تھا، قیامت نے یہاں پر پھول کھلتے ہیں

میں رہنمائی سے آج بھی جھلک اُڑتے ہیں

اور جس نے تاریخ انسانی ہی نہیں بلکہ تقدیر انسانی پر ایسا گہرا اور لازوال اثر ڈالا ہے، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، اور جس کا اس ”روح و قلم“ سے خاص تعلق ہے، جس پر علم و تہذیب، اور تحقیق و تصنیف کی اساس ہے، اور جس کے بغیر نہ یہ عظیم دانش گاہیں وجود میں آتیں اور نہ یہ وسیع کتب خانے جس سے دنیا کی زینت اور زندگی کی قدر و قیمت ہے، میری مراد پہلی وقی کے واقعہ سے ہے جو ۱۲ فروری ۱۹۱۱ء کے لگ بھگ نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ کے قریب غار حرا میں نازل ہوئی، اس کے الفاظ یہ تھے

اقْرَأْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورہ علق آیت ۱ تا ۵)

”(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔“

خالق کائنات نے اپنی وحی کی اس پہلی قسط اور بارانِ رحمت کے اس پہلے چھینٹے میں بھی اس حقیقت کے احداث کو مؤخر و ملتوی نہیں فرمایا کہ علم کی قسمت سے وابستہ ہے غار حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی امی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام لینے گیا تھا، اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود بھی نہیں سیکھا تھا جو قلم کے فن سے یکسر واقف نہ تھا، کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے؟ اور اس بلندی کا تصور بھی ہو سکتا ہے کہ اس نبی امی پر ایک امت امی اور ایک ناخواندہ ملک کے درمیان (جہاں جامعات اور دانش گاہیں تو بڑی چیزیں ہیں حرف شناسی بھی عام نہیں تھی) پہلی بار

حق نازل ہوتی ہے، اور آسمان وزمین کا ربطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے تو اس کی ابتدا ہوتی ہے ”اقرا“ سے جو خود پڑھا ہوا نہیں تھا، اس پر جو حق نازل ہوتی ہے، اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ ”پڑھو“ یہ اشارہ تھا اس طرف کہ آپ جو امت دی جانے والی ہے، وہ امت صرف حساب علم ہی نہ ہوگی بلکہ معلم، علم اور علم آموز ہوگی، وہ علم کی اس دنیا میں شریعت لے کر آئے گی، جو دور آپ کے حصہ میں آیا ہے، وہ دور ”امیت“ کا دور نہیں ہوگا، وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور ظلم کا دور ہوگا، قتل کا دور ہوگا، حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا۔

علم کی ابتداء اسم رب سے ہونی چاہئے

بسم ربك الہی خلق (اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا) یہی منطقی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ گیا تھا، اس سے علم سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا، اس ٹوٹے ہوئے رشتہ کو یہاں جوڑا گیا، جب علم ویسا دیکھا گیا اس کو یہ عزت بخشی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی آگاہی دی گئی کہ اس علم کی ابتداء اسم رب سے ہونی چاہئے، اس لئے کہ علم ہی کا دیا ہوا ہے، اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، وراہی کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کر سکتا ہے، یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفریں، انقلاب انگیز اور صد عقدہ آسا ساز تھی جو ہماری دنیا کے کانوں نے سنی تھی، جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا، اُردنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی کہ آپ لوگ قیاس کیجئے کہ جو وحی نازل ہونے والی ہے، اس کی ابتدا کس چیز سے ہوگی؟ اس میں کس چیز کو اوہیت دی جائے گی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی جو اس امی قوم اور اس کے مزاج اور ماحول سے واقف تھا، یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ”اقرا“ کے لفظ سے شروع ہوئی۔

یہ ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ علم کا سفر خدا کے حکیم و علیم کی رہنمائی میں شروع کیا جانا چاہئے اس لئے کہ یہ سفر بہت طویل پر پیچ اور بہت پر خطر ہے، یہاں دن دھاڑے قافلے لٹتے ہیں قدم قدم پر مہیب و عمیق گھاٹیاں ہیں، گہرے دریا ہیں، قدم قدم پر سانپ اور بچھو ہیں، اس لئے اس میں ایک رہبر کامل کی رفقت ہونی چاہئے اور وہ رہبر کامل حقیقتاً خدا کی ذات ہے، مجرد علم و ادب نہیں، وہ علم مقصود نہیں جو نیل بوتے بنانے کا نام ہے، جو محض کھونٹوں سے پھیننے کا نام ہے وہ علم نہیں جو محض دس پہلے سے نام ہے، وہ علم نہیں جو ایک کو دوسرے سے لڑانے کا نام ہے وہ علم نہیں جو قوموں، قوموں سے ٹکرانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو اپنے معدہ کی خندق کو بھرنے کا ذریعہ سکھانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو زبان کو صرف استغناء کرنا سکھاتا ہے، بلکہ "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے، وہ تمہاری ضرورتوں سے تمہاری کمزوریوں سے کیسے نا آشنا ہو سکتا ہے "اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" آپ خیال کیجئے کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہوگا کہ اس غار حرا کی پہلی وحی نے بھی قلم کو فراموش نہیں کیا وہ قلم جو شاید ڈھونڈنے سے بھی مکہ میں کسی گھر میں نہ ملتا آراپ اسے تلاش کرنے کے لئے نکلتے تو شاید معصوم نہیں کسی ورقہ بن نوفل کے یا کسی "کاتب" کے جو دیار حرم سے چٹھہ پکھنا پڑھنا سیکھ کر آیا ہو گھر میں ملتا۔

۱۔ عہد بعثت کے ایک عرب فضل جو تورات انجیل کے بڑے عالم تھے، اور عبرانی زبان سے خوب واقف تھے۔

۲۔ عرب میں پڑھے لکھے آدمی کو "کاتب" کہتے تھے۔

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب آئیز اور لافانی حقیقت یہان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ”علم الانسان مال لم يعلم“ انسان کو سکھایا جس کا اس کو پہلے سے علم نہ تھا، سائنس کیا ہے؟ ٹیکنالوجی کیا ہے؟ انسان چاند پر جا رہا ہے، خدا کو ہم نے طے کر لیا ہے، دنیا کی حدیں کھینچ لی ہیں، یہ سب ”علم الانسان مال لم يعلم“ کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے؟
حضرات! اجازت دیجئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وادی علم کے ایک مسافر کی حیثیت سے کچھ مشورے کچھ تجربے پیش کروں۔

جامعات کا پہلا کام سیرت سازی ہے، یونیورسٹی ایسا کیرکٹر بنائے جو اپنے ضمیر کو بقول اقبال ایک لف جو کے بدلے میں بیچنے کیلئے تیار نہ ہو، آج کل فلسفے اور نظام یہ سمجھتے ہیں کہ اس بازار میں سب کی قیمت مقرر ہے، کوئی اگر کم قیمت پر نہیں خریداجا سکتا تو زیادہ قیمت پر خرید لیا جائے گا؟ ایک جامعہ کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ سیرت سازی کا کام کرے، وہ ایسے صاحب علم افراد پیدا کرے جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کر سکیں، جن کو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تحریبی فلسفہ کوئی غلط دعوت و تحریک کسی دام خرید نہ سکے، جو اقبال کے الفاظ میں پورے اعتماد و افتخار کے ساتھ بہہ سکیں۔

رم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بنی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

دوسرا فرض یہ ہے کہ ہماری جامعات سے ایسے نوجوان نکلیں جو اپنی زندگیاں حق و صداقت اور علم و ہدایت کیلئے قربان کرنے کے لئے تیار ہوں جن کو کسی کے لئے بھوکا رہنے میں وہ لذت آئے جو کسی کو پیت بھر کر کھانے اور ”نائے و نوش“ میں آتی ہے، جن کو کھونے میں وہ مسرت حاصل ہو جو جنس اوقات کسی کو پانے میں نہیں ہوتی، جو اپنی جوانی

کی بہترین توانائیاں، ذہن کی بہترین صلاحیتیں اور اپنے جہ معہ کا بہترین عطیہ جس سے ان کی جھولی بھر دی گئی ہے، اس نیت کو تب ہی سے بچانے کے لئے صرف کریں۔

دانش گاہوں کو، یلٹنا چاہئے کہ وہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ کتنی تعداد میں پیدا کر رہے ہیں؟ میں صفائی سے کہتا ہوں کہ اب کی ملک کی یہ تعریف نہیں کہ وہاں بڑی تعداد میں یونیورسٹیاں ہیں، یہ کوتاہ نظری اب بہت پرانی ہو گئی ہے، سواں یہ ہے کہ مہم کے شوق میں جستجو کی راہ میں مہم و اخلاق کے پھیلانے، اور برائیوں، بد اخلاقیوں، مفاہک و درندگی، دولت و قوت کی پرستش کو روکنے کے لئے کتنے آدمی اپنی زندگیوں وقف کرتے ہیں، اپنی قوم کو صاحب شعور، مہذب اور باضمیر قوم بنانے کے لئے کتنی تعداد میں نوجوان موجود ہیں، جو اپنی ذاتی سر بندگی اور ترقی سے آنکھیں بند کر کے اس مقصد کے لئے اپنے کو وقف کرتے ہیں، اصل معیار یہ ہے کہ کتنے نوجوان ایسے ہیں جو دنیا کی تمام آسائشوں اور ترقیوں سے آنکھیں بند کر کے کسی گوشے میں ٹھوس علمی و تعمیری کام کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب شاعری، فنون لطیفہ، حکمت و فلسفہ، تصنیف و تالیف سب کا مقصد یہ ہے کہ ملک و ملت میں ایک نئی زندگی اور روح پیدا ہو اور وہ سراب کی نمود اور شعلہ کی بھڑک نہ ہو، میں اس وقت ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال کے یہ شعر پڑھوں گا، جو انھوں نے اگرچہ کسی ادیب یا شاعر سے مخاطب ہو کر کہے تھے، لیکن یہ علم و ادب، فلسفہ و حکمت سب پر صادق آتے ہیں۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

حضرت! اب آخر میں مجھے اپنے ان قابل مبارکباد بھائیوں سے جو یہاں سے سند لے کر جا رہے ہیں، یہاں خوش نصیب عزیزوں سے جو ابھی اس چمنِ علم کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں، ہاتھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ میں اپنی بات کہنے میں (جو شاید کسی قدر خشک اور سنجیدہ ہو) ایک چسپ کہانی کا سہارا دوں گا، جو شاید آپ کے کانوں کا ذائقہ تبدیل کرنے میں مدد کرے۔

”رومی صائقِ ادب کا ہے کہ ایک بار چند طلباء تفریق کے سے ایک شکی پر سوار ہوئے طبیعتِ مونچ پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز و کیف آور تھی، ورکا مچھو نہ تھا، یہ نو عمر طلباء خاموش سیسے بیٹھ سکتے تھے، جابل ملاح دچپی کا اچھا ذریعہ، رفقہ بازی مذاق و تفریقِ طبع کے بے حد موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز و طرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: ”پپے میں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟“ ملاح نے جواب دیا ”میاں میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں“ صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ”ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی؟“ مداح نے کہا ”میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔“

دوسرے صاحبزادے کو بولے ”جائینی اور الجبر تو آپ ضرور جانتے ہوں گے۔“

ملاح نے کہا ”حضور یہ نام میرے سے بالکل نئے ہیں۔“

اب تیسرے صاحبزادہ نے شوشہ چھوڑا ”مگر آپ نے جو رنی اور ہسٹری تو پڑھی ہی ہوگی؟“

مداح نے جواب دیا ”سرکار یہ شہر نے نام ہیں یا آدمی کے؟“ مداح کے اس جواب پر رُکے اپنی ہانکی نہ ضبط کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا، پھر انہوں نے پوچھا ”پپے میاں

تمہاری عمر کیا ہوگی؟“ ملاح نے بتایا ”یہی کوئی چالیس سال“ لڑکوں نے کہا ”آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔“

ملاح بیچارہ خفیف ہو کر رہ گیا، اور چپ سادھ لی، قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خط ہو گئے، چہرے پر ہوا سیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا ”بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟“

لڑکے اس بھولے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنتی شروع کر دی، اور جب وہ یہ بھاری بھر کم اور مرغوب کن نام گنت چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، ”ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا لیکن کیا پیرا کی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدا نخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارے کیسے پہنچ سکو گے لڑکوں میں کوئی بھی پیرا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا۔ ”چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔“

لڑکوں کا جواب سن کر مدح زور سے ہنسا اور کہا ”میں نے تو آدھی عمر کھوئی مگر تم نے پوری عمر ڈبوئی، اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کام نہ آئے گا، آج پیرا کی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے، اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔“

آج بھی دنیا کے بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں میں جو بظہر دنیا کی قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں، صورت حال یہی ہے کہ زندگی کا سفینہ گرداب میں ہے، دریا کی موجیں خونخوار نہنگوں کی طرح منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہیں، ساحل دور ہے اور خطرہ قریب،

۱۔ ”خود از منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاطین“ از مصنف

لیکن شستی کے معززوں کی ساریوں کو سب کچھ آتا ہے، مگر ملاجی کا فن اور پیرائی کا علم نہیں آتا، دوسرے غلط ہیں انہوں نے سب کچھ سیکھا ہے، لیکن بھسے مانسوں، تریف، خدا شناس اور انسانیت دوست انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا فن نہیں سیکھا اقبال نے اپنے ان اشعار میں اسی نازک صورت حال اور اس عجیب و غریب "تضاد" کی تصویر کھینچی ہے، جس میں اس بیسویں صدی کا مہذب اور تعلیم یافتہ فرد بلکہ معاشرہ کا معاشرہ شکار ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھ ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

شریفانہ انسانی زندگی گزارنے کا بنیادی فن خدا ترسی، انسان دوستی، ضبط نفس کی ہمت و صلاحیت، ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت، انسانیت کا احترام انسانی جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ کا جذبہ، حقوق کے مطالبہ پر ادائے فرض کو ترجیح مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت و حفاظت اور ظالموں و طاقتوروں سے بچہ آزمائی کا حوصلہ، ان انسانوں سے جو دولت و جاہت کے سوا کوئی جوہر نہیں رکھتے، عدم مرعوبیت و بے خوفی، ہر موقع پر اور خود اپنی قوم اپنی جماعت کے مقابلے میں کلمہ حق کہنے کی جرأت، اپنے اور پرانے کے معاملہ میں انصاف اور ترازو کی تول، کسی دانا و بیانا، طاقت کی نگرانی کا یقین اور اس کے سامنے جوابدہی اور حساب کا کھٹکا، یہی صحیح خوشگوار و بے خطر اور کامیاب زندگی گزارنے کی بنیادی شرطیں، اور ایک اچھے و خوش اسلوب معاشرہ، اور ایک طاقتور و

محفوظ و با عزت ملک کی حقیقی ضرورتیں اور اس کے تختہ اُس ضمانتیں ہیں، اس کی تعلیم اور اس کے لئے من سب ماحول مہیا کرنا دانشگاہوں کا اولین فرض، اور اس کا حصول تعلیم یافتہ نسل اور ملک کے دانشوروں کی پہلی ذمہ داری ہے، اور ہم کو اس جیتے؟ سرمواقع پر دینا چاہئے کہ اس کام کی تکمیل میں ہماری دانش گاہیں کتنی کامیاب اور ان کے سند یافتہ افراد و فضلا، کتنے قابل مبارکباد ہیں، اور آئندہ ان مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لئے ہم کیا عزائم رکھتے ہیں اور ہم نے کیا انتظامات سوچے ہیں۔

آخر میں پھر آپ کی عزت افزائی، اعتماد اور جذبہ محبت و احترام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کا آپ نے اپنے اس اقدام کی شکل میں اظہار فرمایا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

علومِ دینیہ کے طلبہ و فضلاء کی کامیابی کی تین لازوال شرطیں

یہ تقریر ۱۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو جامعہ دارالعلوم کراچی میں علماء، سائنسدانوں اور طلبہ کے سامنے کی گئی، حضرت مولانا موصوف کا تعارف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (۱) صاحب (ہانی دارالعلوم کراچی) کے فرزند گرامی مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (۲) زید مجدہ رکن اسلامی نظریاتی کونسل نے کرایا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور پاکستان کے علمائے کبار کی یاد حضرات اساتذہ دارالعلوم اور عزیز طلبہ!

میں اس دور کے جن علماء کے رسوخ فی العلم اور تبحر کا معتقد و قائل ہوں ان میں اس دارالعلوم کے ہانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا خاص مقام ہے۔ علمی تبحر، فقہ و فتویٰ پر وسیع اور گہری نظر، قوت تدریس یہ سب چیزیں بھی قابل قدر اور قابل احترام اوصاف و کمالات ہیں، لیکن ایک دوسری چیز ہے جس کی بنا پر کسی فقیہ و مفتی کو "فقیہ انفس" کہتے ہیں، یہ امتیاز علمائے زمانہ میں حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا، اور میرے اساتذہ کی عمر اور صف کے بزرگ تھے، یہ میری بد قسمتی ہے کہ مجھے براہ راست ان سے درسی طور پر استفادہ کا موقع نہیں ملا۔ جب میں دیوبند پہنچا تو حضرت مفتی صاحب وہاں درس دیتے تھے، لیکن میں چونکہ صرف دورہ کے اسباق میں شریک ہوتا تھا اس لئے مجھے

(۱) سابق مفتی اعظم پاکستان

(۲) حال نامحب صدرائے اعلیٰ دارالعلوم کراچی پاکستان

ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے بائیس برس کے بعد اس سرزمین پر قدم رکھا ہے
 ۱۹۵۶ء میں ایک بیرونی سفر سے آتے ہوئے دو تین دن کے لئے کراچی ٹھہرا تھا۔ اللہ
 تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج اس نے ان کی اس بہترین یادگار دارالعلوم میں پہنچایا۔
 اس وقت پاکستان کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی
 صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب جیسے راسخ فی العلم والحدیث علماء کی
 ضرورت تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ حالات و مسائل ایسے ہیں کہ اس وقت اس ملک اور اس عہد
 کو حجۃ الاسلام غزالی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ کی ضرورت تھی،
 لیکن اگر اس پایہ کے علماء اور دینی رہنما نہ ہوتے تو کم سے کم ان حضرات کے پایہ کے علماء
 تو ہوتے جن کا میں نے ذکر کیا، مگر افسوس کہ اس وقت وہ بھی ہم میں موجود نہیں ہیں۔

انقلابِ زمانہ کا شکوہ

عزیز طلبہ! چونکہ میں اس وقت دارالعلوم میں خطاب کر رہا ہوں اس لئے جو کچھ کہوں
 گا وہ علم کے متعلق کہوں گا اور طلبہ و اساتذہ کے مستقبل، ان کے فرائض، ذمہ داریوں،
 وقت کی نزاکت اور زمانہ کے فتنوں کے متعلق عرض کروں گا۔

آپ کے کان میں بار بار یہ بات پڑی ہوگی کہ زمانہ بدل گیا ہے، دنیا بدل گئی ہے،
 زمین آسمان بدل گئے ہیں، سوچنے کے طور طریقے بدل گئے ہیں، اس زمانہ میں عوام
 دینیہ کی تحصیل میں عمر صرف کرنا، ان میں کمال پیدا کرنا، ان کے دقائق اور جزئیات میں
 جانا، ایک بے وقت کی شہنائی اور ”کوہ کندن و کاہ برآوردن“ نہیں تو کیا ہے؟

صرف یہی زمانہ نہیں بلکہ ہر زمانہ میں زمانہ کی تبدیلی کا شکوہ کیا گیا ہے۔ آپ کسی
 زمانہ کے ادب و شاعری یا تاریخ کا مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ یہی رونا رویا
 کیا ہے کہ زمانہ بڑا خراب ہے، علم کی قدر نہیں، اہل کمال کی قدر نہیں، بے کمالی اور بے
 کمالوں کا دور دورہ ہے۔ عربی شاعری اور ادب کو دیکھیں تو ابوالعلاء معری کو کہتے ہوئے

سفر گئے۔

تَطَاوَلَتِ الْأَرْضُ السَّمَاءَ مَفَاهَةً
وَفَاخَرَتِ الشَّهْبُ الْحَصَاوُ الْجَنَادِلُ
وَقَالَ السُّهْلُ لِلشَّمْسِ أَنْتَ ضَائِلَةٌ
وَقَالَ الدُّجَى لِلصَّبَمِ لَوْ نَكَ حَائِلُ
إِذَا نَسَبَ الطَّائِي بِالْبَخْلِ مَادِرٌ
وَحَيْرَ قُسًا بِالْفَهَامَةِ بِاِقْلُ

آخر میں کہتا ہے:

فِيَا مَوْتَ زُرْ إِنَّ الْحَيَاةَ ذَمِيمَةٌ
وَيَا نَفْسَ جَدِي أَنْ دَهْوِكَ هَازِلُ

یعنی اے موت تیرا آجنا ہی اچھا ہے، اس سے کہ زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا اور اے
نفس تو ہی بنجیدگی اور دق رکے راستہ پر چل، تیرا زمانہ تو دل لگی اور مذاق کر رہا ہے۔

دوسری طرف حافظ شیرازی اس طرح شکوہ سنچ میں ہے

اِس چہ شورِ میت کہ دردِ ویرِ قمری بنیم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شرعی بنیم

آگے زمانہ اور اہل زمانہ کی سلفہ پردہ کی وفاقہ دہری کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیں پالان
طوق زریں ہمہ درگردن خوی بنیم

ردو کی طرف آئیے گا تو آپ کو آبِ حیات اور دوسرے تذکروں میں شہر آشوب
ملیں گے، جن میں شعراء نے اپنے زمانہ اور اپنے ملک کی خستہ حالت اور انتداب روزگار
پر آنسو بہائے ہیں۔ اس سلسلہ میں استاد ذوق کا ایک ہی شعر کافی ہے۔

پھرتے ہیں اہل کمال آشفۃ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

یہ چند اشعار ہیں جو مجھے اس وقت برجستہ یاد آئے ورنہ ایسے اشعار اور زمانہ کے شکوہ
شکایت سے دیوان کے دیوان بھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ جو کتاب دیکھئے گا زمانہ کا ماتم
ہوگا اور شکوہ کا دفتر، اپنی جس کمال کس کے سامنے پیش کی جائے جو ہری کہیں ہیں، اہل
نظر کہاں ہیں؟ یہ بے کمالی اور بے ہنرمی کا دور ہے، کس کے لئے انسان محنت کرے، کس
کے لئے اپنا پانی سرے، کس کے لئے اپنا خون جگر بہائے؟ اگر آپ ان باتوں پر اعتبار
کر میں گے تو آپ کا مدرسہ میں جی لگے گا نہ پڑھنے میں نہ محنت کرنے میں۔

سنن الہیہ ناقابل تبدیل ہیں

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ کا انقلاب ایک حقیقت ہے، اس سے
کوئی انکار نہیں کر سکتا، سو برس پہلے کا زمانہ دیکھئے کیا خیر و برکت کا زمانہ تھا، خواص تو خواص
اس وقت کے عوام بھی اس زمانہ کے خواص سے بہتر تھے، کیا قوت ایمانی تھی، کیا دینی
حمیت وغیرہ تھی، دین کا علم، قرآن کا حفظ، مرد و مرد عورتوں میں کتنا متعاضد تھے۔ اس وقت
غنت و مابویت کا دور دورہ ہے، دین و علم دین کے محرکات و دوائی بہت کمزور پڑ گئے ہیں
لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان تمام انقلابات کے باوجود جو پیسے ہو چکے اور ان تمام
انقلابات کے باوجود بواب ہو رہے ہیں اور ہوں گے، اور جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا
، اللہ تعالیٰ کی سنن ناقابل تبدیل ہیں، اور ان پر ان انقلابات کا کوئی اثر نہیں، جہاں اس
حقیقت کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، وہاں اس قرآن مجید کے عام، سب کے
خلاف زور دینے کے لئے دوہرایا گیا ہے اور مکرر فرمایا گیا ہے "وَلَسْ تَجِدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ
تَبْدِيلًا، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا" اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مد اور علم کامل کی بنا
پر اس کائنات اور فطرت انسانی کے متعلق جو آئین و قوانین بن دیئے ہیں اور جو اصول طے

کر دیئے ہیں ان میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب یہ قرآن مجید کے استقراء اور حدیث و سنت کے مطالعہ سے معصوم ہو سکتا ہے کہ وہ قوانین کیا ہیں؟ ان قوانین کی فہرست بہت طویل ہے اور مجھ جیسے حاسب علم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ پوری فہرست مرتب کر سکے، نہ وقت میں اس کی گنجائش ہے، لیکن میں اپنے علم ناقص کی بنا پر ان سنن کو نیہ میں سے تین سنتوں کا ذکر کروں گا جن کا ہماری زندگی اور ہمارے مدارس و مقاصد سے خاص تعلق ہے۔

نافعیت کا احترام و اعتراف

ان میں سے ایک سنت اللہ لوگوں کا نافعیت و افادیت کے سامنے جھکنے، اس کی قدر کرنا اور اس کو تسلیم کرنا ہے، نافعیت اور اس کے محل و مرکز کے ساتھ محبت کا ہونا، نافع کو تلاش کرنا، اس کی طرف رجوع کرنا اور وہ مل جائے تو اس کی قدر کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے، نافعیت کی بقا اور اس کی زندگی اور سرسبزی کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے، اور جو اس سے خالی ہے اس کے لئے یہ ضمانت نہیں، سورہ رعد میں صاف فرمایا گیا:

فاما الربد فيذهب جفاء واما ما ينفع الناس فيمكث في الارض كذا لك يضرب الله الامثال۔

”سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہر رہتا ہے اسی طرح خدا (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے۔ (تاکہ تم سمجھو)“

”بقائے صالح“ نہیں بلکہ قرآنی زبان و اصطلاح میں ”بقائے نفع“ کا یہ قانون ہزاروں اگھوں برس سے چل رہا ہے اور ہزار تبدیلیوں کے باوجود چلتا رہے گا، نافعیت کے لئے پیپنا، پھلنا پھولنا اور اپنی قیمت اور اہمیت تسلیم کرالینا مقدر ہو چکا ہے، نافع بن جانا ہزار

مخالفوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اس کے لئے پروپیگنڈہ اور پیسٹی کی ضرورت نہیں، نافع کے اندر محبوبیت کی صفت ہے اس میں رنگ و مذہب اور قوم و وطن کی بھی تفریق نہیں ”نافع“ اگر پہاڑ کی چوٹی پر بھی جا کر بیٹھ جائے گا تو دنیا اس کو تلاش کرنے کے لئے وہاں پہنچے گی، اور اس کو ہاتھوں ہاتھ سر پر بٹھا کر بلکہ آنکھوں میں جگہ دے کر لائے گی، یہ اللہ کی سنت ہے جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلی آرہی ہے۔

نافع کی تلاش و طلب

میرے عزیز طلبہ! آپ اپنے اندر نافعیت پیدا کرنے کی کوشش کیجئے، آپ سے زندگی کی شب تاریک میں راہروں کو روشنی ملتی ہو، آپ کی مدد سے علمی عقدے حل ہوتے ہوں، آپ کی صحبت میں بیٹھ کر ایمان میں طاقت پیدا ہوتی ہو، آپ کے پاس جا کر آدمی کچھ لے آتا ہو، اس کے بعد اگر آپ اپنے اور لوگوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دیجئے، اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے، لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ یہاں ایک ”نافع“ رہتا ہے، اس سے فلاں قسم کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے (روح کا فائدہ اور ایمان کا فائدہ تو بہت بڑی چیز ہے) تو لوگ دیواریں پھاند کر اور دروازہ توڑ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

اس موقع پر مجھے حضرت محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالیؒ کی ایک حکایت یاد آئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے بڑے حقائق کو آسان و عام فہم تمثیلوں میں بیان کرنے کی بڑی حکمت عطا فرمائی تھی۔ ان سے ایک مرتبہ نواب صاحب کو روائی نے شکایت کی کہ حضرت میں نے بڑے شوق سے ایک مسجد بنوائی، اس پر بڑا روپیہ خرچ کیا، لیکن وہاں کوئی نماز پڑھنے نہیں آتا، حضرت کے سمجھانے کا عجیب طریقہ تھا، بعض مرتبہ وہ امتحان بن جاتا، فرمانے لگے کہ نواب صاحب! اس کا دروازہ چن دیجئے اور بالکل تیغہ کر دیجئے۔ نواب صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت اسٹاٹس جتا رہے ہیں، کہنے لگے کہ حضرت

میں نے تو مسجد اس لئے بنوائی ہے کہ لوگ آئیں اور نماز پڑھیں اور وہ آہا، ہو، آپ فرماتے ہیں کہ اس کا دروازہ چن دیا جائے، حضرت نے فرمایا کہ ابھی میری بات تو پوری نہیں ہوئی، دروازہ چن، سمجھئے اور اندر ایک آدمی کو بٹھا دیجئے جس کے ہاتھ میں پچاس بیس کے نوٹ ہوں یا اس دس پانچ پانچ ہی کے نوٹ ہوں اور باہر اس کے ساتھ سمجھئے کہ اس مسجد میں نوٹ تقسیم ہو رہے ہیں، آپ نے مسجد تو بن ڈالی لیکن نماز کو جو ثواب کا فائدہ ہے وہ لوگوں کو معلوم نہیں، اب مسجد میں کیسے آئیں؟ ان کو نوٹ کافی مدد معصوم ہے، اس کو معلوم ہے کہ پانچ روپیہ کے نوٹ سے کیا چیزیں خریدی جاسکتی ہیں، اور اس سے کیا کیا ہو سکتا ہے، ان کو یہ معلوم نہیں کہ نماز سے کیا چیزیں خریدی جاسکتی ہیں، اور اس سے کیا کیا فائدہ حاصل کئے جاسکتے ہیں، اب آپ ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ کرمی یا سرفروشی میں تالیف بھی کر، این خرچ کر کے اور دور سے چل کر کے آئیں گے، آدمی بننے کے بعد چھوٹا ہنڈورا پٹوانے کی بھی ضرورت نہیں، ذرا سی دیر میں، یہ بات سچیل پائے گی کہ ثواب صاحب نے خدا جانے کس بنا پر یہ کام کیا ہے کہ مسجد کے دروازے تو چن لے گئے ہیں، اب اندر ایک آدمی ہزار روپے کے نوٹ لئے بیٹھا ہے اور تقسیم کر رہا ہے، نتیجہ یہ کہ لوگ دروازہ تو اندر مسجد میں داخل ہو جائیں گے اور کوئی ہزار کے تائب بھی نہیں لے سکتے، تو نافعیت ہی اصل چیز ہے، جس پر لوگ پرانہ وار بھروسہ کرتے ہیں۔ پرانوں کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ شمع جل رہی ہے، کون یا اعلان کرتا ہے کہ یہ شمع شمع پر بجھ کر، ان پرانوں اور شمع کے درمیان کیا رابطہ ہے؟ جہاں پانی کا چشمہ ہوتا ہے وہاں مورچ، انسان، پتھر، پتھر کے جمع ہو جاتے ہیں، مثلاً بکاشکو دس خبری، اب بصری درمہ ہمتی کی میسر ہے۔

نافعیت کی قوت تسخیر

آپ کو ایک اطمینان داتا ہوں، ہمارے شہر ٹکھنوی میں ایک چولی کے مسلمان ڈاکٹر عبد

احمد صاحب مرحوم جن کی صداقت، وسیع تجربہ اور استودی کا ہندو مسلمان سچی ڈاکٹر لوہا مانتے تھے، انھوں نے مجھے لطیفہ سنایا کہ بارہ بنگی کے ایک غیر مسمم سرمایہ دار اور کاروباری شخص نے تقسیم کے بعد ایک دن ان سے طنزاً کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ پاکستان نہیں گئے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تاجر کسی سخت مرض میں مبتلا ہوا۔ ہر طرح کے علاج اس نے کئے، بڑے بڑے ڈاکٹروں کو بدیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بار کر اس نے ڈاکٹر صاحب کو تکلیف دی۔ ڈاکٹر صاحب جب اس کو دیکھنے گئے اور علاج شروع کیا تو کہا کہ دیکھئے۔ اُس میں پاکستان چلا جاتا تو آپ مجھے کہاں بلاتے اور میں آپ کی خدمت پیسے کر سکتا۔ اللہ کا کرنا کہ انھیں کے علاج سے اس کو فائدہ ہوا اور اس کو شرمندہ ہونا پڑا۔

میرے عزیزو! میں آپ کی ہزار مشکلات کا حل یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے زمانہ سے اپنا نفع اور مفید ہونا تسلیم کر لیجئے آپ اس سے یہ فائدہ اٹھا کر لیجئے کہ آپ کے پاس جو علم ہے وہ دنیا کے پاس نہیں ہے، دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ جو سودا جس دوکان پر ملتا ہے آدمی اس کی خریداری کے لئے وہیں جاتا ہے، ایک صاحب کمں بھی اس دوسرے صاحب کمال کی طرف رجوع کرتا ہے جس کے پاس اپنے دل کا مدد اور اپنے مرض کی دوا پاتا ہے، امام احمد بن حنبل حدیث و فقہ میں اپنے زمانہ کے امام اور بغداد میں مریع خلّاق تھے لیکن اپنے قلب کو غذا اور روح کو تقویت پہنچانے کے لئے اپنے شہر کے ایک ایسے صاحب دل بزرگ کے حلقہ صحبت میں تشریف لے جاتے تھے جن کو علم میں ان سے کوئی نسبت نہ تھی۔ ایک مرتبہ ان کے ایک صاحبزادے نے ان سے کہا، ابا جان! آپ کے وہاں جانے سے ہم لوگوں کا سر نیپا ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، فرمایا کہ بیٹے! انسان جہاں اپنا قاعدہ دیکھتا ہے وہاں جاتا ہے، مجھے وہاں اپنے دس کا فائدہ نظر آتا ہے۔

یہ درج نظامی جو آج ساری دنیا میں سلا کی طرح چل رہا ہے، یہ نظام الدین فرنگی ملی

کا مرتب کیا ہوا ہے جو استاذ الہند اور استاذ العلماء تھے۔ وہ بایں علم و فضل اودھ کے ایک قصبہ بانسہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قادریؒ کے مرید تھے جو اودھ کی پوربی زبان بولتے تھے اور انھوں نے کچھ ابتدائی کتبیں پڑھی تھیں۔ ملا صاحب نے حضرت کے ملفوظات بھی لکھے ہیں اور بڑی محبت و عقیدت سے ان کا نام لیتے ہیں، اس سبب کہ ان کو اپنے سارے علم و فضل کے باوجود اپنے اندر ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا جو وہاں جا کر پُر ہوتا تھا، وہ سب کے استاد تھے لیکن ان کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جہاں جا کر یہ معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اور ابھی سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے حضرت مولانا عبدالحی بڑھانوی اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید جن میں سے اول الذکر کو شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ الاسلام اور ثانی الذکر کو حجت الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت سید احمد شہید کے دست گرفتہ اور ان کے دامن سے وابستہ تھے، جن کی تعلیم کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی۔ دیوبند کے بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ جب سید صاحب یہاں تشریف لائے تو دونوں بزرگوں کا حال یہ تھا کہ سید صاحب آرام فرماتے ہوتے تھے اور دونوں حضرات چارپائی کے دائیں بائیں بیٹھے ہوتے، سید صاحب بیدار ہوتے اور کچھ فرماتے تو یہ حضرات دیر تک اس کا مذاکرہ کرتے اور لطف لیتے۔

استغناء و بے غرضی کی طاقت و تاثیر

دوسری صفت استغناء اور بے غرضی ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ بھی سنت ہے کہ جو مانگے وگ اس سے گھبرا میں اور جو دامن پھیلانے اس سے بھائی میں اور جو اپنی مٹھی بند کر لے اور دامن سمیٹ لے اس کے قدموں میں پڑیں اور خوشامد کریں کہ وہ کچھ قبول کرے، استغناء میں ازل سے محبوبیت و مقبولیت ہے اور طلب میں ذلت، گویا مستغنی سے احتیاج کا معاملہ ہے، اور طالب سے استغناء کا یہ بھی ایک ایسی سنت خداوندی ہے جس میں زمانہ کی تبدیلی کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں، چوتھی صدی کے حالات آپ پڑھیں تو یہی نظر

آئے گا، آٹھویں صدی کے پڑھیں گے تو اسی طرح کے واقعات ملیں گے اور چودھویں صدی میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ میں اس کے زیادہ واقعات نہیں بیان کرتا اور تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کہ بزرگان دین کے تذکرے اور تصوف کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے اور آپ کو خود بھی اس کے تجربے ہوئے ہوں گے، نہیں تو اپنے اس تذکرہ اور بزرگوں سے ان کے اس تذکرہ و بزرگوں کے واقعات سنے ہوں گے۔

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

تیسری اور آخری خصوصیت کمال، امتیاز اور کسی چیز میں مہارت تامہ ہے، علوم عالیہ تو بڑی چیز ہیں، علوم عالیہ میں بھی اگر کسی فن میں کمال پیدا ہو جائے اور اس سے بھی نیچے اتر کر اگر کسی کو خطاطی، دراتی میں کمال حاصل ہو تو اچھے اچھے اہل علم پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، بڑے بڑے مصنفین بڑے بڑے ناشر کاتبوں کی ناز برداری کرتے ہیں، ان کے نخرے سہتے ہیں، ان کی خوشامد کرتے ہیں کہ وہ وقت پر لکھ دیں کم سے کم کتب کا نام ہی لکھ دیں جس کا بلاگ بنایا جاسکے۔

آب اگر کسی صاحبِ کمال کو یا علم کے کسی ہر خصوصی کو دیکھتے ہیں یا اس کے متعلق سنتے ہیں کہ وہ عسرت و بیکاری کی زندگی گزار رہے ہیں تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس صاحبِ کمال کے ساتھ کوئی ایسی کمزوری یا مزاحی خرابی لگی ہوئی ہے جس نے اس کے سرے کماہات پر پردہ ڈال دیا ہے، مثلاً غصہ بہت ہے، مزاج میں تلوان ہے، کابلی ہے، محنت نہیں ہوتی، پڑھانے میں جی نہیں لگتا، بے ضابطگی کی عادت پڑ گئی ہے، کسی کی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی، اس سے آگے بڑھ کر کچھ مراقبہ ہے، سنک ہے، کسی جگہ ٹھہر نہیں پاتے، فوراً ان بن ہو جاتی ہے، ایسی کوئی نہ کوئی بات آپ ضرور پائیں گے جس کی وجہ سے ان کے کمال اور علم سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا اور گوشہ گمنامی یا کسمپرسی میں دن گزار رہے ہیں۔

یہ دو تین لازوال شرطیں اور سنائیں ہیں جن کے ساتھ سنت اہل یہ ہے کہ زمانہ تنہا ہی
 برس جائے اور اس زمانہ کتنے ہی بگڑ جائیں ان کے اندر تسخیر کا اور رنجوبیت کی صفت
 ہے اور آج کے زمانہ کے فتنہ، عداوتیں اور ملیہ علوم وینیہ کو انھیں شرطوں کو پورا کرنے اور انھیں
 سنات سے متصف ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے۔
 اجازت چاہتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا

حضرت مولانا محمد سعید رحمہ اللہ نے مدرسہ بدایت، عدم تہتیا باغ کئی مہارت کے
افتتاح کے موقع پر یہ تقریر فرمائی۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد
المرسلين وحماته النبي محمد وآله وصحبه
أجمعين اغود بآله من الشيطان الرجيم اقراء باسم
ربك الذي خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝ اقرا
وربك الاكرم ۝ ندی عنه بالقلم ۝ عنه الانسان
ما لم يعلم ۝

آپ ﷺ کو پہلا پیغام الہی

بزرگو! دوستو! رہنما! اتنی تم نے آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھی ہیں وہ سورۃ
اقراء کی آیتیں ہیں۔ عرصہ سے دستور چلا رہا ہے کہ جب تسمیہ خوانی بچہ کی ہوتی ہے تو اسی
آیت کو پڑھایا جاتا ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے اس مدرسہ کی مہارت کے افتتاح میں ایک
بچی کو مندرجہ بالا آیت پڑھا کر آ رہا ہوں۔ میں آپ کے سامنے اس سلسلہ میں کچھ حقیقتوں
کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرات! یہ بات بڑے سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ

تبارک و تعالیٰ کے اشارے اور الہام سے نبوت کا منصب جب ملنے والا تھا، اس وقت حالات کے تقاضے، مکہ مکرمہ، جزیرۃ العرب اور ساری دنیا کے حالات کو دیکھ کر جو ترتیب آپ کے اندر پیدا ہوئی اور پھر اس سوچ بے چینی اور فکر نے آپ کو غار حراء میں کئی کئی دن عبادت کرنے پر مجبور کر دیا اور جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ آسمان کا زمین سے وحی کے ذریعہ پہلا تعلق قائم ہو رہا ہے اس وقت اگر تمام دنیا کے ذہین ترین دانشوروں، مفکروں، معلموں، فلسفیوں اور جینیٹس ترین انسانوں سے کہا جاتا ہے کہ آپ غور و فکر کر کے بتائیے کہ پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ وحی آنے والی ہے ایسے موقع پر اس دنیا کو کیا پیغام ملنے والا ہے، اس کو کس بات کی تعلیم دی جانے والی ہے، آپ کے سامنے ساری دنیا کے حالات ہیں، پوری نوع انسانی کی بیماری، اس کی جہالت، ناکہنجی، خالق کائنات سے ناواقفیت کروڑوں معبودوں کی پرستش ہو رہی ہے، تمام لوگوں پر گویا شرک کا شامیانہ ساتا ہوا ہے، یہ وحی ایسے ملک میں نازل ہو رہی ہے جو ناخواندہ ہے جس پر یہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ خود بھی ناخواندہ امی ہے، اس کی پوری قوم ان پڑھ ہے یہودیوں نے بھی ان کو امیین کے لقب سے پکارا ہے اور کہا ہے "لیس علیا فی الامین سلیل" اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو امی کے لقب سے نوازا ہے جو آپ کے لئے بہت بڑا عزاز ہے۔ ایسے موقع پر ذہین ترین انسان بھی یہ پیشن گوئی نہیں کر سکتے تھے کہ یہی وحی میں اقراء، علم اور قلم کا تذکرہ ہوگا، اس لئے کہ پورے مکہ مکرمہ میں بڑی شکل سے تلاش بسیار کے بعد بھی شاید دو چار قلم مل سکتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جن کے متعلق اس وقت کہا جاتا تھا کہ وہ لکھتے پڑھتے تھے گویا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ وہ پڑھے لکھے تھے۔ ایسے ناخواندہ ماحول میں ایک امی پر وحی کا جو پہلا لفظ

نازل ہوتا ہے وہ اقراء کا فظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ پڑھنے لکھنے کا دور آنے والا ہے۔ علم و رقوم کا عہد شروع ہونے والا ہے لیکن صرف پڑھنے کافی نہیں کہ بعض وقت صرف پڑھنے نے زہر کا کام کیا ہے، اس پڑھنے نے فکری غارتگری اور وحشت و بربریت سنبھالی ہے، جنگوں کا طریقہ سکھایا ہے، ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو انڈیم بم اور زہریلی گیس کے ذریعہ مارنے اور انسانی آبادی کو تہس نہس کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ علم کی تباہی و بربادی کے بہت سے کام سئے گئے اب بھی سائنس اور ٹیکنالوجی سے انسانوں کو تباہ و برباد کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اس سے خالی علم معتبر نہیں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ اس نے پہلا فظ اقراء کہا، آپ پڑھیے۔ اب پڑھنے کی ضرورت ہے، علم کو دنیا میں پھیلنا چاہئے، علم صحیح علم تو حید، علم ربانی، علم اخلاق، علم خود شناسی و خدا ترسی جس علم میں یہ نہ ہوں وہ علم معتبر نہیں۔ آج دنیا میں جو تباہی و بربادی آ رہی ہے، یہ انسان کشی ہی نہیں قوموں کی قومیں اور ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کے سئے جو ایٹم بم ایجیو دہوئے ہیں جرائم کے لئے جو ایجیو دات ہو رہی ہیں وہ سب اس علم کا کارنامہ ہے جو خدا کے نام کے بغیر ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ اقراء کے ساتھ یہ شرط لگاتا ہے کہ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے گا جب اس علم کا فائدہ ہوگا۔

ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے

میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ کرمانیہ میں انصاف کے ساتھ تاریخ لکھی جائے اور یہ تحقیق کی جائے کہ علم نے سب اپنا راستہ بدلوایا کب تعمیر کے بجائے تخریب کا ذریعہ بنا تو ایک مصنف آدمی یہ بتائے گا کہ جب سے علم کا رشتہ خالق اور مالک اور رب کائنات سے ختم ہو گیا جب ہی سے یہ تباہی و بربادی آئی جو علم اللہ تعالیٰ کے نام سے الگ ہو کر چلا وہ قابل اعتبار نہیں رہا، اس علم سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے تو پہلی بات تو یہ معلوم ہونی کہ ہمارا خالق کون ہے، ہمارا مالک اور پالنے والا کون

ہے۔ بڑے بڑے دانشوروں، معموں اور فلسفیوں کو جب یہ نہیں معلوم کہ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے، مٹی اور بدی میں یہ فرق ہے، ہمارا خلق ہم سے کیا چاہتا ہے، وہ ہمیں کون سا عقیدہ دیتا ہے، وہ ہمیں کس راستہ پر لگانا چاہتا ہے، وہ ہمیں اس کائنات، عام انسانوں اور اس دنیا اور اس انجام کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہئے، بس ان بنیادی سوالات کا صحیح علم نہ ہو تو پھر کس نہر میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک منت میں سیڑیوں انسانوں کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں یہ نہ معلوم ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے ہماری صد حقیقتیں و ارادے سب اس کے قبضے میں ہیں، وہ عالم الغیب ہے تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن مجید بہت بے پڑھیں اپنے اس رب کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا خون کے ایک لوتھڑے سے جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا وہ انسان کس طرح اپنی حقیقت کو فراموش کر کے غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر خون ریزی اور جہاد کا بازو روم رو دیتا ہے آج انسان اپنی حقیقت کو بھولتا جا رہا ہے۔ آج یورپ و امریکہ اس حقیقت کو بھولتا جا رہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اب اس حقیقت کو بھولتا جا رہا ہے۔ آج یہاں اس کے جاننے کے ذرائع جتنے پہلے تھے اتنے اب بھی ہیں۔ پھر جب اسلام آیا تو گھر گھر یہ بات پھیل گئی۔

”اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ“

حضرات! آپ دیکھتے کہ اس امت نے تھوڑی سی مدت میں کتنے بڑے بڑے کتب خانے قائم کر دیئے۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس درجنوں کی تعداد میں بھی کتابیں نہیں تھیں لیکن بسب سے مسلمانوں میں کتب خانوں کا رواج ہوا تو ہر فن میں انھوں نے ہزاروں اور کھوں کتابیں تیار کر کے پوری دنیا میں پھیلا دیں۔ یہ سب قلم اور علم کی بدولت ہوا، پہلی وحی نے یہ بتا دیا کہ اب علم اور قلم کا دور شروع ہونے والا

ہے اور اس امت کا رشتہ قلم کے ساتھ قائم رہے گا، ہزاروں انقلابات آئیں گے لیکن مسلمانوں کا رشتہ قلم سے بھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

ہندوستان ہی کو دیکھ لیجئے، مسلمانوں میں کتنے بڑے بڑے مصنفین اور مفکرین پیدا ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، پھر اردو ادب و شاعری کی تاریخ میں علامہ اقبال جیسے شاعر و فلسفی و مبصر و مفکر کو دیکھ لیجئے کہ دنیا ان کے کلام پر سردھن رہی ہے۔

حضرات! آج پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا مخصوص فلچر ختم ہو جائے، علم سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے، اردو سے ناواقف رہیں، اپنے مخصوص عقیدے، دین اسلام، تہذیب سے ان کا واسطہ ختم ہو جائے اس کی پوری تیاری کر لی گئی ہے کہ مسلمان فکری و اعتقادی اور تہذیبی ارتداد میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کا پورا منصوبہ تیار ہے، اے شیخین حیات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان جگہ جگہ مکاتیب و مدارس قائم کریں، محلوں اور مساجد میں صبا حی و شبینہ مکاتیب قائم کیے جائیں۔ یہ امت محمدی ہے، علم اور قلم سے اس کا رشتہ جوڑ دیا گیا ہے، بغیر علم کے مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، قرآن و حدیث علم کے ذریعہ ہمیں جو حقائق بتائے گئے ہیں۔ ان کے جانے بغیر یہ دین نہیں رہ سکتا، بعض مذاہب اور ان کے پیشوا چاہتے ہیں کہ علم پھینک دیا جائے کہ علم میں ان کو اپنی موت نظر آتی ہے اس کی مثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اس واقعہ سے دیا کرتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ ایک بار چھپڑوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مقدمہ دائر کیا کہ ہوا کی وجہ سے ہم کو پریشانی ہوتی ہے اور ہم کہیں ٹھہر نہیں پاتے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہوا کو حاضر کیا جائے۔ جب ہوا دربار میں حاضر کی گئی تو چھپڑاڑ گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ جب تک مدلی نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حال علم کا ہے کہ جب تک علم صحیح نہ ہوگا اس وقت تک یہ

دین باقی نہیں رہے گا۔

ہمارا اور آپ کا بنیادی کام

حضرت! اب ہمارا اور آپ کا بنیادی کام یہ ہے کہ علم دین کو پھیلانے کے لئے یہ مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لئے آئندہ نسلوں کے دین اور عقیدے اور تہذیب اور اسلامی شخص کی حفاظت و رہبر، کیسے بڑے پیمانے پر دینی مکاتب اور مدارس قائم کریں۔ اپنے بچوں کو غر و ایمان کا فرق بتائیں، شرک و بت پرستی کی شناخت ان کے دل و دماغ میں بٹھا دیں اور اس بات کی نہایت حاصل کریں کہ ہمارے بچے آئندہ اسلام پر قائم رہیں گے۔ لہذا حق ہم سمجھوں کہ اپنے دین پر قائم ہو دائم رکھے۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

انسانیت کے زوال کا سبب علم سے اللہ کے نام کا جدا ہونا

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ”انسٹیٹوٹ آف انٹلکچل لوجی جس کی بنیاد حضرت مولانا رحمہ اللہ ہی نے ہاتھوں سے ۱۹۹۳ء میں رکھی گئی تھی اس کی بنیاد میں کمپیوٹر کا افتتاح کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی اس تقریب افتتاح کے موقع پر مہتمم صاحب دار عبوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رفیع الحسنی صاحب ندوی مولانا سعید الرحمن العظمیٰ صاحب صدر شعبہ عربی، کرنل محسن شمس، ڈاکٹر مسعود صاحب عثمانی، ڈاکٹر نعیم نصاریٰ کے مدد و دیگر معززین شہر موجود تھے موضوع کی مناسبت سے تقریر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين ، وعلى آله واصحابه اجمعين ،
ومن تعهم يا حسان ودعى مدعوتهم الى يوم الدين

حضرات! میرے لئے یہ خوشنواں اور مسرت بخش انکشاف ہوا کہ میں اس موقع پر سچ
یہاں حاضر ہوں۔ مجھے بتایا گیا کہ اس سنبھار کے ہاتھوں سے جس ممدارت کی بنیاد رکھی گئی تھی
مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اہم کے بعد یہ بنیاد اتنی بلند ہوگی اور ایسی وسیع ہوگی جو اس وقت
ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، اس وقت میں اپنے عزیز رفقاء اور ساتھیوں کو مبارکباد
دیتا ہوں۔

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس میں جو روح کا مکر رہی ہے وہ حقیقت پسندی، تعمیری

ذہن اور عقلی تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ ہے، علوم کے پیدا ہونے اور پھیلنے اور ترقی اور
 پہنچنے چھوڑنے کے باوجود اس وقت ساری دنیا خطرہ سے دوچار ہے اور وہ خطرہ ایسا ہے کہ
 جس طرح سے توار تک رہی ہو کسی کے سر پر علم انسانی پر آج ساری مالی ترقیت اور
 جدید ترین انشعافات کے باوجود پوری انسانیت جو خطرہ میں ہے اس کا راز یہ ہے کہ خدا
 نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا، خدا کے آخری نبی خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ اپنے اندر تفکر، تدبر، بصیرت دانش
 زیانت اور عظیم ترین صلاحیت رکھتی ہے دنیا کے اخلاقی احساس کا، خدا نے علم کو اسم کے
 ساتھ جوڑا تھا، اور خدا نے جو پہلی آیت نازل کی تھی وہ یہ ہے اقر اسم ربک اللہ
 خلق اس میں سمجھنے، سوچنے اور بصیرت کا بہت بڑا سامنا ہے، خدا نے انسانوں کو یہ سہولت
 عطا کی اور یہ طریقہ عطا کیا کہ وہ اپنی زندگی کی فکر کریں اپنے اہل و عیال کی فکر کریں اپنے
 ماحول کی فکر کریں اور یہ سب اس کی مربوبیت کے سایہ میں ہو وہ رب العالمین ہے اس پر
 یقین کرنا چاہئے، اور اس کا اثر ہم پر ہونا چاہئے، لوگوں کی آسائش کا لوگوں کے امن و امان
 کے ساتھ رہنے کا زندگی سے اطفاف اٹھانے کا ان کو موقع دینا چاہئے۔ پہلی جو آیت نازل
 ہوئی نبی امی بلال امی اور امی میں وہ حکام کے یہاں ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔

اور نبی سے صاف صاف کہا گیا کہ کبھی آپ نے نہ پڑھا اور کبھی آپ نے نہ لکھا، اور
 کہا گیا کہ پڑھو، اقرأ اب جو امت پیدا ہوگی وہ قرأت والی امت ہوگی اور اس کا رشتہ علم
 کے دامن سے باندھ دیا جائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی جا رہی
 ہے جس کو اکثر قوموں نے نظر انداز کیا اور ترقی یافتہ مغرب میں جب سے وہاں بیداری
 شروع ہوئی، اقرأ پڑھو لیکن صرف پڑھنا کام نہیں آئے گا، بلکہ وہ علم بہت تخریبی بن جائے
 گا وہ تخریبی ذہن پیدا کرے گا، اور انسانوں میں خود پرستی پیدا کرے گا، دوست پرستی پیدا
 کرے گا، اور شہوانیت کی طرف لے جائے گا۔ اقرأ پڑھو لیکن خاں اقرأ، پڑھنا کام نہیں

آئے گا، اقرار اسم ربک الذی خلق اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھو، نیا میں اب اتر تاریخ منصفانہ طریقہ پر حقیقت پسند نہ طریقہ پر لکھی جائے اور لکھا جائے کہ دنیا میں انسانیت کا زوال تب سے شروع ہوا تو یہ عنوان قرار دینا ہوگا جب سے علم اور اسم کا رشتہ ٹوٹا جب علم اسم سے آزاد ہوا، اور انسان نے اسم کو بھلاتے ہوئے فراموش کرتے ہوئے انکار کرتے ہوئے بندہ بغاوت کرتے ہوئے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے بھی تو اس کا، لک نہیں اور وہ اس کا منتظم نہیں ہے وہ ریڑ ہے ایڈمنسٹریٹر نہیں ہے کہ یہ تاج محل ہے، دنیا کا شاہجہاں بنا کر رخصت ہوا اور جو انتظامی ڈھانچہ ہے اس کے رحم و کرم پر ہے وہ جو چاہے سوک کرے وہ پچھ نہیں کہہ سکتا یہ دنیا تاج محل نہیں ہے قطب مینار نہیں ہے بندہ یہ خدا کا بنایا ہوا کارخانہ ہے وہ تنہا چلا رہا ہے اس کا کام ہے الا لہ الحلق والامر حکم دینا اور چلانے کا وقت ضرورت تھی کہ ہر کسے اس طرح کے ادارے سرینٹیفک ادارے ٹکنالوجی کے ادارے، ایجوکیشن کے ادارے، انجینئرنگ کے ادارے اسی اسم کے ساتھ وابستہ ہوں اور یہ کام وہی جماعت کر سکتی ہے جس کی بنیاد ہی اس صفت پر پڑی اس کی زندگی اس کی تاریخ ہی سے شروع ہوئی اور امت مسلمہ پیدا ہوئی۔ وحی آسمانی سے اور نبی امی کی رہبری سے اور اس کے پیغام سے اور اسی سے امت کی تاریخ شروع ہوئی ہے اور اس کے مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے کہ علم کو اسم سے برابر جوڑے رہیں، آج یورپ و امریکہ میں جو سانحہ اور المیہ پیش آیا وہ انسانی المیہ ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے دنیا کی، وہ اس کی قیادت کر رہے ہیں، فکری قیادت کر رہے ہیں۔ انھوں نے علم کا رشتہ اسم سے توڑ دیا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے، ضرورت اس کی تھی کہ علم کو اسم کے ساتھ لے کر چلا جائے علم اسم کی رہنمائی میں اسم کے سایہ میں اس کی سرپرستی میں آئے بڑھے اور اسم کی برکت بھی اس کے ساتھ ہو، تب جا کر ہماری ٹکنالوجی اور سائنس کی جتنی شاخیں ہیں اور

جتنے تعمیری کام ہیں، در تعمیری ادارے ہیں اور ہماری دانش گاہیں ہیں ہمارے تحقیق کے مراکز ہیں وہ سب اسی وقت مفید ہوتے ہیں کہ جب اسم کے سایہ میں ہوں وروہ اسم کو نہ بھو میں، اور نہ بھونے دیں، خدا کا شکر ہے کہ اس راستے میں مقامی طور پر یہ ایک قدم اٹھایا گیا ہے لیکن یہ بہت مبارک قدم ہے، میں اپنے عزیزوں و رفیقوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ قدم اٹھایا اور الحمد للہ ترقی کے آثار ہمارے سامنے ہیں میں آپ کے سامنے موقع سے فائدہ اٹھاتا عرض کروں گا، کہ میں علامہ اقبال کے شعر کا پہلہ مصرعہ نہیں بندہ اور امصرعہ پڑھوں۔

مجھے ہے حکم اذالہ الہ لا اللہ

حضرات! مجھے عزت بخشی گئی کہ میں کمپیوٹر سیکشن کا افتتاح کروں۔ میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس سے پہلے کمپیوٹر کا کوئی تجربہ نہیں تھا میں نے پڑھنے والوں کی ہوں کتابوں و رقم سے تعجب ہے میں نے جب انگلی رکھی تو فوراً کچھ نقوش سامنے آئے اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو درحقیقت در خاص طور سے مسلمانوں کو کمپیوٹر ہی بنایا تھا اس میں وہ سب چیزیں موجود تھیں لیکن اس کی ضرورت تھی کہ انگلی رکھی جائے اور وہ چیزیں ابھرتیں اور وہ سامنے آجائیں۔ وہ انگلی پیغمبر کو پہننے والوں کی انگلی اپنے اپنے زمانے میں اور زمانے کے تقاضے کی انگلی جو قوم و ملت کی ضرورت کی انگلی ہے وہ بھی انگلی ہے اور وہ ایسی انگلی ہے جس نے قوم کو رخ دیا ہے و قوموں کو منزل تک پہنچایا ہے وہ انگلی رکھی جائے اور نقوش ابھر کر سامنے آجائیں۔ افسوس ہے کہ انسان تو انسان خود مسلمان کمپیوٹر نہیں رہا، اس مسلمان میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہی اس کے اندر اس کا شعور بھی باقی نہ رہا کہ ہم کس چیز پر مامور ہیں، ہمیں کیا چیز پلائی گئی ہے ہمارے اندر کیا چیز سرایت کر گئی ہے، ہمارے اندر وہ تاریکی نئی ہے۔ جو ہمارے دماغ و رہارے ذہن کا ایک جز بن گئی ہے، عقیدہ تو

عقیدہ ہمارے فہم کا ایک جز بن گئی ہے، جب اس پر اشارہ کیا جائے، جب اس کی تحریک پیدا ہو ہمیں اپنے اندر کے خزانے کو فوراً باہر نہا چاہئے۔ آج جو کام کمپیوٹر کر رہا ہے یہ کام مسلمانوں کو کرنا چاہئے تھا، کہ جس وقت امر الہی ہو اور جس وقت شرعی حکم نہایا جائے اور جس وقت ملت کی ضرورت کا اظہار کیا جائے اور جس وقت خود اپکارے اور ہمیں جیسا کہ بعض عزیزوں و رفیقوں نے اس کا اظہار کیا اپنی تقریروں میں یا جس کی ملت خود ضرورت پیش کر رہی ہے اور فریاد کر رہی ہے سین افسوس ہے کہ وہ انگلی نہیں اٹھتی جو کمپیوٹر پر گئے، اور اگر وہ انگلی نہیں اٹھتی تو وہ کمپیوٹر کام نہیں کر رہا ہے اور وہ چیز وہاں نہیں نکلتی ہے جس کی آج ضرورت ہے اور اس طرح کے ادارے جیسے کہ یہ ادارہ ہے اور یہ ادارہ جس شعور کے ساتھ اور اس عہد معاندہ کے ساتھ اور عزم و ارادے کے ساتھ اور اس فیصلہ و عملان کے ساتھ یہ ادارے قائم ہوں کہ ہم صرف فن نہیں سکھائیں گے۔ خدشاہی بھی سکھائیں گے اور جو ہم علم دیں گے خدشاہی معرفت اور اس کے وجود کے اقرار کے ساتھ اس کے خالق کائنات اور قادر مطلق ہونے اور اسی کو راضی کرنے کا سب سے ضروری کام سمجھنا اور اس کے پیغمبروں نے پیغام سے حتمہ نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی روشنی میں اس کو جوڑ کر وہ عمادیں گے، آج دنیا میں کسی چیز کی کمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ میں اور یورپ کے بعض دیگر ملکوں میں سارے وسائل ہونے کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے، انسانوں کی خدمت نہیں ہو رہی ہے اور وہ حفاظت کا سامان نہیں ہے بلکہ خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔

میں نے واشنگٹن میں ایک تقریر میں کہا تھا، میں پہلے سے تیار نہ تھا اور وہاں برابر دورے ہو رہے تھے۔ یونیورسٹیوں میں تو میں نے سوچا کہ قاری صاحب جب آیتیں پڑھیں گے اس دن اسلامی سینٹر میں میری تقریر تھی، واشنگٹن ای سی میں تو میں نے کہا کہ قاری صاحب کی تلاوت سے مضمون حاصل کروں گا اور پیش کروں گا قاری صاحب

نے سورہ بقرہ کی آیت پڑھی جس میں ایک باغ وے سے ایک ساتھی نے کہا:

وَلَوْ لَا اَدْخَلْتَ حَتَّكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اس نے کہا تھا یہ میرا باغ ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور بڑے فخر سے کہا تھا اور بڑا غرور یہ تھا تو اس کے مؤمن صادقہ بایمان دوست نے کہا کہ میرے بھائی بہتر تو یہ ہوتا کہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوتے تو یہ کہتے۔ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے سب اللہ کا دیا ہوا ہے، میں نے کہا امریکہ میں سب کچھ ہے لیکن مَا شَاءَ اللّٰهُ یاد دہانے والا نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے آج امریکہ سب کچھ کرتا ہے، احسان بھی کرتا ہے لیکن اس کا شکر ادا نہیں ادا ہوتا، اس کا جواب نہیں ملتا۔ اور پھر وہ نتائج نہیں ظاہر ہو رہے ہیں جو دنیا کے امن، امان کی نظر میں رفوہ عام کی شکل میں اور ایک دوسرے پر اعتماد اور عزت کرنے کی شکل میں ہونا چاہئے اس لئے کہ اس کے ساتھ خلوص نہیں ہے اس میں ایمان کی وہ چنگاری نہیں ہے وہ ایمان کا محرک نہیں ہے۔

ہم نے ہجرت مریدہ میں سب نعمتیں موجود ہیں اور ہر طرح کی راحت کے سامان موجود ہیں، لیکن حقیقت میں وہ راحت حاصل نہیں جو ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ مَا شَاءَ اللّٰهُ نہیں ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ ادارے قائم ہوں لیکن مَا شَاءَ اللّٰهُ کے سامنے میں، اسم الہی کے سایہ میں قائم ہوں۔ علم و اسم کی چلیں، میں آج صاف کہتا ہوں اگرچہ یہ محدود مجلس ہے اپنے دوستوں اور رفقاء کی یہ بات دنیا کے بہت بڑے وسیع ترین اور بلند ترین پیٹ فارم پر کہنے کی ہے کہ جب تک علم و اسم ساتھ نہیں ہوں گے اس کا پھر جو نہیں ہوگا اس کا رشتہ علم و اسم کے سایہ میں نہیں ہوگا اس وقت دنیا تخریب کی طرف جائے گی، اور بدلتی کی طرف جائے گی، اور خود کشی کرے گی، اور وہ امن و امان رفوہ عام اور وہ باجمی اعتماد و نیک کاموں میں دوسرے کا ساتھ دینا، یہ بات حاصل نہیں ہوگی، خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ الحمد للہ یہ ادارہ اسی بنیاد پر قائم ہے، مجھے امید ہے کہ اسی بنیاد پر قائم رہے گا۔ یہ دین کے سامنے میں دینی مقصد

کے سہائے میں اور انسانی ہمدردی کے سہائے میں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو ذمہ داری ڈالی ہے جس منصب سے انھیں سرفراز کیا ہے اس کے شعور و احساس کے ساتھ یہ ادارہ چلے گا اور ایسے اداروں کی آج ضرورت ہے میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ایسے اداروں کا قیام جا بجا ہو اور وہ ترقی کریں اور مسلمان صرف صنعتی ادارے ہی نہیں بلکہ جیسے کہ ہمارے فاضل دوستوں نے کہا کہ یہ دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں سے لے کر پرائمری اسکولوں تک بلکہ ابتدائی مکاتب تک اسم الہی ضرور موجود ہو، اور اسم الہی کی روشنی اور اسم الہی کی رہنمائی ہو، اسم الہی کا ادب ہو، اسم الہی کا احترام ہی نہیں بلکہ اس کے سایے میں اس کی رہنمائی حاصل کر کے کام ہو، اس کے نہ ہونے ہی سے تمام علوم ترقی کرنے اور پھیلنے کے باوجود دنیا کو وہ امن و سکون نہیں حاصل ہو رہا ہے اور ان علوم سے وہ منفع نہیں حاصل ہو رہے ہیں جو ہونے چاہئے تھے۔ اس لئے کہ ان کا رشتہ مذہب سے ٹوٹا ہوا ہے، بس میں اس پر ختم کرتا ہوں اور جو آپ نے اعزاز بخش اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ادارہ کو قائم و دائم رکھے اور ترقی عطا فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

موجودہ دور کے بے چین ذہنوں کو مطمئن کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری

حضرت مولانا سید ہاشم علی ندوی رحمہ اللہ نے یہ فکر انگیز، چشم کشا اور رہنما تقریر
معموں کے مطابق، راجھوم کے تعلیمی سال کے آغاز میں ہونا چاہیے تھی، لیکن رمضان
المبارک کے بعد ہی پاکستان، ترکی، لندن، لجزائر اور حجہ المقدس کے سفر پیش آئے،
پھر اندرون ملک مسلم پرسنل لا بورڈ کے بدوں میں شرکت کی مصروفیت نے اس کا
موقع نہ دیا۔ اپنے فرزندین عزیز نے ذہاب رہیں۔ لیکن اس حوالہ میں مولانا رحمہ
اللہ راجھوم کے غیر حاضر نہیں رہے، بلکہ اس کے اعلیٰ اور وسیع مقاصد کے سر پر
مبارک رب۔ اس قدر یقینیت اپنے ہر کے جواز اور محاسبہ ہی نہیں، بلکہ یہ ایک
تاریخی راہ کی حقیقت ہے۔

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على
سيد الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه
اجمعين، ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى
يوم الدين. اما بعد!

میرے عزیز! دنیا کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ محفوظ ہے، اور قابل اعتبار ہے۔ لیکن
اس محفوظ تاریخ سے بھی بہت پہلے کی جو تاریخ محفوظ نہیں ہے اور قابل اعتبار بھی نہیں ہے۔ اگر
وہ تاریخ محفوظ ہوتی، اور اس میں نبوتوں کی تاریخ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا یا سب
سمانی صحیفے جو اپنے اپنے وقت پر نازل ہوئے وہ سب بے کم و کاست محفوظ ہوتے۔ ان
صحیفوں کے نزول کا پس منظر اور ان کے حوالین نے صحیفوں کی روشنی اور ان کی مدد سے

پنے زمانہ کی انسانی سلوں کو خدا سے جس طرح مربوط کیا انہیں دین سے آشنا کر کے صحیح زندگی پر لگایا، اور یہ محفوظ ہوتا۔ تو یہ ثابت کیا جاسکتا تھا کہ ہر زمانہ میں مبعوث ہونے والے نبی، اس کی نبوت، اس کے پیغمبر، دائرہ کار، اس کی ذمہ داریوں اور اس زمانہ کی ضرورتوں اور نسل انسانی کی کمزوریوں، طرز فکر اور ان کی زندگی کے ان مراتب میں جس کے ذریعہ سے عجمی و غملی، اعتقادی و اخلاقی بے راہ روی اور ضدات میں داخل ہوتی تھیں، خاص ربط و مناسبت تھی۔

ہمارے پاس اس وقت جو محفوظ اور قابل اعتماد تاریخی ذخیرہ اور ریکارڈ ہے، قرآن مجید سے ہمیں جو رہنمائی اور اشارے ملتے ہیں۔ اس سے ہمارے اس دھوکے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور اس کے چند نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس وقت کی پوری انسانیت توحید کے مفہوم سے نا آشنا ہوئی تھی اور پست ترین بت پرستی میں مبتلا تھی۔ شرف انسانی اور مسودات انسانی کا تخیل، ان کے ذہن سے بالکل فراموش ہو چکا تھا۔ بت پرستی کے ساتھ محبت و مشق کا عملی تعلق ختم ہو چکا تھا، اور فحاشیت و فحاشی اور اس کو ہر چیز پر ترجیح دینے کا تعلق بھی باقی نہیں رہا تھا۔

عزیزو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت سے جو دور شروع ہوا۔ وہ تقریباً اس وقت تک ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک حد فاصل ہے پچھلے دور کے اور میں، اور جدید کے میں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ انیا میں دو جو متواتر سلسلے ہیں اگر اس کے لئے عنان تلاش کریں تو دو عنوان ملتے ہیں۔ ایک ابراہیمیت کا دوسرے برہمیت، میں نے برہمیت میں "نون" کو قصداً شامل نہیں کیا، کہ ان لوگوں کو خطہ فہمی ہوں، اور میرا مفہوم ابراہیمیت ہے، اور اس کا تعلق کی ناص ملک و نسل اور خاص طبقہ سے سمجھا جائے گا اور دو متواتر سلسلے (ابراہیمیت اور برہمیت) ہزاروں برس سے چل رہے ہیں، ایک میں خاص توحید

ہے۔ جس میں انسانی شرف کا اعلیٰ وہ اور تجرید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور فرائیت کا تعلق ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں توحید کا بار بار تذکرہ ہے۔ پورے پورے رکوع خاصا سورہ ابراہیم کے آخری رکوع کی آیت میں، توحید خاص اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر معمولی تعلق، محبت، عشق، فرائیت، فرشتگی اور جاں سپاری کا ذکر ہے جس کا ایک ثبوت حضرت ابراہیم کے عزیز فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گلے پر پھیری پھرنے سے ملتا ہے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی:

يَا اِسْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَقْتُ الرَّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي

الْمُحْسِنِيْنَ ۝

یہ خصوصیات دین ابراہیمی کی ہیں، یہ مزان ابراہیمی اور دعوت ابراہیمی کی خصوصیات ہیں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا زمانہ آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ سطنتوں اور صنعت انسانی کی ترقی کا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف میں خاص طور سے ملک سلیمان کا ذکر کیا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ فُلْكَ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ اَوْر

سَخَّرْنَا لَهٗ الرِّيحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ زُخَاۗءَ حَيْثُ اَصَابَ .

اس کے بعد جنوں کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں ان کے لئے لوہے کو نرم کرنے کے سلسلے میں وَالسَّالٰهُ الْحَدِيْدُ کا تذکرہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دور صنعتوں کی وسعت و پھیلاؤ اور ترقی کا دور ہے اس کی تنظیم کا دور ہے۔ اس کے بعد ہمارے سامنے یونان کا دور آتا ہے۔ جو فلسفہ، بعد الطبعیات، ریاضیات اور طب کی ترقی کا دور کہلاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور اور ان کی پیدائش عین یونانی علوم کے

ارتقاء کے دور میں ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ہم خاص طور سے دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے ہیں، مریضوں کو شفا دیتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحی اور ان کے لئے مائدے کے نزول کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے معجزات کا کثرت سے ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوتا ہے، غرض کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو ماحول تھا۔ ان میں اور حضرت عیسیٰ کے معجزات میں بڑی مناسبت پائی جاتی تھی۔ لیکن خدمت الہی نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس دور کا انتخاب کیا ہے۔ وہ دور ہے انسانی ترقی کی وسعت تنوع کا۔ زندگی کی وسعت لطافت، تنوع، پیچیدگی، انسانی ضروریات کا اور علوم و فنون سے انسانوں کے خاص شغف کا دور ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قیامت تک آپ کی تعلیمات کو باقی رہنا تھا۔ اس لئے انسانی زندگی اور انسانی نسل کو اپنے اندر تمام ودیعت شدہ صلاحیتوں، توانائیوں اور کامیابیوں کا گویا ترش خانہ بر دینا تھا اور اس کے لئے اپنے پورے جوہر دکھانے تھے۔ اب اس کے بعد سوائے قیامت کے کوئی دور آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے انسان کو اپنی ذہانت، اپنے امکانات، اپنے یافت و دریافت کے امکانات اور وسعتوں کا پورا اظہار کرنا تھا۔ اس لئے کہ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، اور نہ کوئی امت پیدا ہونے والی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی کتاب آپ کو عطا فرمائی، جو ایک طرف تو ادب و بیان کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ جس کا جواب کوئی انسان نہیں دے سکتا، حالانکہ عرب ادب و شاعری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ دوسری طرف قرآن مجید کے اندر علم کی وسعت کے لئے ایسے امکانات رکھے گئے ہیں اور ایسے اشارے کئے گئے ہیں کہ جب کبھی بھی علم انسانی کی تحقیقات، خواہ کسی میدان کے ہوں، اپنی انتہا کو پہنچیں تو قرآن مجید نہ صرف اس کے امکانات کو ثابت کرتا ہے بلکہ گویا وہ ان کے حقوق کو بتاتا ہے۔ چنانچہ:

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ اور رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا

کے ذریعہ علم کی جو عظمت و وسعت اور اس کے الامجد و وہ ہونے کو بیان کیا گیا ہے، وہ صرف قرآن مجید ہی میں ملتا ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ اس امت کا، من علم سے باندھ دیا گیا ہے، یعنی یہ امت علم اور عقل انسانی کے قفلے سے تفلر و تدبر کا مہر، تصنیف و تالیف کے کام سے بھی بے تعلق نہیں ہو سکتی۔ یہ تقدیر انہی کا فیصلہ تھا کہ اس امت کا سفر، اس کی سر زمین اور اس کا ذوق و رجحان اور اس کی کامیابیوں علم کے دامن سے وابستہ رہیں گی۔

حضرت اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی۔ اس کی ابتدا، اقرء، کے لفظ سے ہوتی ہے۔ اگر دنیا کے بڑے عقلاء کو بٹھا کر یہ سوال کیا جائے کہ آسمان کا رشتہ زمین سے پانچ سو برس کے بعد قائم ہونے والا ہے اور انسانوں کو ایسا ہیچو کیا جانے والا ہے، یہ بتائیے کہ وہ پیغمبر کس لفظ سے شروع ہو سکتے ہیں۔ دعوت سے۔ تو جواب دیتے ہوں کہ سب کے ذہن میں مختلف افکار آتے تھے۔ کوئی کہتا کہ اپنے آپ کو پہچانو اس لئے کہ اس وقت لسی معرفت ناپید ہو چکی تھی۔ کوئی کہتا "اعبد ربک" اپنے رب کی عبادت کرو، کیونکہ صحیح عبادت نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی کہتا "ربک" شاید کوئی بھی یہ نہ کہتا کہ اقرء، کے لفظ سے وحی شروع ہوئی۔ اس لئے کہ جس پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وہ نبی تھا جس امت میں وہ مبعوث ہوئے۔ تھے وہ نبی تھے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ،

جس کو یہودی امی کہتے تھے، اور جس ملک میں اس کو مبعوث ہونا تھا، وہ امی تھا۔ جس شہر میں وہ نازل ہو رہی تھی۔ انھوں نے اسے شاید سارے ملک میں (وہ چار اہل قلم مل سکتے تھے) پڑھ لکھے انسانوں کے لئے دنیا میں بہت سے لفظ ہیں۔ عرب کاتب کا لفظ ہوا۔ رتے تھے۔ گویا سب سے بڑا امتیاز جو اس ملک کا سمجھا جاتا تھا وہ قلم سے کام لینا تھا۔

وہاں تحریر سب سے زیادہ مشکل چیز سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اندر علم کو قبول کرنے اور اس کے تقاضوں کے پورا کرنے کی جو غیر معمولی صلاحیت رکھی ہے اور اس امت اور علم کے درمیان جو رشتہ اس نے رکھا ہے اسے ہم مقناطیس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی لئے ہر دور میں اس امت کا علم سے رشتہ باقی رہا ہے اور اسی لئے ہر دور میں نئے شہسواروں، نئے ماہر فن اور جنیس انسانوں کو یہ امت پیدا کرتی رہی ہے اور اس میدان میں کامیابی حاصل کرنے کا موقع دیتی رہی ہے۔ اگر کوئی ایسا انقلاب نہیں آتا۔ جس میں صلاحیتیں بالکل مسخ ہو جائیں اور انسانی ذہن معطل ہو کر رہ جائے اور کام چھوڑ دے۔

جب تک علم کا سفر جاری رہے گا مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، خواہ ان کا تعلق تمدنی، علمی، معاشرتی اور سائنسی اور اقتصادی امور سے ہی ہو۔ مذہب کی روشنی میں ان مسائل کو برابر حل کیا جاتا رہے گا۔ مثال میں ہم صحابہ کرام، ائمہ اربع اور امت کے دیگر مجتہدین کو پیش کر سکتے ہیں اور یہ محض اتفاقی بات نہیں کہی جاسکتی، صحابہ کرام میں ایسے ذہین اور جنیس انسان تھے کہ انہوں نے روم و ایران جیسی ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کا مقابلہ کرنے میں ایسی صلاحیت کا ثبوت دیا جس کی نظیر کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ اس طرح ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل جیسے جنیس قانون ساز تھے کہ انھوں نے زندگی اور دین کے رہنما اصولوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے میں ایسی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت دیا کہ اس پورے عہد میں یہ صلاحیت نہ رومیوں میں تھی نہ ایرانیوں میں اور نہ یونانیوں میں تھی نہ کسی اور قوم میں۔ یہ لوگ اپنے زمانے کے جنیس ترین انسان تھے اور ان کے کارنامے صدیوں پر محیط ہیں۔ ان کے کارنامے کی صحیح عظمت و اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ آج آسانی سے نہیں لگایا جاسکتا ہے، کوئی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ جب یونانی علوم عربی میں منتقل ہوئے تو علمی حلقوں پر کتنا غیر معمولی بھر پور

اور کس طرح لوگ ان کے سامنے مبہوت اور ششدر رہتے تھے اور کس طرح فیشن کے طور پر لوگ باتیں کرنا اور ان کی نقل کرنا فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے امام ابو الحسن اشعری، سید عبد القادر جیلانی، امام غزالی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ معین الدین چشتی، حضرت شاہ ولی اللہ اور دیگر جنس شخصیتوں کو اپنے اپنے وقت پر پیدا کیا، جنہوں نے زمانہ کا رخ پھیر دیا۔ خطرات کا انہوں نے پوری جرأت سے مقابلہ کیا، نوجوان نسلوں کے دل و دماغ کو شکوک و شبہات سے پاک کر کے ایمان و یقین کی بنیادیں از سر نو فراہم کیں۔ بالکل یہی مرعوبیت ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی تہذیب اور جدید سائنس کے بارے میں تھی اور کس طرح لوگ یورپ کی سائنس اور ٹیکنالوجی پر ایمان لاتے تھے اور اس سے ایسے مبہوت ہوتے تھے کہ امر چہ دین کا صاف انکار نہیں کرتے تھے لیکن کشمکش میں ضرور مبتلا ہو گئے تھے۔ اس زمانہ کے راسخ العقیدہ خاندانوں کے مشائخ اور صالحین کا حال یہ تھا کہ اگر ان کے والدین کی سرپرستی اور بزرگوں کی صحبت ان کو نہ ملی ہوتی، اور ان کے آغوش میں انہوں نے تربیت نہ حاصل کی ہوتی تو ذہنی و اعتقادی ارتداد عام ہوتا اور پورا ہندوستان اس کا شکار ہو جاتا۔

اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ مبین وقت پر دستگیری نہ فرماتا تو نہ معلوم اس ملک کے مسلمانوں کا کیا حال ہوتا اور یہ صرف ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جب بھی اسلامی تاریخ کے طویل دور میں اس طرح کے حالات پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے ہر وقت ایسے افراد پیدا کئے، جنہوں نے اس امت کا رشتہ دین سے باقی رکھا، اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہنا چاہئے۔

ہمارا یہ فرض ہے کہ اس مہم کو جاری رکھیں، ہم یہ بات اپنے عزیز طلباء سے کہنا چاہتے ہیں۔ کسی جماعت میں کسی بڑے عالم و مصنف کا اور مفکر کا پیدا ہو جانا کافی نہیں ہوتا، ادارے یہاں تک کہ ادیان و مذاہب بھی تاریخ سے نہیں چلتے، بلکہ وہ تحریک اور تسلسل

سے چلتے ہیں، کوئی دینی تحریک کوئی بڑا مفکر پیدا کر دے، بلند قیامت اور دیوپیکر مصنف پیدا کر دے۔ تنہا یہ کافی نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب کبھی اپنی جماعت کے کارناموں پر فخر کرنے کی کمزوری پیدا ہو جائے تو پھر قوائے فکر یہ میں تعطل ہو جاتا ہے اور اضمحلال پیدا ہونے لگتا ہے۔ ایک عرب شاعر نے بڑے لطیف انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:

الہی بنی تغلب عن کل مکرمۃ

قصیدۃ قالہا عمرو بن کلثوم

بنو تغلب کو ہر قسم کے مردانہ کارناموں اور کسی بڑی فتح کے حاصل کرنے اور کسی بڑے اقدام سے صرف ایک بات نے روک رکھا ہے وہ یہ کہ یہ لوگ صرف عمرو بن کلثوم کا قصیدہ پڑھتے اور سر دھنتے رہتے ہیں، یہ مرض جماعتوں میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اداروں میں بھی کہ وہ جماعتیں ان کے لئے سرمایہ فخر، بانی جماعت یا اس جماعت کے کسی نامور فرد کی تصنیفات، تحقیقات اور اس کی ذہنی بلندی ان کے لئے سرمایہ فخر بن جاتی ہے، لیکن اس سے کام نہیں چلتا۔ جماعت ہو، کوئی ادارہ ہو یا مدرسہ، بلکہ اس سے باہر نکل کر کہتے ہوں کہ امت اسلامیہ کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے اپنے دور میں غزالی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کو پیدا کیا، اور ہم نے فلاں فلاں، شہر بسائے، سمرقند و بخارا اور غرناطہ اشبیلیہ اور دہلی ہم نے بسائے۔ بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں، اور اپنے اپنے دور کی ذہنی و اعتقادی بے چینیوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ ان کے اسباب و محرکات تلاش کریں، دینی حقائق اور اصول و تعلیمات اور زندگی کے واقعات اور زندگی کے عملی مسائل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہر دور میں اسلامی قانون کی برتری کو ثابت کریں۔

علامہ اقبال نے ایک خطہ میں لکھا ہے کہ اس دور کا سب سے بڑا مجدد وہ ہے کہ :

اسلامی قوانین کی برتری دوسرے قوانین کے مقابلہ میں ثابت کرے، علامہ اقبال نے جو بات آج سے ساٹھ برس پہلے کہی تھی۔ وہ آج کے زمانہ میں ایک عملی حقیقت بن گئی ہے۔ آج ہمارے سامنے جو سب سے بڑا چیلنج ہے اور ہم لوگ اس کے نئے جدوجہد کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت خصوصاً عائلی قوانین کی معقولیت، افراد اور خاندانوں کے حقوق کی ضمانت کے لئے اس کا سب سے بہتر ہونا ثابت کریں۔

ہم اپنے عزیز طلباء سے یہ کہیں گے کہ وہ مطالعہ و محنت سے علوم پر ماہرانہ دسترس حاصل کریں پھر جدید مسائل سے واقف ہوں۔ اور ان کا دین کی روشنی میں حل پیش کریں۔ دینی علوم میں اتفاق و گہرائی اور جدید علوم سے واقفیت اور اس کے بارے میں لچک اور نرمی کا موقف ان دونوں کو جمع کرنا ضروری ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کو فخر ہے کہ اس کا انتساب مولانا سید محمد علی مونگیری جیسے، بالغ النظر اور روشن ضمیر اور میرۃ النبی کے مصنف علامہ شبلی جیسے متکلم وقت، مؤرخ زمانہ اور سیرت نگار یگانہ اور ادیب سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج تک علمی و دینی مسائل پر قلم اٹھانے اور ان کو سنجیدہ و مؤثر طریقہ سے پیش کرنے کے لئے کم سے کم میرے علم میں علامہ شبلی کے اسلوب سے بہتر کوئی اور اسلوب نہیں۔ ان ہی کے نقش قدم پر سید سلیمان ندوی، عبد السلام ندوی اور دوسرے تربیت یافتہ حضرات ہوئے۔ جنہوں نے اپنے اپنے وقت پر اس سلسلہ کو جاری رکھا، لیکن یہ تنہا کافی نہیں اور آپ جب اصلاح کا جلسہ کریں تو مجبور ہوں کہ ان ہی حضرات کا نام میں اور اس فہرست میں اضافہ نہ ہو۔ یہ اس ادارے کے زوال اور اضمحلال کی دیسی ہے اور یہ پوری امت کے لئے خطرہ ہے یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کسی دائرے میں اس معیار کے لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں جو مطلوب ہیں، بعض پڑوسی اسلامی ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بھی یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ وہاں بھی اب ایسی علمی و فکری قیود

موجود نہیں جو اس نوجوان نسل کی تشفی کا سامان فراہم کر سکے جو براہ راست یورپ سے پڑھ کر آ رہی ہے کوئی ایسا رسالہ نہیں جس میں جدید تمدنی مسائل کا دین کی روشنی میں حل پیش کیا جاتا ہو۔ زبان و علم اور تحقیق کا معیار گر گیا ہے۔ ہر رسالہ اپنی جماعت اور اپنے مسلک اور مخصوص سلسلہ کے بارے میں مضامین شائع کرتا ہے۔ اگر کوئی تنظیم یا جماعت ہے تو وہ موجودہ حکومت سے بے اطمینانی ظاہر کرنے اور محدود جماعتی و گروہی اور سیاسی مفاد حل کرنے کے لئے تگ و دو کر رہی ہے۔ یہ صورتحال بڑی خطرناک ہے کہ علماء جن کا کام ہی یہ تھا کہ نوجوان نسلوں کا اعتماد اسلام پر بحال کریں۔

اسلام کی حقانیت اور اس کی ابدیت و صلاحیت کو ثابت کریں اور زندگی کے تمام مسائل میں اس کی افادیت کو ثابت کریں۔ وہ ذاتی و سیاسی مفاد میں الجھ جائیں۔ اگر اس امت میں بڑے بڑے صالحین اور اتقیا اور دین پر جان دینے والے موجود ہوں۔ جب بھی یہ ضرورت باقی رہے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

یہ تقریر نجمین تعلیمات دین ضلع گورکھپور کے زیر اہتمام مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء کو بمقام اسلامیہ کانگورکھپور ایک بڑے جلسہ میں کی گئی۔ اس موقع پر دینی تعلیمی کونسل کے سکریٹری جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ناظم مولانا محمود الحسن صاحب کے علاوہ دین و طبقاتی یک کثیر تعداد شریک تھی۔ حضرت مولانا نے قرآن پاک کے حوالے سے مسلمانوں کو بتایا کہ ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کے جسم سے زیادہ اس کے ایمان کے لئے فکر مند ہو چنانچہ مسلمانوں نے اسلام کو اپنی آئندہ نسوں تک پہنچانے اور اسے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ بڑی سے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين، ومن
تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين. اما بعد
فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن
الرحيم. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ
لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل و
عیال کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

اور جس پر تند خواہ اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔“

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے جو اس سے پہلے بارہا آپ کے سامنے پڑھی گئی ہوگی، اور قرآن شریف کی تلاوت میں آپ کی نظر سے گزری ہوگی لیکن ضروری نہیں ہے کہ جو چیز بار بار نظر کے سامنے آئے اس پر آدمی غور بھی کرے، آپ سڑکوں پر سے گزرتے ہیں، سائن بورڈ برسوں سے لگے ہوئے ہیں، آپ کی نظر بھی پڑتی ہے، لیکن آپ خود سوچئے کہ آپ نے کتنی بار غور سے پڑھا اور آپ کو یاد رہا، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ جس سڑک سے گزر کر آتے ہیں، اس میں اہم اہم سائن بورڈ کس چیز کے ہیں تو کم لوگ بتا سکیں گے۔

آیت بڑی چونکا دینے والی ہے اور ایسی ہے کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہو کہ بار بار جو چیز سامنے ہوتی ہے اس پر توجہ ہٹ جاتی ہے، وہ روزمرہ کی چیزوں سے سمجھی جانے لگتی ہے تو میں عرض کرتا اور اصرار کرتا کہ یہ آیت جلی حروف سے لکھوا کر دیواروں پر لگوا دی جائے۔ مسجدوں میں بھی آویزاں کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ ”اٰمَنُوْا“ ماضی کا صیغہ ہے۔ ہر لفظ پر غور کیجئے، قرآن مجید کا کوئی لفظ اتنی یا بھرتی کا نہیں ہوتا، یہ کوئی شاعری نہیں ”اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ“ کہا جاسکتا تھا۔ ”اَیُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ“ کہا جاسکتا تھا۔ اے مسلمانو! اے جماعت مومنین! لیکن فرمایا: ”یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا“ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو ”قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِکُمْ نَارًا وَّقُوْذِ النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ“ بچاؤ اپنی جانوں کو، اپنے گھروالوں کو، اپنے متعقیقین کو، اپنے ماتحتوں کو آگ سے جس کا ایندھن ہے انسان اور پتھر۔“ اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے، وہ صحابہؓ تھے، جو قرآن

مجید کے نزول کے وقت موجود تھے، وہ اولین مخی طبع تھے، یوں قیامت تک کی تمام نسلیں
 ورجو بھی پیدا ہوا اور اپنے کو مسلمان کہے وہ سب مخاطب ہیں، لیکن پہلے مخی طبع اس کے وہ
 وگ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ
 دیا تھا، جن کو شرف صحیبت حاصل تھا اور اس میں یقیناً وہ وگ بھی تھے جو بیعت رضوان
 میں شریک رہے ہوں گے۔ جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے چان دینے پر بیعت
 کی تھی اور جن کے متعلق ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ
 الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ
 وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِينًا ۝

(سورہ الفتح، ۱۸)

ترجمہ: ”اے (پیغمبر) جب مؤمن تم سے درخت کے نیچے
 بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و
 خصوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی
 نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔“

جن کو یہ انعام ملا تھا اور جن کو قیامت تک کے لئے سند دی گئی ہے کہ اللہ ان سے
 راضی ہوا، ایسے سند یافتہ اور بلند مرتبہ لوگ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں جو بیعت رضوان
 میں شریک ہوئے تھے اور عشرہ مبشرہ بھی اس میں یقیناً شامل ہیں اور کبار صحابہ بھی اس میں
 شامل ہیں، اور بدر اور احد کے ”زندہ شہید“ بھی مخاطب ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر اپنے لڑکوں کو اپنے
 گھر والوں کو آگ میں جھونکتا ہے، آگ میں گھسنے دیتا ہے؟ اس کا کیا مطلب کہ اللہ کہتا
 ہے کہ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اپنے

گھر والوں کو بچاؤ۔ دوزخ کی آگ سے، کیا کوئی واقعہ آپ نے سیرت میں ایسا پڑھا ہے کہ صحابہ کرام نے (معاذ اللہ) ارادہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو آگ کے حوالہ کر دیں۔ یا بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور صحابہ کرام اور اس وقت کے مسلمان خاموش بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے، اور اس صورت حال پر راضی تھے، کیا ایسا کوئی واقعہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ تو کیا بے ضرورت یہ بات بھی گئی ہے کہ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ کون سی آگ تھی، اور کب یہ واقعہ پیش آیا تھا، یا پیش آنے والا تھا کہ مسلمانوں کے گھروں کے بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے، اور ماں باپ سو رہے تھے، فکر نہیں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت وحی نازل کی، سب چونک گئے اور سب اپنے بچوں کی فکر میں لگ گئے کہ آگ میں چھلانگ نہ لگائیں، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟

کیا اس آیت کا مطلب اس کے سوا کچھ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچوں کو اپنے گھر والوں کو ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ تک لے جانے والی ہیں جن کا انجام یہ ہونے والا ہے کہ دوزخ میں جائیں، ورنہ وہ کون سے انسان ہیں جو اپنے بچوں کو آگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں اور ان کو روک نہ لیں؟ خطرہ صرف اس بات کا ہے کہ آدمی یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے نتیجہ میں جلنا ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے اسباب سے بچو جو دوزخ کی آگ تک پہنچانے والے ہیں۔ اس کو فقہ کی زبان میں ”اسباب مؤدیہ“ کہتے ہیں، یعنی وہ اسباب جو کسی نتیجہ تک پہنچانے والے ہوں، فقہاء کے نزدیک وہ بھی نتائج کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ایسی دوا دے رہا ہے جس کے نتیجہ میں موت ہوتی ہے چاہے وہ دیر سے ہو، یہ عمل قتل ہی کے مترادف ہے، اس لئے کہ اس نے وہ سبب اختیار کیا جس کے نتیجہ میں موت کا آنا یقینی ہے تو قانون بھی اس کو قاتل کہے گا، حکیم صاحبان بھی اس کو قاتل ہی سمجھیں گے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ

تک پہنچ دینے والی ہیں۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صورت حال اس وقت یہی ہے، بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام نہ کرنا بچوں کو اس ماحول کے بائبل حوالہ کر دینا اور ان کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا جو اس بات کا نہ مکلف ہے نہ اس بات کا مدعی، نہ اس بات کا اہل کہ وہ بچوں کو وہ تعلیم دے گا جس پر نجات موقوف ہے۔ پیغمبروں کی لائی ہوئی وہ تعلیم جس سے ناواقفیت کے نتیجہ میں ایمان کا خطرہ ہے۔ آخرت کی ہدایت ہے، تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس بات کو بچے کے سئے کیسے سوار کیا جا رہا ہے؟ موجودہ تعلیمی نظام صرف لادینی (SECULAR) ہی نہیں وہ یک مثبت و معین نظام تعلیم (SYSTEM OF EDUCATION HINDU) ہے۔ ہندو یوگ لا اس میں شامل ہے، انگریزوں کے زمانہ میں تعلیم سیکور تھی، بی، کتے کے قصے ہوتے تھے اور ہم میں سے بہت سے لوگوں نے انگریزوں کے عہد حکومت میں انگریزی پڑھی ہے، اس وقت زبان سکھانے والی ابتدائی کتابوں سے نہ کسی کے عقیدہ پر اثر پڑتا تھا، نہ کسی مخلوق کا تقدس پیدا ہوتا تھا اور نہ اس کائنات میں کسی مخلوق کا تصرف و اختیار معلوم ہوتا تھا، اس وقت بھیڑیے، چیتے، بندر اور لومڑی اور بئی کتے کے قصے بچے پڑھتے تھے، ویسے کے ویسے ہی گھر آتے تھے جیسے جاتے تھے لیکن اب صورت حال یہ نہیں ہے، سرکاری نصابی کتابوں میں عقیدہ پر اثر ڈالنے والے اسباب، قصے کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں اور جو کسر کتابوں میں رہ جاتی ہے وہ ماسٹر صاحبان پوری کرتے ہیں، بچوں کو کچھ اجتماعی کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جو اسلام کے عقیدہ توحید کے منافی ہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ڈھلوان راستہ ہو جس پر پاؤں بھی نہ جمتے ہوں اس پر کوئی بچہ سائیکل پر بیٹھا ہوا جا رہا ہو گے کھائی ہو، سائیکل کا بریک بھی ٹھیک کام نہ کرتا ہو، باپ دیکھ رہا ہے کہ بچہ سائیکل پر بیٹھا ہے اور اس سے بھی واقف ہے کہ بریک نہیں ہے،

اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی اور ترکیب نہیں کہ وہ سائیکل پر جاتے ہوئے کھائی سے بچ سکے گا تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس باپ نے جانتے بوجھتے اپنے بچے کو کھائی میں گرنے دیا، کیا کوئی صاحب اس سے انکار کر سکتے ہیں؟

اگر اس سے انکار نہیں کر سکتے تو اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ موجودہ نظام تعلیم سے بچے کا ایمان کیسے سلامت رہے گا اگر خارجی و اضافی دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ (جس کو سائیکل میں بریک کا قائم مقام کہا جاسکتا ہے) جس میں تحفظ کا انتظام ہے، کہ اسکول میں بچہ جو کچھ پڑھ کر آتا ہے، اس کی اصلاح کی جاتی رہے اور اگر اس کو کوئی ایمانی توحیدی (DOSE) دیا جاتا ہے۔ صبا حی یا شبینہ مکتب ہیں، تعمیری حلقے ہیں، کوئی دینی کتاب سنائی جاتی ہے۔ ماں باپ دین کی تلقین کرتے ہیں، اچھے اچھے شوق انگیز اور دین آموز قصے سناتے ہیں۔ گھر کا حوالہ دینی ہے، تب تو یہ کسی درجہ میں بریک کے قائم مقام ہیں اور اگر ایسا نہیں تو آپ نے گویا اپنے بچوں کے کان میں کہہ دیا ہے کہ ”اسکول کی ہر بات مان لینا“ یہ کان میں کہنے ہی کے مترادف ہے کہ آپ نے بچہ کا نام کسی اسکول میں لکھ دیا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں کیا، گویا آپ نے اپنے بچہ کو ایک طرح کی ترغیب دی ہے کہ وہ ہر غیر اسلامی بات مانتا چل جائے۔ اب اگر وہ متا چلا گیا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں ہے نہ اردو جانتا ہے کہ دینی کتابیں پڑھ سکے، نہ محلے میں کسی مکتب کا انتظام ہے، تو آپ بتائیے کیا آپ ”فَوَ انْفُسُکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا“ کے مخاطب نہیں ہیں؟

لکھنؤ کے ایک زمانہ جلسہ میں خواتین کی بڑی تعداد تھی، میں نے کہا ایک ماں کا قصہ آپ کو سناتا ہوں، ایک تعیم یافتہ خاتون ایک دعوت میں شریک تھیں، بیبیوں نے دیکھا کہ وہ بے چین اور متفکری ہیں، باتوں میں ان کا دل نہیں لگ رہا ہے، ان کی عزیز بیبیاں اور سہیلیاں سب بیٹھی دلچسپی کی باتیں کر رہی ہیں، بہت دنوں کے بعد وہ اکٹھا ہوئی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان خاتون کا دل و دماغ کہیں اور ہے؟ صیعت کچھ خراب ہے؟

کوئی اندرونی تکلیف ہے؟ بہت پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ کچھ نہیں میں گھر میں ماچس کی ڈبیا چھپانا بھول گئی، بچہ وہاں ہے، مجھے کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں وہ اس میں سے تلی نکال لے اور مسالہ سے رٹڑ رٹڑ اپنے پیڑوں میں آگ لگا لے۔ بیبیوں نے پوچھا اللہ رکھے بچہ کی کیا عمر ہے؟ خاتون نے جواب دیا یہی دو سال کی! خیال کیجئے بچہ ماچس کے بکس کو کھولنا جانتا ہے یا نہیں؟ اگر جانتا ہے اور کھوے گا تو الٹی تیلی رگڑے گا یا سیدھی رٹڑے گا

جد ۱۰ مسالہ ہے مگر

ع عشق است و ہزار بدگمانی

محبت یہ سب چیزیں پیدا کر دیتی ہے۔ وہ چونکہ ماں ہے۔ اللہ نے مامتا دی ہے، محبت دی ہے بچہ کی، اس سے وہ باتیں جو بہت بعید از قیاس ہیں اور کہیں برسوں میں ہوتی ہیں، سب ان کے سامنے نقشہ کی طرح ہیں۔ بچہ کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچا، ماچس کی ڈبیا اٹھائی اس کو کھولا اس نے کبھی دیکھ تھا اپنی بڑی بہن کو یا بھائی کو کس طرح اس سے کام لیا جاتا ہے، اس نے اس کی نقل کی اور اپنے پیڑوں میں آگ لگالی، جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ (خدا نخواستہ) یہ واقعہ پیش آیا، اتنے دور کے احتمالات کی وجہ سے وہ بی بی وہاں اس طرح بے چین نظر آتی تھیں کہ جیسے کوئی آدمی دھکتے ہوئے رُم پتھر پر کھڑا ہو، یا کوئی کاتوں پر بیٹھا ہوا ہو۔

کیا دین کے منافی ماحول میں دین و ایمان سے محروم ہو جانے کے احتمالات جانی خطرات کے احتمالات سے زیادہ قوی نہیں ہیں۔ جو اس چاہنے والی ماں کے دل میں پیدا ہوئے؟ ہمارے بچے جو پڑھ رہے ہیں جن کو آپ نے ایک دن نہیں بتایا کہ تو حید کیا ہے؟ آپ نے کوئی انتھما اپنے شہر میں دینی مکاتب کا نہیں کیا، جہاں بچے پڑھ کر پھر اسکولوں میں جاتے اور اپنا ایمان بچانے کے قائل ہو جاتے، نہ گھروں میں وہ ماحول نہ محلہ اور بستی میں یہ قضا، اسکولوں کو میں کیا کہوں، میں عربی مدرسوں کا آدمی ہوں۔ وہاں یہ حالت ہے

کہ اب جو نیچے آرہے ہیں وہ بھی ایسی بنیادی باتوں سے ناواقف ہیں جن کا ہمارے بچپن میں خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی مسلمان بچان سے ناواقف ہوگا۔

اس صورت حال کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نسل کی نسل دین سے بالکل نا آشنا ہوگی، اردو پڑھ نہیں سکے گی، آج یہ حالت ہو رہی ہے کہ ایک بڑے طبیبہ کالج کے جس کی ایک تاریخ ہے ایک طالب علم سے کوئی مضمون لکھوانا تھا یا خط لکھوانا تھا، تو سوچا کہ یہ صاحب تو طب کی کتابیں پڑھتے ہیں جو عام طور پر عربی فارسی میں ہیں، بہت نیچے اترے تو اردو میں ہیں ان سے کہا آپ لکھئے، وہ لکھتے رہے لوگ سمجھتے رہے کہ لکھ لیا، دیکھ تو وہ ہندی میں تھا، ان سے کہا گیا کہ آپ یونانی طب پڑھتے ہیں اور اردو نہیں لکھ سکتے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں تو یہی پڑھایا گیا ہے۔ تو ایک ایسی نسل کے تیار ہونے کا محض اندیشہ نہیں، مشاہدہ میں آ رہا ہے، دین کی بنیادی چیزوں سے ناواقف، بنیادی عقائد سے ناواقف، اللہ و رسول کا ہمارے دل و دماغ میں جو عقیدہ بس ہوا ہے اس سے ناواقف، یہ نسل پیدا ہو گئی ہے اور جوانی کے قریب اب پہنچ رہی ہے۔ شروع ہونے کا زمانہ تو گیا، آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ سیرت پر تقریر کرنی ہے اسلامیت اسکول ہے، کالج ہے، جامعہ ہے، اور ایک مسلمان نو جوان طالب علم کو کسی نے سیرت کا مضمون دیا، وہ ہندی میں لکھ کر لایا، اور اردو میں پڑھا، الفاظ تو اردو اور رسم الخط ہندی، اور یہ رسم الخط تو وہ چیز ہے کہ آرنڈ ٹوائسن لی

TOYNBEE ARNOLD جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی، مؤرخ (PHILOSOPHER HISTORIAN)

ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے۔ اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی اور پھر جس طرف چاہے لے جاؤ۔ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے۔ وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بد نسل بدل گئی۔ سن

ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے۔ فرقہ دارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں۔ فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدنام کافی ہے۔ آج سے ساٹھ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا۔

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی ہے، ذرا دیر لگے گی، تمیں چاہیں برس میں خود ایک ایسی نسل تیار ہو جائے گی جس کے نزدیک کفر و ایمان کا فرق، توحید و شرک کا فرق، عقائد و مذہب کا فرق سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی۔ کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔

مسلمان ماں باپ اس ڈر سے کہ ہمارے بچے کا کیریئر خراب ہو جائے گا۔ اس کی مادری زبان اردو نہیں لکھتے۔ اس کی دینیات کی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے بھلا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہو سکتی ہے؟ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بچے کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے یا یہ خدا نخواستہ مسلمان نہیں رہے گا تو دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر و عافیت سے اٹھالے، یہ مسلمان کی شان ہے۔

حضرت خنسا، رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ اور اپنے زمانہ کی ایک بڑی شاعرہ خاتون ہیں، وہ بڑا درد مند دل رکھتی ہیں، انھوں نے ساری عمر اپنے دو بھائیوں کے مرثیے کہے جو ان کو داغ مفارقت دے گئے تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ کسی زبان میں عورت کے کہے ہوئے مرثیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں جو انہوں نے اپنے بھائیوں کی یاد میں یادگار چھوڑا ہے، ان کا پورا دیوان صرف بھائیوں کے مرثیے سے بھرا ہوا ہے۔ ایسا درد مند دل رکھنے والی خاتون ایک معرکہ جہاد میں اپنے ایک بیٹے کو بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹا جاؤ تم کو میں نے اسی دن کے لئے پالا تھا، جاؤ اللہ کے راستے میں جان دے دو، پھر دوسرے بیٹے کو بلاتی ہیں، تیسرے بیٹے کو بلاتی ہیں اور جب سب کی شہادت کی خبر آتی ہے تو کہتی ہیں ”الحمد للہ

الذی اکرمنی بشہادتہم“ اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت کے ذریعہ میری عزت بڑھائی، یہ ایمان کی شان ہے کہ اس دم پر سب کچھ قربان۔
 آج مسئلہ یہ ہے کہ اس سٹل کو کیسے بچایا جائے کیسے مسلمان رکھا جائے۔ سرکاری تعلیم کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ دینی تعلیم کا کوئی متوازی نظام بھی ہونا چاہیے۔ آج اتنے ہی پراکتفا کرتا ہوں۔ اللہ ہم کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

صنعتی اور سائنسی علوم کی تعلیمی افادیت و اہمیت اسلامی تعلیمات اور دور ماضی سے اس کا ثبوت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين
ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين.
اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. وانزلنا
الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من
ينصره ورسوله بالغيب ان الله قوى عزيز.

قرآن مجید میں صنعت کا ذکر

حضرات! حاضرین کے اس مجمع کو جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اور ان کے ساتھ
سمائے کرام بھی تشریف رکھتے ہیں یہ دوسو سو میرے دل میں گزرتا ہے۔ (خدا مجھے معاف
کرے) کہ ہمارے معزز سامعین حضرات (خاص طور پر جن کی تعلیم علوم کے اندر محدود
رہی ہے) کا ذہن کبھی اس حرف منتقل نہ ہوا ہو گا کہ قرآن مجید میں صنعت کا بھی ذکر ہے،
اور ان ماہرین کا بھی ذکر ہے جنہوں نے اپنے وقت میں صنعت سے تعمیر کی کام لیا اور
خدمت خلق انجام دی اور انسانیت کی اور اپنے ہم اعتقاد اور زیر اثر طبقہ کی حفاظت کی، یہ کم
لوگوں کے ذہن میں آیا ہے، میں نے ابھی آپ کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت۔

وانزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم

اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔

”اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے، اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں، اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے خدا اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں، خدا ان کو معلوم کرے، بے شک خدا قوی (اور) غالب ہے۔“

اللہ تعالیٰ احسان رکھتے ہوئے اہمیت کے ساتھ ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے لوہے کو نازل کیا، پہلے خیال کیجئے کہ اس کے لئے عربی میں کئی لفظ ہو سکتے تھے۔ ”خلقنا“ کہا جاسکتا تھا یعنی ”ہم نے پیدا کیا“ لیکن نازل کرنے میں خصوصیت اور اہتمام ہے اور اس کے ساتھ قدرت اور رحمت خداوندی کا جو عنصر شامل ہے وہ کسی اور لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا، آپ جانتے ہیں کہ ٹیکنالوجی (TECHNOLOGY) اور ٹکنالوجی ہی نہیں بلکہ فن تعمیر (آرکیٹیکچر) بھی ہے اور دوسری چیزیں فن حرب وغیرہ ہیں، جنگی مشقیں ہیں اور جنگی کارروائیاں ہیں اور کتنے تعمیر اور دفاعی و حفاظتی کام ہیں، ان سب میں لوہا ایک مرکزی کردار ادا کرتا ہے، اور کوئی نظام صنعت و حرفت اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ بیسیوں معدنی دھاتوں کو چھوڑ کر حدید (لوہے) کا انتخاب فرمایا، اور **وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ** ہم نے لوہے کو نازل کیا اس میں بڑی طاقت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا مظہر ہے اور اس سے رفعت کا بھی ظہور ہوتا ہے، وہ صرف توار بنانے کے لئے نہیں ہے، وہ صرف بندوق ڈھانے کے لئے نہیں ہے، وہ صرف گولی کو وجود میں لانے کے لئے نہیں ہے، اور اس کو شکل دینے کے لئے نہیں ”فِيهِ نَاسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ“ جو عربی دان حضرات یہاں بیٹھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ نمرہ کا صیغہ جو ہوتا ہے اس میں بڑی عمومیت و کثرت ہوتی ہے تو اس وقت ”وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ“ لوگوں کے لئے بہت سے منافع ہیں۔

پھر اس کے بعد اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کر رہا ہے کہ

وَعَلَّمَاہُ صُنْعَ لِبَاسٍ لِّکُم

”اور ہم نے ان کو زمرہ بنانے کا علم دیا۔“

ہم نے ان کو وہ علم دیا کہ جس سے وہ اجسام انسانی کی حفاظت کا کام لے سکیں۔ ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا، ان کو وہ حکمت عطا فرمائی جس سے کہ وہ لوہے سے شیشہ کا کام لے سکیں، لوہے سے کسی بہت کمزور سے کمزور دھات کا کام لے سکیں، اور تخریب ہی نہیں بلکہ تعمیر کا کام لے سکیں، یہ ایک ایک لفظ معجزہ کی حقیقت رکھتا ہے۔

پھر ایک فرد کا معاملہ نہیں بلکہ قرآن مجید آگے بڑھتا ہے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے خدام (جن میں جن وانس ہیں) ان کے احکام منشاء کی تعمیل کرتے ہیں اور صنعتی و تعمیری کارنامہ انجام دیتے ہیں اور جو وہ چاہتے ہیں بتاتے ہیں، اس میں اس کی بھی تصریح کر دی کہ وہ تخریبی مقاصد کے لئے نہیں کرتے جب اس میں سلیمان علیہ السلام کی رہبری شامل ہے، اس میں ان کا حکم چلتا ہے اور ان کے اشارہ سے کام ہوتا ہے تو وہ تعمیری ہوگا اور نافع الخلاق ہوگا۔ ”يَعْمَلُونَ لَہٗ مَا يَشَاءُ“ یہ نہیں کہ جو چاہیں وہ بنا لیں، جو وہ چاہتے ہیں بناتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کو اللہ کے منشاء کے مطابق اور نبی کو جو پیغام دیا جاتا ہے اور جو مقام عطا ہوتا ہے اس کے تقاضوں اور اس کی خصوصیات کے مطابق اس کو استعمال ہوتا چاہئے، ساری دنیا کی خرابی یہ ہے کہ وہ چیزیں تخریبی اور سلبی (DESTRUCTIVE & PASSIVE) مقاصد کے لئے استعمال کی گئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرما دیا کہ يَعْمَلُونَ لَہٗ مَا يَشَاءُ وہ آزاد نہیں تھے جو چاہتے بناتے، لوگوں پر حملہ کرتے اور قوتوں کو تباہ کرتے اور ملکوں کو پامال کرتے۔

میرا اندازہ ہی نہیں تجربہ ہے کہ اسلامی تاریخ کا اس نقطہ نظر سے اس عنوان کے تحت بہت کم مطالعہ کیا گیا کہ مسلمانوں نے کیا صنعتی ترقی کی اور اس وقت کی موجودہ دنیا جسے ترقی یافتہ دنیا کہتے ہیں۔ سائنسی دنیا (PROGRESSIVE) دنیا ہے وہ ظلم سے مسلح دنیا ہے، اس میں کتنا حصہ (CONTRIBUTION) مسلمانوں کا ہے۔

مثال کے طور پر ایک بات کہتا ہوں، فلسفہ میں دو چیزیں ہیں، ایک قیاس جس کو (DEDUCTIVE LOGIC) کہتے ہیں، دوسرا استقراء جس کو (INDUCTIVE LOGIC) کہتے ہیں یہ ایک تاریخی حقیقت اور مسلمہ واقعہ ہے کہ سائنس ٹیکنالوجی اور علوم عمرانیہ کا وجود میں آنا اور ترقی کرنا منطق استقرائی کا رہن منت ہے اور یورپ میں سائنس اور اس کی شاخوں کا ظہور اور تجربہ اور ایجاد کا عہد اس وقت سے شروع ہوا جب سے کہ اس نے قیاس کے بجائے استقراء سے کام لینا شروع کیا اور یہ استقراء کا اصول اور منطق استقرائی عربوں کا عطیہ ہے جو اندلس (اسپین) کے راستے سے یورپ میں آیا، موسولی بان (GUSTAVE LEBON) جو مشہور مسلم مورخ و مصنف ہے لکھتا ہے:

”لوگ تجربہ اور مطالعہ و استقرائی منطق (INDUCTIVE LOGIC) کو

جو علم جدید کی اصل حقیقت رکھتے ہیں بیکن (FRANCIS BACON)

کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر اب یہ اعتراف کیا جانا ضروری

ہے کہ یہ طریقہ مکمل طور پر عربوں کی ایجاد ہے۔“

قیاس یہ ہے کہ آپ پہلے سے ایک نظریہ قائم کر لیں اور کہیں کہ ایسا ہوتا ہے، اس کے بعد جو چیز آئے اس کے ماتحت کر دیں، اس پر APPLY کریں اور کہیں کہ یہ ایسا ہی ہوتا ہے، محض اپنی ذہانت سے یا اپنے محدود تجربہ سے، کیوں کہ یہ غیر محدود نہیں ہوتا آپ نے ایک کلیہ قائم کیا کہ فلاں چیز میں یہ اثر ہے اول اس کے بعد آپ نے جو دوسری چیزیں دیکھیں ان کو اس کے ماتحت اس کی لائن میں جو سمت ہے آپ نے اس کو ڈال دیا، یہ قیاس

دنیا کے تمام فلسفہ پر پوری دنیا پر یہاں تک کہ یونانی فلسفہ پر بھی چھایا ہوا تھا، یونان کے تذکرہ کے ساتھ ذہن خود بخود جاتا ہے کہ یونان نے قیاس میں اس قدر ترقی کی، اور ہمارے یہاں بھی جو منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ زیادہ یونانی فلسفہ پر مبنی ہیں۔

استقراء یہ ہے کہ مختلف جزئیات کا تجربہ کر کے اور ان سب کو برت کر اور ان میں جو چیز قدر مشترک COMMON FACTORS ہے اس کو اصول بنائے اس کا نام ہے استقراء اور یورپ کے سائنس کے مورخوں نے جنہوں نے سائنس کی تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں یا یورپ کی ترقی پر کتابیں لکھی ہیں، ان کا اس پر اتفاق ہے کہ یورپ کی ترقی اور اس کی عالمگیر صنعتی فتوحات و ایجادات و ترقیات کی بنیاد ”استقراء“ پر ہے اور اس کو سب جانتے ہیں کہ استقراء کا اصول اسپین سے آیا ہے، اسپین سے استقراء کا اصول نہ آیا ہوتا تو یورپ ترقی نہ کر پاتا، اس لئے کہ آپ دیکھیے کہ پانی میں یہ خاصیت ہے، فلاں نے فلاں چیز کو دیکھا اس میں یہ خاصیت اپنی طرف سے ایک اصول آپ نے جدی میں بنالیا، قیاس کر لیا، بلکہ اتنا بھی نہیں، اس کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، اپنی ذہانت سے آپ نے کہا کہ ایسا ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد ساری چیزوں کو اس کے ماتحت لے آئے اور ان سب پر آپ نے اپلائی کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اصل جو چیز ہے وہ استقراء ہے کہ آپ جلدی نہ کریں، چیزوں کو دیکھیں، ان کی خاصیتوں کو دیکھیں، ان کے عمل کو دیکھیں، درخت کو بھی دیکھیں، پتے کو بھی دیکھیں، پھول کو دیکھیں، زمین کو بھی دیکھیں، مختلف اشیاء کو بھی دیکھیں۔

اور پھر اس کے بعد دیکھیں کہ ان میں مشترک چیز کیا ہے اس کے بعد کلیہ اپنا لیں کہ جب یہ چیز ہوتی ہے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے، یہ استقراء جو ہے اس نے یورپ کے دماغ کو ایک نئی روشنی عطا کی اور ایک نیا میدان عطا کیا اور سائنس کی ترقی، اسی دن سے شروع ہوئی،

اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ اس کا یوم پیدائش کیا تھا، جیسے انسانوں کا ہوتا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کا یوم پیدائش وہ دن ہے جس دن استقراء کو یورپ نے مانا اور استقراء کو اسپین سے حاصل کیا۔

اسی طرح اس علاقہ میں جس کو ماوراء النہر کہتے ہیں، جس میں بخارا اور سمرقند وغیرہ شامل ہیں، (اور اتفاق سے میں چند دن پہلے وہیں سے ہو کر آیا ہوں) وہاں بڑے بڑے حکماء فلسفی اور موجد و محقق پیدا ہوئے، شیخ الرئیس ابن سینا کی کتاب ”القانون“ ہے، آج بھی اس سے استفادہ کیا جاتا ہے، اور حیرت ہوتی ہے اس کی حکمت پر اور اس کے وسیع تجربہ پر اور ذہانت پر کہ کس طرح اس نے اعضائے انسانی اور خلقت انسانی کے خواص سمجھے ہیں، اور بتائے ہیں، اور امراض کی تشخیص کی اور ان کا علاج بتایا، اس طرح مختلف میدانوں میں عالم اسلام نے وہ ترقی کی جو یورپ کے لئے ایک بنیاد بن گئی اور یہ بات بڑی غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی ہے کہ انسانی ترقی سائنس کی ترقی اور جو سائنٹفک علوم ہیں، ان سب کی ترقی یورپ سے شروع ہوئی ہے اور یورپ اس کا گویا معلم اول ہے، یہ بات مطالعہ کی کمی، نظر کی کوتاہی اور عصبیت پر مبنی ہے، مجھے خدا نے موقعہ دیا کہ میں اسپین گیا اور میں نے اسپین کو خوب دیکھا اور میں اس کے ایک کونہ طلیطلہ (TOLETOLE) سے لے کر غرناطہ (GRANATA) تک گیا، میں نے الحمراء کا قصر دیکھا، شہر دیکھا قرطبہ کی مسجد دیکھی اور وہاں کی عمارتیں اور آثار قدیمہ دیکھے، اسی طریقہ سے بغداد میں اور جہاں مسلمانوں کے دارالسلطنت ہیں وہاں آپ کو مسجدیں ملیں گی جس پر حیرت ہوگی کہ اس زمانہ میں یہاں تک لوگ کیسے پہنچ گئے تھے، یقین نہیں ہوتا ہے کہ ان کو اس طرح بنایا جاسکتا ہے اور یہاں البیرونی جیسے لوگ پیدا ہو گئے جو ہندوستان آئے اور ان کا تاریخ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ بہت سے ایسے نظریات ہیں جو سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے پیش کیے ہیں۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ایک بدعت کی جارہی ہے میں اپنی دینی اصطلاح میں بول رہا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو اس بدعت سے روکا جائے، یہ بدعت نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کی ایک قدیم سنت کا احیاء ہے اور اس کو زندہ کیا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے، اور مسلمان ان میدانوں میں بھی بہت سی قوموں سے آگے رہے ہیں، میرا مطالعہ یہ ہے کہ سفر کرتا رہتا ہوں اور مختلف تعلیمی حلقوں اور اداروں میں جاتا ہوں اور ہندوستان میں نہیں ہندوستان سے ملحق خطوں میں بار بار گیا ہوں کہ مسلمان اسی زمانہ میں ٹکنالوجی اور سائنس کے میدانوں میں پیچھے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ذہن ادب اور شاعری میں زیادہ چلتا ہے، فنون لطیفہ کی طرف زیادہ چلتا ہے، اور بعض لوگوں نے یہ کلمہ بنالیا کہ مسلمان تو بس جس میں لطف آئے اور جس میں حسن ہو، ذائقہ بھی ہو، اس میں مسلمان کا ذہن زیادہ چلتا ہے، باقی وہ چیزیں جو ذرا جھٹکشی چاہتی ہیں، صبر چاہتی ہیں، یا جس میں دیر لگتی ہے اور جو بے مزہ معلوم ہوتی ہیں، اس میں کم چلتا ہے، حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے یہ بہت ہی مستحجلانہ فیصلہ ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہے، مبارک باد دیتا ہوں کہ ہمارے شہر میں یہ ایک مرکز قائم ہو رہا ہے، اور ایسے مرکز کی ہر شہر میں ضرورت ہے اور مسلمانوں کو ایسے ادارے چلانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اب بھی سیاست یا جمہوریت اور علم و فن کے دور میں اب بھی ٹیکنالوجی کی صنعت کی، اور تحقیقات کی اور سائنس کی مختلف شاخوں کی ضرورت ہے، اور افادیت ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ اہمیت اور بڑھے گی، اور ہم ہندوستان میں عزت کی زندگی اپنی صلاحیت سے گزارنے پر قادر اور خود کفیل بننے کے قابل اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک ہم ان میدانوں میں بھی مہارت حاصل نہ کر لیں اور کم سے کم اس سے ہم کام نہ لے سکیں۔

حضرات! میں اس ادارہ کے قیام پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ترقی دے، اور اس کی شاخیں قائم ہوں، مختلف اضلاع میں اور مسلمانوں کو ان علوم سے جو بے گانگی اور جو بعد پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو اور وہ ان اداروں سے ایسے ماہرین کو نکالیں کہ وہ پھر ملکوں کو، وہاں کی طاقتوں کو اور ان سب کے راز کو سمجھنے بلکہ ان کو بنانے تک کی صلاحیت پیدا کر میں تا کہ مسلم ممالک اور مسلم معاشرہ کی جو اقدار (VALUES) اور معیار (IDOL) اور مقاصد ہیں ان کی حفاظت کر سکیں، یہ بہت بڑی خدمت ہوگی اور اسلام کو طاقت پہنچانے کا بڑا ذریعہ ہوگا، اور یہ اپنے سب معاش کے ساتھ ساتھ ایک کثیر الفوائد کام ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

اکوڑہ خٹک میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد اور شہداء کا خون

دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں رنگ لایا

یہ تقریب ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو صوبہ سرحد کی عظیم قدیمی و مثالی دینی درس گاہ دار
العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں علماء، اساتذہ، طلبہ اور معززین کے سامنے کی گئی
حضرت مولانا رحمہ اللہ کا تعارف مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم
حقانیہ نے کرایا۔

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على
رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين ، ومن تسعهم
باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين . اما بعد !

عبادت کی مشقت

میرے بزرگوں، دوستوں اور عزیزو! ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک عشاء کی نماز کے
وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہیں لائے، بہت دیر ہو گئی،
جو معمول تھا معمول کے مطابق آپ وارد نہیں ہوئے۔ مسلمان اس اشتیاق میں بیٹھے
ہوئے تھے کہ جن کی تعلیم ہے اور جن کی برکت سے نماز سیکھی ہے ان کے پیچھے اس مسجد
میں جو اسس علی النقیوی کا مصداق ہے عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جائیں اور
آرام کریں، یہ وہ تھے جو دن بھر باتھ پر باتھ دھڑے بیٹھے نہیں رہے تھے، بلکہ کھیتوں
میں، باغوں میں، دوکانوں پر سارا دن محنت کرتے رہے تھے، وہ کرمیوں کا زمانہ تھا یا
جاڑوں کی رات تھی، اگر کرمیوں کا زمانہ تھا تو مدینہ کی گرمی سب کو معلوم ہے، بہت سخت،

ایسی ٹھسادینے والی، جہادینے والی رُحی، اس میں سارا دن کام کرتے رہے اور اب آئے تھے کہ نماز پڑھ کر جا کر سو رہیں گے لیکن اللہ کا رسول حجرے سے باہر نہیں آیا تھا، لوگ کچھ اونگھنے لگے تھے، کچھ سونے لگے تھے، سب پر نیند کا اور تھکن کا غلبہ تھا، حضرت عمرؓ نے جو امت کے اتالیق تھے اور بڑے شفیق تھے، انھوں نے محسوس کیا اور آواز دی کہ یہ رسول اللہ بچے اور عورتیں سونے لگے ہیں، آپ باہر تشریف لائیے، لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ اس وقت روئے زمین پر نماز کے انتظار میں جاگنے والے تمہارے سوا اور کوئی نہیں، یعنی جاگنے والے تو بہت ہیں اور جمع ہونے والے بھی بہت ہیں تقریر کے لئے، منے جسنے کے لئے وقت کا منے کے لئے، لیکن تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

اسلام ہند میں

ہجرت کے شروع کا یہ قصہ ہے یاد درمیان کا تو اصل میں قیمت اور قدر کی نوعیت ہوتی ہے، قیمت مقصد و نوعیت کی ہے، تعداد اور اثر و دام کی نہیں، اسی طریقے سے ہندوستان میں جب سے اسلام آیا ہے، لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، فتوحات پر فتوحات ہوتی رہیں، اور اتفاق سے فتح آپ کے اس علاقے سے داخل ہوتے رہے، درہ خیبر سے یا بومان سے یہاں سے اسد می فوجیں نڑرتی رہیں اللہ ان کو جزائے خیر دے ہم ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں کہ ان کی برکت سے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند ہوا، اسلام چاہے سندھ میں ملتان تک عربوں کے ذریعہ زیادہ پھیلا ہو لیکن بہر حال اسلام کی عظمت یہاں قائم ہوئی اور بہت سے ایسے لوگ جو تعبیر کی افادیت اور مادی فائدہ دیکھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے، انہوں نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد ان کی اولاد میں ہزاروں لکھوں اوصیاء اللہ اور صالحین عربانی پیدا ہوئے ہم ان بادشاہوں کا اور فاتحین کا بھی احسان نہیں بھول سکتے اور ہم ان لوگوں میں سے ہونا چاہتے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید

میں آیا ہے کہ:

والذین جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا

ولاخواننا الذین سبقونا بالايمان ولا تجعل فی قلوبنا

غلا للذین امنوا ربنا انک رؤوف رحیم ۵

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مہاجر و انصار کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ کہیں گے کہ یا

اللہ ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی الذین سبقونا بالايمان۔ جو

ایمان میں سبقت لے گئے، دنیا سے ایمان کے ساتھ پہلے چلے گئے تو ہم محمود غزنوی اور

ان سے پہلے آ کر کوئی آیا تو اس وقت سے لے کر احمد شاہ درانی تک جو اس راستہ سے آنے

والوں میں سب سے آخر میں آنے والا تھا اور جس نے مسلمانوں کے خلاف جو طعنتیں

جمع ہو رہی تھیں ہندوستان میں اور جن کی قیدت مرہٹے کر رہے تھے ان طعنتوں کی کمر توڑ

دی، اور مغلیہ سلطنت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی عظمت و تہذیب کے گل ہوتے چراغ کو

پھر تھوڑا سا تیل اور بتی مہیا کر دی اور ہندوستان کے مسلمان پھر پچاس ساٹھ برس کے

لئے یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے اور اسلام کی شوکت کا نقش قائم ہو گیا، ہم ان سب

کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے اور ہم کو یہ راستہ بھی عزیز ہے

جس راستے سے یہ فاتح اور شور کش آئے لیکن جیسا کہ ابھی مولانا سمیع الحق صاحب نے

فرمایا اور بھی فرمایا کہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے خاص اللہ کی رضا کے لئے، سنتوں کو زندہ

کرنے کے لئے، مسلمانوں کی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اور

اَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً کا پیغام پہنچانے اور عمل کرانے کے لئے، حد و شرعیہ کو نافذ

کرنے کے لئے، قوانین شریعت کو رائج کرنے کے لئے جو پہلا خون ہندوستان میں

صدیوں کے بعد ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں تھوڑے بہت مطالعہ کی بنا پر جس کا موقع

مجھے مل سکا ہے یہ کہہ سکتا ہوں کہ عالم اسلام میں صدیوں بعد جو پہلا پاک خون، دم ذکی، جس میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی، وہ خون جس سرزمین میں پہلی بار بہا ہے وہ آپ کی سرزمین ہے، یہ اکوڑہ خٹک کی زمین ہے، جس کے متعلق مرزا مظہر جان جاناں کا شعر صحیح ہوگا۔

بنا کردند خوش رکے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جہاد کی تین شرطیں

یہاں بناء رکھی گئی اس جہاد خالصۃً لوجه اللہ کی کہ جس کا رواج دنیا میں قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ کسی بادشاہ کے متعلق، کسی غازی کے متعلق، کسی فتح کے متعلق تاریخ نہیں لکھتی کہ جہاد شروع کرنے سے پہلے اس نے اعلان نامہ بھیجا ہو کسی حریف کو جس کے خلاف اسے جہاد کرنا تھا کہ تین چیزیں ہیں، پہلی دعوت ہماری یہ ہے کہ تم اسلام قبول کر لو، اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو ہم یہ زمین تمہارے حوالے کر جائیں گے، تم ہمارے بھائی ہو گے پھر ہمیں کوئی حق نہیں ہوگا کہ بستی مٹا کر تمہاری جگہ بیٹھیں، اس لئے کہ یہ آقاؤں کا تبادلہ نہیں، یہ دین کا اور مسلک کا تبادلہ ہے، یہ اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کرتے ہو تو تم زیادہ حقدار ہو، اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو تم جزیہ دینا منظور کرو یا جاگزار ہمارے بن جاؤ۔ ہم تمہاری حفاظت بھی کریں گے اور تمہیں اپنے حال پر باقی رکھیں گے، اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر لڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ، جہاد کی یہ تین شرطیں تھیں اور یہ بات اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ فتوح البلدان بلاذری میں آتا ہے کہ جب سمرقند فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اصل ترتیب اسلام میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے پھر اس کے بعد جزیہ کی پیشکش کی جائے، اگر وہ بھی منظور نہ ہو تو پھر قتال ہے۔ تو انھوں نے دیکھا کہ سمرقند میں فوجیں داخل ہو گئیں بغیر دعوت اسلام دیئے اور بغیر جزیہ کا مطالبہ کئے تو

ان کو ایک عرصہ کے بعد ہوش آیا جب کہ مسلمان وہاں بس گئے تھے، وہاں گھر بنا لئے تھے، تو انھوں نے ایک وفد روانہ کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں جنہیں خفاء راشدین میں شامل کیا جائے، وہ جنہیں خلیفہ خامس کہتے ہیں ان کو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ عادل ہیں اور شریعت پر پورا عمل کرتے ہیں تو ایک وفد ان کے پاس حاضر ہوا اور ان سے شکایت کی کہ سمرقند بغیر اس سنت کے اور بغیر ایک حکم شرعی پر عمل کئے فتح ہو گیا ہے۔ انھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک پرچہ لکھا وہاں قاضی کے نام کہ جس وقت تمہیں یہ پرچہ ملے تو انی وقت عداست کرو اور وہاں اس بات پر شہادت ہو کہ جس وقت مسلمانوں کے قائد فوج کے قائد نے سمرقند فتح کیا، کیا اس وقت اس سنت پر عمل کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر ثابت ہو جائے اور کوئی شہادت اس امر پر نہ ہو کہ پہلے اسلام اور پھر جزیہ کی دعوت دی گئی تھی تو تمام مسلمان فوجیں اسی وقت سمرقند چھوڑ کر اس کی حدود سے باہر جا کر کھڑی ہو جائیں، اس کے بعد اس سنت پر عمل کریں، پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دیں، اگر منظور ہو تو قبضہ نہ ہو تو پھر جزیہ کا نہیں، اسے بھی نہ مانیں تب جہاد کریں۔ قاضی صاحب کو پرچہ ملا، انھوں نے عدالت طلب کی، مدعی علیہ مسلمانوں کی فوج کے قائد ہیں، اور دنیا کی تاریخ میں شاید اس واقعہ کی نظیر نہ ملے کہ ایک کمانڈر جس نے اپنی نوک شمشیر سے اتنا اہم علاقہ ترستان کا دار الخلافہ فتح کیا تھا وہ مدعی علیہ اور ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے حاضر تھا اس مسجد میں، اس سے پوچھا گیا، اس نے اعتراف کیا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں یلغار میں اور اسلامی فتوحات کے تسلسل میں اس اہم شرعی حکم پر عمل نہیں کر سکا، اور جب یہ معاملہ ثابت ہو گیا تو قاضی صاحب نے حکم دیا کہ مسلمان اس شہر سے تخلیہ کریں، اسے خالی کریں، مسلمانوں نے گھر بنا لئے تھے، کھیتیاں جوت لی تھیں، بہت سے لوگوں نے اسے اپنا شہر بنایا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر دامن جھڑ کر چلے گئے، باہر جا کر کھڑے ہو گئے، جب وہاں کے بت پرستوں نے یہ بد مذہب کے ماننے والوں نے مشرکوں نے

یہ معاملہ دیکھا کہ شریعت کا اتنا احترام ہے کہ ان کے دلوں میں اور عدل و انصاف کا اتنا لحاظ ہے کہ وہ اپنے قائد اور کمانڈر انچیف پر بھی اسے نافذ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اب لڑائی کی ضرورت نہیں، ہم خود مسلمان ہوتے ہیں، چنانچہ سمرقند سارے کا سارا مسلمان ہو گیا اس واقعہ کے ذریعہ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت بھی جہاد کی اس سنت پر عمل کسی وقت چھوٹ جاتا تھا اور اس کے بعد تو معلوم نہیں تاریخ کا تعین تو مشکل ہے مگر اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ میں ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ اس سنت پر عمل کیا گیا ہو۔ ہوا یہ کہ فوجیں بڑھتی چلی جاتی تھیں اور جو علاقے اور جو شہران کے راستے میں آتے انہیں فتح کر کے آگے بڑھتے جاتے، مگر اس اللہ کے بندے نے اس مرد مجاہد نے جس کا نام حضرت سید احمد شہید ہے اور ان کے ساتھی مولانا شاہ اسماعیل شہید جنہیں ان کا وزیر اعظم کہئے، یادست و بازو کہئے یا لشکر کے قاضی مفتی اور شیخ الاسلام کہئے، ان دونوں نے پہلی مرتبہ اس سنت پر عمل کیا اور یہیں سے وہ اعلان نامہ لاہور روانہ کیا گیا جو لفظ بلفظ کتابوں میں منقول ہے، تو یہی وہ سرزمین ہے جو ان مجاہدوں کے خون سے لالہ زار بنی۔

خون شہیداں ضائع نہیں ہوتا

میرے عزیزو! یاد رکھو، خون شہیداں ضائع نہیں ہوتا، وہ ہزاروں باغ کھلاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جیسے باغ پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح مدرسے بھی پیدا ہوتے ہیں، خانقاہیں بھی پیدا ہوتی ہیں، مسجدیں بھی صفحہ وجود میں آتی ہیں اور وہ زمین اللہ کی راہ میں واقع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اس پر شہیدوں کا اور مجاہدوں کا خون بہا ہے۔ تو آپ کی اس سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں پر اللہ کی راہ میں اس جہاد کا آغاز ہوا اور ابھی میں راستے میں سنا رہا تھا کہ ہمارے رائے بریلی کے ایک خان صاحب تھے عبد المجید

خاصہ صاحب ان کا نام بھی اس فہرست میں شامل تھا جنہیں رات کو بھیجا جانا تھا۔ اکوڑہ کے چھاپہ کے لئے رات کو چھاپہ ڈالنا تھا اور یہاں سے مجاہدین کی جو فرود گاہ تھی چھ کوس یا دس کوس کے فاصلے پر اور پھر رات ہی کو شیخون مار کر واپس ہونا تھا تو حضرت سید احمد شہیدؒ کے سامنے جب فہرست آئی تو ان کو معلوم تھا کہ عبدالمجید خان صاحب بیمار ہیں اور کمزور ہیں تو ان کے نام کے سامنے نشان لگا دیا کہ ان کا نام نکال دیا جائے کہ یہ کوئی جہاد کا اختتام نہیں آغاز ہے، پھر بہت سے مواقع آئیں گے ان کے جہاد کے، تو ان کو جب معلوم ہوا کہ میرا نام فہرست سے نکال دیا گیا ہے تو کوئی اور ہوتا تو اس موقع کو غنیمت سمجھ لیتا کہ چلے سر پر آیا ایک خطرہ تو ٹل گیا کہ چند آدمی دس ہزار کی فوج پر چھاپہ ڈالنے جا رہے ہیں، راستہ کے نشیب و فراز سے ناواقف ہیں، تو پہلا تجربہ تھا۔ سوچتے کہ معلوم نہیں کیا صورت پیش آئے تو وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھ لیتے کہ مجھے بھی کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی میرا نام امیر المومنین نے خود ہی کاٹ دیا۔ اس سے زیادہ بہتر کیا بات ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ خود دوڑتے ہوئے آئے اور شکایت کی میرا نام فہرست سے کیوں کاٹ دیا ہے؟ فرمایا بھئی تمہیں بخارا رہا ہے، میں سنتا ہوں کہ تم بیمار اور کمزور ہو اور یہ بڑا سخت چھاپہ ہے، اس کے لئے جفاکش اور تنومند لوگوں کی ضرورت ہے، تو انہوں نے کہا کہ حضرت آج جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد قائم ہو رہی ہے اور یہ پہلا موقع ہے، تو کیا میں اس بنیاد کے موقع سے محروم رہ جاؤں؟ میرا نام اللہ اس فہرست میں شامل کر دیجئے۔ تو ان کا نام اس فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اللہ نے ان کو قبول فرمایا اور وہ اس چھاپہ میں شہید ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی ضرورت

تو یہ سارے واقعات اس سرزمین کے ہیں پھر یہاں سے دوسرا مقام سیدوہیں ہوا جو آپ کے قریب ہے، اس کے بعد پھر ہوتے ہوتے ہندو وغیرہ کے معرکے ہوئے،

جہانگیرہ وغیرہ میں۔ میں ان سب ناموں سے مانوس ہوں، اس راستہ پر آج میں پہلی مرتبہ آیا ہوں اور اس سے قبل پشاور اور مردان کے راستہ آنا ہوا تھا جو آج سے چونتیس پینتیس برس پہلے کا واقعہ ہے، جب دارالعلوم حقانیہ نہیں تھا اور میں آیا اور گھوم پھر کر چلا گیا کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا اور میری عمر وفا کرے گی اور اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا کہ میں پھر دوبارہ یہاں آؤں گا اور اپنی آنکھوں سے اس دارالعلوم کو دیکھوں گا جہاں ان شہدین کی نہ صرف یاد تازہ ہے بلکہ اپنا انتساب بھی ان کی طرف کیا جاتا ہے، یہ نسبت، یہ نسبت گرامی ایسی ہے کہ انشاء اللہ رنگ لائے گی، خون شہیدان رنگ لایا، یہ نسبت انشاء اللہ رنگ لائے گی۔ اس کا نام حقانیہ ہے اس میں حقانیت انشاء اللہ قائم رہے گی اور یہاں سے جو گوگ نکلیں گے وہ حقانیت کے علمبردار ہوں گے، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث اور شیخ العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور اس مدرسہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لگائے ہوئے اس باغ کو سرسبز و شاداب رکھے اور پھلتا پھولتا رکھے۔ یہاں اس سرزمین میں ایک ایسا مدرسہ ضرور ہونا چاہئے تھا جہاں قل اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوں، اس لئے کہ یہ اسی قال اللہ اور قال الرسول ہی کا نتیجہ تھا کہ کتنے اللہ کے بندے ہتھیوں پر سر رکھے ہزاروں میل سے ہندوستان سے کہاں کہاں سے یہاں پر آئے اور کہاں یہ میدان، یہ قال اللہ اور قال الرسول ہی تھا جو ان کو اتنی دور بھیج لایا اور یہاں جب تک قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی رحمت برستی رہے گی

ہنوز آں ابر رحمت درفش است

خم و خنجانہ با مہر و نشان است

ابھی یہ خنجانہ خالی نہیں ہوا، جاری ہے اور حافظ کے اس شعر پر میں ختم کرتا ہوں۔

از صد خنہ پیرم یک نکتہ مرا یا دست

علم نہ شود ویراں تا میکہ آباد ست

کہ اپنے مرشد کی سوابتوں میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے کہ عالم اس وقت تک ویران نہیں ہوگا جب تک کہ میکہ معرفت قائم ہے۔ قال اللہ اور قال الرسول کا مرز قائم ہے، اس وقت تک عالم ویران نہیں ہوگا اور یہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی ہوگا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کو مبارک ہو، یہ سرزمین بھی مبارک ہو، کبھی کبھی ۔

تازہ خواہی داشتن گرد اغبائے سینہ را

گا ہے گا ہے باز خواں اس قصہ پارینہ را

اور اس دارالعلوم کی آپ قدر کریں، اس کے اساتذہ اور اس کے علماء کی قدر کریں، یہاں زمین طاب علموں کو بھیجیں، اس لئے کہ اب ضرورت ہے جیسا کہ مولانا سمیع الحق صاحب نے اشارہ کیا کہ مغربیت کے فتنے میں زمین لوگ سامنے آئیں کہ جن کے اندر حوصلہ ہو، دلوالہ ہو، ایچھے خاندانوں کے ہوں، ان میں مجاہدوں کا خون ہو، شہیدوں کا خون ہو، امینوں کا خون ہو، وفاداروں کا خون ہو، وہ آئیں اور وہ لوگ علوم کتب و سنت پڑھیں اور اس کے بعد اس سرزمین میں جو اس وقت ایک ڈونڈا ہے پڑھ لکھ رہا ہے اور یہاں سلامی قانون کے نفاذ کے واسطے جا رہے ہیں اور مطالعہ کے جا رہے ہیں، وہ رہنمائی کریں۔

بس نفاذ کے ساتھ میں تم کرتا ہوں۔ میں نے یہاں آکر کسی پر احسان نہیں کیا۔ میرا کسی سے اوپر کوئی احسان نہیں بلکہ میں نے اپنے اوپر احسان کیا ہے اور بارے میں نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر احسان کیا کہ یہ عزیز سرزمین ہم کو دوبارہ دھندلی جس مقصد کے لئے یہ زمین زمین ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اس مقصد کو دنیا میں عام کرے اور

اسلام کا کلمہ بلند ہو، اسلام کو غلبہ حاصل ہو اور ہمارے گھروں میں، ہمارے دفتروں میں، ہمارے اداروں میں سب جگہ اسلام نافذ ہو۔
دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے:

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ
وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دین محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منهم۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے سب دوستوں عزیزوں کو تمام روحانی و جسمانی بیماریوں سے شفا عطا فرمائے، صحت عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص و للہیت عطا فرمائے، ہمارے قلوب کو منور فرمائے، ہمارے دماغوں کو روشن کر دے، ہمارے اعضاء و جوارح کو قوت عطا فرمائے، ہماری آئندہ نسلوں میں اسلام کو قائم رکھے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

عہد حاضر کا چیلنج اور امت محمدیہ کے فرائض

جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد کے اساتذہ طلبہ اور معززین شہر سے خطاب،
یہ جلسہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء کو جامعہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ خیر مقدمی کلمات اور
تعارفی تقریر مولانا حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف (ناظم و بانی جامعہ) کی ہوئی۔
اختتامی خطاب اور کلمات تشکر مولانا عبدالغفار حسن صاحب (استاذ جامعہ اسلامیہ
مدینہ منورہ) نے ادا فرمائے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين ومن
تعلمهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين
هو الذي بعث في الامم رسولا منهم يتلوا عليهم
آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة.

عہد حاضر کا چیلنج اور امت محمدیہ کے فرائض

حضرات ذمہ داران جامعہ، اساتذہ جامعہ اور عزیز طلبہ!

مجھے آپ کی اس مجلس میں شرکت سے مسرت ہے اور یہاں میں کوئی ادنیٰ ذمہ داری محسوس
نہیں کرتا اور مجھے محسوس بھی نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے کہ یہ سب حضرات ہم زبان اور ہم
خیال ہیں، اور ایک ہی شے کے سوار اور ایک ہی قافلہ کے مسافر ہیں، علم دین کا قافلہ اور
اسلام کی دعوت اور ترجمانی کا قافلہ ہے۔

عصر جدید کا چیلنج

میں سمجھتا ہوں کہ عصرِ جدید کا سب سے بڑا فتنہ اور جدید اصطلاح میں چیلنج، مادیت، نفس پرستی اور دولت ہے۔ یہ فتنہ ہر زمانہ میں رہا ہے، لیکن یہ فتنہ اس زمانہ میں جس طرح منظم، طاقتور دلائل اور فلسفوں سے مسلح سامنے آیا ہے، اس طریقہ سے کبھی نہیں آیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ دور میں مادیت کے عروج کے زمانے میں بھی جو لوگ مادیت کے نقطہٴ عروج پر تھے وہ بھی احساسِ کمتری کا شکار تھے، وہ اپنی، دتوں کے غلام اور دولت و اقتدار کے پرستار تھے، لیکن ان کو اس پر فخر نہیں تھا، بلکہ وہ پچھتہ مند، شرمندہ نظر آتے تھے، ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم کوئی غلطی کر رہے ہیں، ہم اپنے نفس کی تسکین تو کر رہے ہیں لیکن دماغور کی تسکین سے عاجز ہیں، آپ اس زمانہ کی تاریخ پڑھئے اور مادیت کے علمبرداروں کی نفسیات کا مطالعہ کیجئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ کی جو روحانی ہستیاں تھیں، بلکہ جو لوگ پستیوں سے بلند تھے، یہ دنیا داران کے سامنے جھک جاتے، ان کا ادب کرتے تھے، ان کے سامنے آنے سے کتراتے تھے، شرماتے تھے، ان کے آنکھیں ملانے کی تاب نہیں رکھتے تھے، ان کے پہلو میں نفس ”لوامہ“ تھا، یعنی وہ ضمیر جس کو اپنے جرم کا احساس ہو، ان کا ضمیر بھی اس قسم کا تھا، سارے مظالم کے باوجود وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ٹھیک راستہ سے ہٹ گئے ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ جو مادیت کے بامِ عروج پر تھے وہ بھی مرتبہ خلوتوں میں روتے تھے، اور بعض مرتبہ جب ان کا ضمیر بیدار ہوتا تھا اپنی زبان سے اقرار بھی کر لیتے تھے کہ ہمارا راستہ غلط ہے اور ہم نفس پرستی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشرقی اور مغربی کیمپ کا واحد نقطہ نظر

لیکن اس زمانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مادیت کو ترقی و شائستگی کا منتهی سمجھا جاتا ہے، مادیت کے بارے میں مغربی اور مشرقی کیمپ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف یہ ہے کہ مادیت کی تنظیم کس طرح کی جائے اور یہ کس فلسفہ اور کس مکتب فکر کے ہاتھ میں رہے؟ امریکہ کا اصرار ہے کہ اپنی ملکیت میں آزادانہ تصرف اور اس کے استعمال کی آزادی رکھنے کا اصول صحیح ہے، اور مشرقی کیمپ روسی کمیونسٹ بلک س پر یقین رکھتا ہے اور اس کی دعوت دیتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ یا خاندان کی اجارہ داری غلط ہے، وسائل زندگی کو عام کرنا چاہئے اور اس میں پوری مساوات ہونی چاہئے اور اس کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے، لیکن زندگی کس طرح گزارنی چاہئے؟ زندگی کی طاقتوں کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ زندگی کی تنظیم کس طرح کی جائے اور وسائل و مقصد میں کس طرح ہم آہنگی اور تعاون بنانا چاہئے؟ پھر اس کے نتائج سے کس طرح متمتع ہوا جائے اور اپنی زندگی کا منتهی، منزل مقصود کس کو بنانا چاہئے؟ انسان کی ترقی کا مدار کس میں پنہاں ہے؟ اس بارے میں ان دونوں فلسفوں میں کوئی اختلاف نہیں وہ دونوں اس چیز کے قائل ہیں کہ اصل چیز لذت، عزت اور ارادہ کی آزادی ہے جو جی میں آئے کرنا اور اپنے نفس کو تمتع کا پورا موقع دینا، اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنا اور نفس کے جو حقوق ہیں ان کو پورا کرنا، اس مادی جسم کو گوشت پوست کے جسم کو آرام پہنچانا یہی اصل مقصود ہے، نہ کہیں سے آئے تھے، نہ کہیں جانا ہے، نہ کسی سے سامنے حساب کتاب پیش کرنا ہے اور نہ اس سے بلند و بالا کون فلسفہ اخلاق ہے، نہ فلسفہ روحانیت ہے، نہ کوئی فلسفہ عقائد ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی حقائق ہی ہیں، حقیقت مطلق، حقیقت کلی یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ ہم اس کے ذخائر اور مواقع سے فائدہ اٹھائیں، ان کو آپس میں بانٹ کر

کھائیں اور زندگی کا لطف اٹھائیں۔ اس میں جو چیز بھی حائل ہو اس کو دور کر دینا چاہئے، یعنی مقصد ہے تو نفع اٹھانا، لیکن جو چیزیں حائل ہیں ان کی تعیین میں ان میں اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے اس میں شاہی حائل ہے، ایک خاندان کی مطلق العنانی حائل ہے، کوئی کہتا ہے اس میں ذاتی ملکیت حائل ہے، کوئی کہتا ہے اس میں سرمایہ حائل ہے اور سرمایہ داری کا استحصال حائل ہے، کوئی کہتا ہے کہ غلط تقسیم اس میں حائل ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس میں جہل حائل ہے، کوئی کہتا ہے کہ کمیس اچھے ادارہ اور طاقت کا فقدان، جو ان سب وسائل کو سب پر تقسیم کرے، حائل ہے، غرض یہ کہ جو اجزاء اور عوامل ہیں ان کے درمیان اختلاف ہے، لیکن مقصود میں کوئی اختلاف نہیں، اس زمانہ میں مادیت کی جو تنظیم ہو گئی ہے، جس طرح اس کو ریفائن (REFINE) کیا گیا ہے، جیسے شاندار نام دیئے گئے ہیں، جس طرح اس پر خوبصورت لیبل لگائے گئے ہیں، جس طرح کی توانائیاں اور صلاحیتیں کام کر رہی ہیں، جس طرح مادیت کو عام کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنانے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں، ہمارے علم میں انسانی تاریخ کے کسی دور میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔

سب سے بڑا چیلنج مادیت

اس طرح اس دور کا سب سے بڑا چیلنج مادیت کا چیلنج ہے، یہ ایک ایسی نئی حقیقت ہے جس کے اصول و انواع تو سیکڑوں ہو سکتے ہیں، لیکن جنس ایک ہے، اور وہ جنس مادیت ہے، اب اس کے انواع میں سرمایہ داری ہے، اشتراکیت بھی ہے، اشتمالیت (کیونزم) بھی ہے اور دوسرے اقتصادی فلسفے بھی ہیں، لیکن سب کا منتہی اور ”نقطہ جامعہ قدر مشترک“ (COMMON FACTOR) مادیت ہے، نفس پرستی ہے۔

وہ حقائق جو مادیت پر ضرب کاری لگاتے ہیں

جب انسان اپنے پیٹ کا، اپنے معدے کا غلام تھا، اپنی اندرونی سقلی خواہشات کا غلام تھا، جب انسان دولت، عورت، زمین کے سوا کسی کو حقیقی نہیں مانتا تھا، جب دنیا کی کثیر آبادی مخلوق کے سامنے جھکتی تھی اور اس کے سامنے دبتی تھی، انبیاء عیہم السلام اپنے اپنے دور میں تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ اس عالم سے ماورائیک عالم ہے، وہ عالم اس عالم سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ رفیق، کہیں زیادہ حسین و جمیل ہے، اس عالم کو اگر تم دیکھ لو تو اس عالم کا نور اکرنا مشکل ہوگا۔ اس عالم میں زندگی گزارنا ایسا ہوگا جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، جیسے کسی آزاد پرندے کو کسی پنجرے میں بند کر دیا جائے اور وہ پنجرہ بھی بہت تنگ ہو، وہ پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔ اسی طریقہ سے اگر تم اس عالم کو دیکھ لو تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں اور تم کو اس دنیا سے گھٹن آنے لگے جس دنیا کو تم سب کچھ سمجھ رہے ہو جس دنیا پر تم اپنی عزیز متاع، روحانیت کی، مہم کی، اخلاق و قربان کر رہے ہو، اس عالم سے تمہیں گھٹن آنے لگے، جس طرح کسی کو ایک منٹ کے لئے گند کی کسی بہت بڑے ذخیرے پر کھڑا کر دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور اس بوملی آنے لگتی ہے، یہ وہ چیز ہے جو قرآن نے صحف سماوی نے اپنے اپنے طور پر بیان کی ہے ”قل متاع الدنیا قليل“ کہیں حطام کے فط سے اس کی تعبیر دی، کہیں زرع کے فط سے ادا آیا، یہ حطام ہے یعنی چورا ہے، جیسے کھیتی کا چورا ہوتا ہے۔ ویسے ہی یہ بھوسا ہے، نہیں اس کو ”کزر ع اعجب الکفار بآتہ“ کہ کسان کی کھیتی بہہائی تو اس کو بڑی بھٹی ملی اور اس کے رال ٹپکنے لگی، اور اس نے کہا کہ کیسا اچھا یہ پھن ہے جو کھلا ہے، کیسی یہ بھیتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد خزاں کا ایک جھونکا چلا آیا کسان کی درانتی اس پر چلی تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔

باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے

سب سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کی یہ حقیقت منکشف کی کہ دنیا بچوں کا کھیل ہے، جیسے ریت پر بیٹھے وہ گھر بناتے ہیں، محل بناتے ہیں، گھر وندے بناتے ہیں، پھر اپنے ہاتھ سے توڑ دیتے ہیں پھر بناتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور پھر خود ہی توڑ دیتے ہیں، یہ دنیا باز بچہ اطفال ہے یہ دنیا ان عقلاء کے سامنے، عارفین کے سامنے جن پر اللہ نے یہ حقیقت منکشف کی، اُس آپ تاریخ پڑھیں تو آپ کو یہ سب کچھ نظر آئے گا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا

بغداد میں ایک مرتبہ ہم نے وہ میوزیم دیکھا جو ماقبل تاریخ کے مختلف تمدنوں، تہذیبوں، وادئ فرات کی تہذیبیں، نمرود وغیرہ کا زمانہ اور نہ معومہ کون کون سی سلطنتوں کے آثار تاریخی یادگار کے طور پر سجائے رکھے ہیں، پھر اس کے بعد تاریخ کا سفر کرتے کرتے عہد عباسی اس کے بعد سلجوقیوں کا زمانہ، تاتاریوں اور مغلوں کا زمانہ، ترکوں کا زمانہ، انگریزوں کا زمانہ، فیصل بن حسین کا زمانہ سامنے آیا، آپ یقین مانیں اتنی دیر میں مجھے دنیا کے تغیر و تبدل سے متلی آنے لگی جیسے کوئی ٹرووی چیز کھڑے یا کوئی اوورڈوز (OVER DOSE) ہو جانے۔ میں تھک گیا اور مجھے معومہ ہوا کہ یہ سب تماشائی تماشہ ہے، یہ وہ سلطنتیں ہیں جن کو زوال کی منزل طے کرنے اور ختم کرنے میں ہزار سہاں لگے، کسی کو پانچ سو برس لگے ہیں مگر ہم کو یہ معومہ ہونے لگا کہ گھنٹوں کا معامہ ہے جو محض دھوکا تھا۔ یا خواب تھا، جن کو لوگ سمجھے ایک ہزار برس تھا ہم نے ان کا انجام دیکھ لیا، ہم ایک جگہ کھڑے ہیں جہاں انسانیت کا مہر ہے اور طے پر کھڑے ہیں، ایسے ہی ہمارے بعد جو لوگ آئیں گے اور وہ یہی دیکھیں گے۔ ”قل متاع الدنیا قلیل“ ہم جس کو طویل سمجھ

رہے ہیں وہ کتنا قلیل ہے۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے

خدا کو اس دنیا کو آباد رکھنا ہے، اس لئے خدا نے یہ دنیا عام انسانوں پر ایسی منکشف نہیں کی ہے، جیسے عرفین پر منکشف کی تھی، ورنہ یہ دنیا ویران ہو جاتی، اس دنیا میں مکان بنانے میں کسی کا دل ملتا اور نہ کارخانہ اور فیکٹری قائم کرنے میں کسی کا دل لگتا۔ یہ حکمت الہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو آنکھوں سے روپوش کر رکھا ہے، ورنہ اگر یہ حقیقت منکشف ہو جائے اور آخر میں جو کچھ ہونے والا ہے پہلے اگر دکھ دیا جائے تو انسان سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا، یا تو اس کا دم نکل جائے گا یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے گا اور انگلی ہلانا اس کا مشکل ہو جائے گا۔ یہ تو انبیاء علیہم السلام کا جگر اور ان کے نائبین کا جگر تھا کہ سب جانتے ہوئے انھوں نے دنیا کے حقوق ادا کئے، اپنے عزیزوں کے حقوق ادا کئے، ہمسایوں کے حقوق ادا کئے اور انسانوں کے حقوق ادا کئے، رہے تو سیدہ کے ساتھ رہے، ذوق کے ساتھ رہے، اطمینان کے ساتھ رہے، عزم کے ساتھ رہے، اپنی صلاحیت کو انھوں نے استعمال کیا، جس شہر میں رہے، جس محلہ میں رہے، اس کو صاف کیا، لیکن دل انھوں نے ایک منٹ کے لئے بھی اس میں نہیں لگایا اور برابر کہتے رہے ”اللھم لا یشئ الا عیش الاخرۃ“ کیونکہ اس کا انجام جانتے تھے، اور پھر اس کے بعد انھوں نے تعمیر بھی کی مسجدیں بھی بنائیں، اسلام بھی پھیلایا، فتوحات بھی کیں، ملکوں کو اللہ کی قمر و میں شامل بھی کیا، نئے نئے علوم و فنون وجود میں لائے، تاریخ کی انھوں نے ایسی بنیاد رکھی جو آج تک مستحکم ہے، یہ سب کچھ کیا، لیکن فرق یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو آخری منزل نہیں سمجھتے تھے، وہ اس دنیا کو ابتدائی منزل سمجھتے تھے، اور یہ ہم میں اور ان میں فرق ہے۔

مادیت کے راکب یا مرکب

اس وقت مادیت کا جو جادو تھا وہ جادو لوگ توڑتے تھے جو اس مادیت سے اپنے آپ کو آزاد کر چکے تھے، جو مادیت کے غلام نہیں تھے، جن کا یہ حال تھا کہ مادیت کو انھوں نے تابع کر رکھا تھا، وہ مادیت کے تابع نہیں تھے، مادیت کے راکب (سوار) تھے، مادیت کے مرکب (سواری) نہیں تھے۔ آج اصل فرق یہ ہے کہ مادیت کے ہم مرکب ہیں یا ایسے بے اختیار راکب کہ

”نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں“

اور یہ ہماری حالت ہے کہ جیسے کوئی گھوڑا چھوٹ جائے اور اس کا راکب بے اختیار ہو جائے، مادیت ہمیں سرپٹ دوڑائے پھر رہی ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس گھوڑے کو کس طرف موڑیں گے اور اس کو کس طرح چھوڑیں گے، دونوں باتیں ہمارے اختیار میں نہیں، خندق میں لے کر کود جائے گا، کسی کھائی میں چھلانگ لگائے گا، سمندر میں کود جائے گا، ہمیں پتہ نہیں، تو اس وقت ہمارے پورے تمدن کا یہ حال ہے کہ تمدن ہمارے اختیار میں نہیں رہا، تمدن کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، مادیت کو ہمیشہ ان لوگوں نے چیلنج کیا اور ان لوگوں کے چیلنج کو اس نے قبول کیا جو اس سطح سے بلند تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت عطا فرمائی تھی، جو بادشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، وہ بادشاہوں سے اس طرح باتیں کرتے تھے جس طرح مریضوں سے باتیں کرتے ہیں، وہ ان کو مریض سمجھتے تھے، ان پر رحم کھاتے تھے، اپنے حال پر خوش تھے، ان کو ان بادشاہوں پر ترس آتا تھا کہ غریب کس مصیبت میں گرفتار ہیں، اور اس میں تصنع نام کو نہ تھا، واقعی ان کے دل میں درد ہوتا تھا، دیکھئے ربیع بن عامر سے رستم نے جب پوچھا کہ تم کیسے آئے ہو؟ تو کہا کہ تم کو دنیا کی کال کوٹھری سے نکال کر دنیا کی وسیع فضا میں داخل

کرنے آئے ہیں، میں نے ابو ظہبی کی ایک تقریر میں کہا کہ اگر وہ اللہ کا بندہ کہتا کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں داخل کرنے آئے ہیں تو مجھے ذرا تعجب نہ ہوتا، یہ تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ”الدنيا سجن المومن وحنه الكافر“ دنیا تو ایک قفس اور پنجرہ ہے، لیکن مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کے اس بندے نے جو پیٹ پر پتھر باندھتے ہوگا، جس کے پاس ضرورت کا راشن نہیں ہوگا اور جسم پر چیتھڑے پیٹے ہوگا، یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ ہم تم کو دنیا کی کال کوٹھری سے نکال کر، جس میں تم بند ہو، وسیع فضا میں منتقل کرنے آئے ہیں، کیا عرب کی فضا وسیع تھی؟ کیا عرب میں وسائل معیشت محدود ہی نہیں بندہ تقریباً معدوم نہیں تھے؟ پیٹ بھر کھانا بھی لوگوں کو نہیں ملتا تھا، جہاں وہ اونٹوں کی کھال کے بنے ہوئے خیموں کے اندر اور مٹی کے بنے ہوئے بھونپڑوں کے اندر رہتے تھے، جہاں ان کو نیا شکار مل گیا یا اپنے ہی ہنٹوں کو ذبح کر لیا تو گویا ن کی عید ہوئی، اس دن معلوم ہوتا تھا کہ رزق کے دروازے کھل گئے، یہ دیکھ کر اللہ کے اس بندے نے کہا کہ تم اپنی خیر لو، تم تو پنجرے میں گرفتار ہو، تھوڑے سے دانے اس دیئے گئے ہیں اور تم اس کو کھا کر خوش ہو رہے ہو، ہم آئے ہیں تاکہ تم کو آزادی دیں، یہ مسلمان کی اس وقت کی نظر تھی، اور یہ اس وقت کے مہارے ربانی تھے، لوگ ان کے پاس جا کر روادیت کا مدح کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی بد میں مبتلا ہیں اور یہ لوگ یہاں عیش کر رہے ہیں اور تن جنت میں رہ رہے ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام بن تیمیہ کا مقولہ ہے ”الحمة فی صدری“ میری جنت میرے سینے کے اندر ہے، اس لئے کہ ان کو اللہ پر بھروسہ تھا، وہ کسی چیز سے ڈرتے نہیں تھے، ہر وقت سُکر کا طلبہ تھا، نماز میں ان کو لذت اور دعا میں ان کو وحدت محسوس ہوتی تھی اور ہر وقت جنت ہی جنت میں لوٹتے پوٹتے رہتے تھے، دیکھنے والے دیکھتے تھے وہ دنیا میں ہیں لیکن حقیقت میں وہ جنت الفراعین میں تھے، اور ایک مرتبہ جوش میں آ کر کہا کہ لوگ میرا کیا لیں گے مجھ سے کیا چھین سکیں گے؟

گے، میرے عیش کا سامان تو میرے دل کے اندر ہے، اس کو کون نکال سکتا ہے، بعض عرفوں کا قول سنا ہے کہ ”خدا کی قسم اگر دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کس عیش میں، کس مزے میں ہیں تو ہم کو بیٹھنے نہ دیں، تلواریں لے کر جس طرح ملکوں پر حملہ کرتے ہیں اسی طرح ہم پر حملہ کریں اور تھوڑی سی جگہ جو ہم نے بنائی ہے، ایک گوشہ میں یا مسجد کے کونے میں، ہمیں یہاں بھی بیٹھنے نہ دیں، سمجھیں کہ یہاں کوئی خزانہ گڑا ہوا ہے یہ جو فرش پر بچھا کر بیٹھا ہے، اتنا مگن ہے کہ اس کو نہ بھوک معلوم ہوتی ہے اور نہ پیاس معلوم ہوتی ہے اس کی جائے نماز کے نیچے ایک سوتا ہے، کنکاشن ہے، جہاں سے رزق ملتا ہے، جہاں سے فرحت اُبلتی ہے، تو وہ ہمیں اٹھا دیں اس مصلے سے اور ہم سے کہیں کہ جنگل کی راہ لو، اور بیٹھ کر وہاں کھدائی کریں جیسے پٹرول کی کھدائی ہوتی ہے۔

قناعت کا جوہر

حضرات! اصل چیز کا مقابہ وہ علماء کر سکتے ہیں، جن کے اندر قناعت کا جوہر ہو، جو کسی دام میں نہ تو آسکیں اور کہیں نہ

بردایں دام ہر مرغ و گرنہ

کہ غفرا بلند است آشیانہ

جاد کسی اور کو آرزو ہم بکنے والے نہیں ہیں، ہم سکون کے عوض یا تمہارے عہدوں کے عوض، سری کے عوض، یا عزت کے عوض ہم اپنا ضمیر بیچ ڈالیں، اپنا سکون قلب بیچ ڈالیں، یہ نہیں ہوگا، اس کی امید نہ روچنا نیچے آپ رفیقین کو دیکھیں، حضرت مرزا مظہر جانان شہید کو بادشاہ دہلی نے پیغہ مر دیا کہ حضرت مجھے کبھی خدمت کا موقع نہیں دیتے کبھی تو خدمت کا موقع دیں، ابھی تو فرمائش کریں، اور ہزار روپے کی رقم پیش کرنی چاہی تو فرمایا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”قل متاع الدنیا قلیل“ اس دنیا میں سے ایک برا عظیم

ایش ہے اور اس میں سے ایک ملک ہندوستان ہے، ہندوستان میں سے تھوڑا سا پی کھپی آپ کے پاس ہے، اب اگر اس میں بھی کمی کر دوں جو تھوڑا سا رہ گیا ہے اس میں بھی حصہ بناؤں، یہ میں نہیں کر سکتا، تو انھوں نے بالکل دل سے یہ بات کہی تھی۔ واقعتاً تو بہت ہیں۔

برہان پور میں ایک بزرگ تھے، ان کے پاس عالمگیری نے جانا شروع کیا وہ فرما نے لگے کہ ایک جگہ میں نے اپنے لئے انتخاب کی تھی، اگر بادشاہ کو وہ بھی پسند آگئی ہے تو میں کہیں اور چل جاؤں، افسوس ہے کہ بزرگانِ دین کے حالات اس طرح دکھائے گئے ہیں کہ ان کے اتباعِ شریعت کا جذبہ، اتباعِ سنت کا جذبہ، ان کی شب بیداری، ان کا قرآن و حدیث سے شغف یہ سب چیزیں تو بالکل منہی ہو گئیں، ان کا ذکر نہیں آتا بقول مصنف تاریخ گجرات (مولانا حنیف سید عبدالحی) جس بزرگ کی سوانح پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ قانونِ قدرت توڑنے کے سوا ان کا کوئی محبوب مشغلہ نہیں تھا، اور وہ عناصرِ اربعہ اور مولید مثلاً شہ پر ہر وقت اپنی حکومت ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس کو مارا، اس کو گرایا، اگر مرا ہوا ہے تو زندہ کر دیا، اگر زندہ ہے تو مار دیا، کشتی ڈوب گئی تو اس کو انگلیوں کے اشارے سے نکال دیا۔ ان بزرگوں کی تاریخیں بڑے غلط طریقہ سے لکھی گئی ہیں، یہ حضرات درحقیقت بڑے اہل علم تھے ہو سکتا ہے بعض حضرات سے حدیث کے صحیح نہ پہنچنے یا حدیث کے علم کی کمی کی وجہ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو گئی ہوں جن کی حدیث سے تائید نہیں ہوتی، لیکن عام طور سے یہ حضرات بڑے اہل علم تھے اور علم کے بغیر کسی کو مسندِ ارشاد پر بٹھا نہیں سکتے تھے۔

میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیہم

ایاتہ ویرکبہم ویعلمہم الکتب والحکمۃ

یہ ہیں نبوت کے چار شعبے جو اللہ تعالیٰ ان کے نابین کو بطریق نیابت، بطریق خلافت عطا فرماتا ہے، ایک تو یہ تلاوت القرآن جس کا آپ نے نمونہ دیکھا کئی قاریوں نے پڑھ کر سنایا اور ہر جسہ بین سنانے کا رواج ہے اور ہر مدرسہ میں حفظ و تجوید کا انتظام ہے، اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تاقیامت رہے گا۔ ”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون۔“ اس کے بعد بعض آیتوں میں آتا ہے ”یتلوا علیہم آیاتہ و یعلمہم الکتب“ تعلیم کتاب و حکمت کو مقدم کیا ہے اور یہ سیاق و سباق کے مطابق ہے، یہ بڑے اہل نظر کا کام ہے، وہ بتائے گا کہ یہاں کیوں مقدم کیا ہے اور یہاں کیوں موخر کیا ہے، کیا ماحول ہے، سورۃ کا مرکزی نکتہ کیا ہے، یہ تو کام کرنے کا ہے، کتاب کی تعلیم یہ علوم دینیہ ہیں قرآن و حدیث میں تفسیر ہے۔

حکمت سے مراد اخلاق

حکمت سے مراد اخلاق و فضلہ ہیں جیسا کہ ہمارے استاذ اور اپنے زمانہ کے محقق مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق ہے کہ حکمت کا لفظ جہاں جہاں قرآن میں آیا ہے اس سے مراد اخلاق ہے۔ ”ولقد اتینا لقمان الحکمة“ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اخلاق ہی اخلاق ہے۔ پہلے حکمت کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر اس کی جو انواع بیان کی ہیں، وہ سب اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں، سورۃ اسریٰ میں سارے اخلاق بیان کرنے کے بعد فرمایا، ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمة (اے پیغمبر یہ ان ہدایتوں میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں۔ یہاں اخلاق و فضلہ بیان کرنے کے بعد حکمت کا لفظ استعمال ہوا، معلوم ہوا کہ حکمت سے مراد اخلاق ہے، اخلاق فاضلہ۔

ترکیہ کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ناقص

اس کے بعد نفس کا ترکیہ آتا ہے، اخلاقِ رفیلہ کو نکال دیتا ہے، حسد کو، قہر کو دور کرتا ہے، حبِ دنیا اور حبِ جاہ کو نکالتا ہے، اس کے بجائے اللہ کی محبت، آخرت کا، جنت کا شوق دل میں بٹھاتا ہے کوئی بھی جامعہ یا دارالعلوم ہو، اس کا مقصد ان فضلاء کو تیار کرنا ہے جو تلاوت، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور ترکیہ چاروں شعبوں میں انبیاءِ کرامؑ کی نیابت کا حق ادا کر سکیں تلاوت و حکمت ناقص رہے گی جب تک کہ ترکیہ اس کے ساتھ نہ ہو، یعنی ہمارے علماء نفس کی نہ، مٹی کے پھندے سے نکل چکے ہوں، ان کو دولت اور عزت کی بڑی سے بڑی مقدار، اپنے اصولوں سے اپنی دعوت سے اپنے معیار سے، اپنی تعلیم سے، اپنی زندگی کے نہج سے نہ ہٹ سکے۔

آج عرب و عجم میں کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اگر کمی ہے تو زائدانہ زندگی اور قناعت کی، آدمی وہاں جھکتا ہے جہاں وہ چیز اس کو ملے جو اس کے پاس نہ ہو، یہ قاعدہ ہے میرے پاس اگر کوئی چیز نہیں ہے تو میں مرعوب ہوں گا، لیکن میرے پاس اگر انیس بیس کے فرق کے ساتھ وہ چیز موجود ہے تو میں مار نہیں کھاؤں گا، میں سر نہیں جھکاؤں گا تو اب جو لوگ مادیت پرست ہیں، مادیت کے زخم خوردہ ہیں، یہ جب علماء کے پاس جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کسی چیز میں بھی یہ ہم سے کم نہیں ہیں اور پھر ان کے گھروں کا نقشہ دیکھتے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی اور معاشرت دیکھتے ہیں، معیار زندگی دیکھتے ہیں تو متاثر ہونے کے بجائے ان کی بد اعتقادی بڑھ جاتی ہے، آج پاکستان میں وہ علماء تیار ہوں جو ”یتلو علیہم آیاتہ و یعلمہم الکتب و الحکمۃ و یزکیہم“ پر عامل ہوں، جو نبوی وراثت کے حامل ہوں۔ ”ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهماً و لکن ورثوا ہدای العلم“ عصر حاضر کا چیلنج ہے مادیت اور اس کا جواب ہے۔ مادیت سے بالاتری،

مادیت کی سطح سے بند ہونا اور یہ ثابت کرنا کہ مادیت ہم کو متاثر نہیں کر سکتی، اور ہم مادیت کے غلام نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم حیبات کو اپنے اوپر حرام کر لیں ”قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق. يا ايها النسي لم تحرم ما احل الله لك.“ جب حضورؐ سے کہہ دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں ہم مباحات سے پورا فائدہ اٹھائیں، ہم اللہ کی نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، ہم اگر لذت کھانا کھا سکتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کو بے مذت نہ بنائیں، جیسے بعض بعض غالی صوفیوں کے متعلق سنا کہ سالن میں پانی اوپر سے ڈال دیا تا کہ بے مزہ ہو جائے، پڑوسیوں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں بلکہ بے مذت بنانے کے لئے، یا بہت سنا کہ ذال دیا یا بے نمک کھا رہے ہیں تا کہ کوئی لذت حاصل نہ ہو، یہ تو کیا اسلام کا تزکیہ نہیں، شریعت اس کی ہمت افزائی نہیں کرتی، آپؐ کو اگر متوسط درجہ کا خوش ذائقہ کھانا میسر ہے تو ضرور اللہ کا شکر ادا کریں اور ہر قلم پر شکر کریں، لیکن ہوس ”ہل من مريد“ جو آج ہر طبقہ میں گئی ہے، سرمایہ کی کوئی مقدار، عزت کی کوئی مقدار اس کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اور ”ہل من مريد“ کا نعرہ بلند ہوتا ہے، عہد اس سے بالکل ممتاز متمیز اور نمایاں ہوں۔

چند بور یہ نشینوں کی ضرورت

آج پاکستان کو بچانے کے لئے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے جن کو کراچی سے اسلام آباد تک اور اسلام آباد سے اس فیصل آباد تک کہتا چلا آ رہا ہوں، ان میں سے ایک بڑا عنصر اور ایک بہت بڑی طاقت عہد کی زائدانہ قناعت والی اور خود داری والی زندگی ہے، علماء ایسی زندگی کا نمونہ پیش کریں کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اور ہی طبقہ کے لوگ ہیں، یہ وراثت انبیاء کے وارث ہیں، یہ نائبین انبیاء ہیں، یہ مادیت کے زخم خوردہ اور اس کے قتل اور شہید نہیں، جن کے پاس جا کر دنیا کی بے حقیقتی ظاہر ہو اور کم سے کم یہ

معلوم ہو کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہے، جس کو سو بار غرض ہو وہ یہاں آئے، ہم کسی کے دروازے پر نہیں جاتے، اس جاتے ہیں تو دین کی دعوت لے کر جائیں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جائیں گے، کسی فریضہ، کسی سنت کے احیاء کے لئے جائیں گے اپنی غرض کے لئے کسی کی سفارش کے لئے نہیں جائیں گے۔

اس خلا کو کوئی چیز پر نہیں کر سکتی

یہ پاکستان کی شدید ترین ضرورت ہے، اس خلا، کو کوئی اور چیز پر نہیں کر سکتی، تصنیف و تالیف، خطابت، تحقیق، سیاست، سحر بیانی، کوئی چیز اس کمی کو پر نہیں کر سکتی، یہاں کچھ آدمی ایسے چاہئیں جن کے پاس طاقت والے، سیاست والے آنے پر مجبور ہوں اور اپنے درد دل کی دوا پائیں اور ان کو محسوس ہو کہ خاصانِ خدا کیسے ہوتے ہیں، ہم بالکل بے حقیقت انسان معصوم ہوتے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ تزکیہ و احسان کی اگر آپ کے نزدیک ضرورت نہیں تو اس کی جگہ پر کوئی چیز ایسی ہو جو وہ کام کرے جو وہ کرتی رہی ہے، یعنی جہاں آکر لوگوں کو اپنے اخلاق کی خرابی کا احساس ہو۔ اپنی انسانی پستی، اندورنی بیماری کا کچھ احساس ہو جہاں آکر ایک نئی طاقت، یہ نئی روح آدمی کو وصل ہو، میں نے عربی شاعر حدید کے اس شعر پر اس مضمون کو ختم کیا تھا۔

اقلوا علیہم لا ابالایکم

من اللوم أو سئل والمكان الذی مقدوا

”بس بہت ملامت ہو چکی، ان کو تم نے بہت مٹی میں ملایا اور

بہت ذلیل کیا، اب ملامت کو کم کرو، اس جگہ کو بھرو جس جگہ کو

انہوں نے بھر رکھا تھا۔“

آپ ایک ڈاکٹر کا شفا خانہ بند کرتے ہیں تو خدا کے لئے کوئی دوسرا شفا خانہ اس سے بہتر تو قائم کیجئے۔ شفا خانہ تو آپ نے بند کر دیا اور کوئی دوسرا شفا خانہ قائم نہیں کیا اور اس کے بجائے آپ نے سبیل لگا دی، اس کے بجائے آپ نے کتب خانہ کھول دیا، کتب خانہ بہت مبارک، لیکن وہ شفا خانہ نہ جگہ نہیں لے سکتا، شفا خانہ کی جگہ شفا خانہ ہی لے سکتا ہے، طبیب کی جگہ طبیب ہی لے سکتا ہے، اس زمانہ کا چیلنج ہے مادیت اور اس کا جواب حقیقی، صحیح شرعی، مسنون روحانیت، تزکیہ نفس، جس میں کوئی چیز خلاف شریعت نہ ہو کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی نظیر کتاب و سنت میں اور عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نہ مل سکے۔ ایک طرف تو وہ راسخ فی العمم ہوں اور ایک طرف راسخ فی الدین ہوں، بس میں اس پر ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس راستہ پر چننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

زبردست چیلنج اور دودرس نتائج کے حامل خطرات

زیر نظر تقریر میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ نے طلبہ علوم دینیہ اور علماء کرام سے خطاب کرتے ہوئے انہیں مدارس کے مقاصد بڑے اچھے انداز میں سمجھائے ہیں۔ ساتھ ہی موجودہ فتنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی ہے، ان فتنوں سے باخبر ہونا اور ان کا موثر و طاقتور زبان اور قلمی اسلوب میں مقابلہ کرنا وقت کا بنیادی تقاضا فرمایا ہے اور ہمارے طلبہ واساتذہ کرام کو عربی زبان پر مہارت حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور انگریزی زبان میں کمزوری پیدا کرنے کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على
رسول الله صلى الله عليه وسلم اما بعد!
فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن
الرحيم "وما كان المؤمنون لينفروا كافة ، فلولا
سعر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين
ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون.

حضرات! اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا قرآن مجید میں مدارس دینیہ کا تذکرہ ہے، کیا ان کے فرائض اور واجبات کا ذکر ہے؟ تو میں کہوں گا کہ قیامت تک کے لئے اس آیت میں مدارس کے فرائض اور ذمہ داریوں کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ اس آیت

میں مدارس کی ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ ”ایسا کیوں نہیں ہوا کہ مومنوں کی ہر جماعت میں سے ایک جماعت دین میں سمجھ پیدا کرنے کیلئے گھروں سے نکل کھڑی ہوتی، تاکہ جب یہ لوگ دین سیکھ کر اور اس میں سمجھ پیدا کر کے اپنے ملک و قوم میں واپس جائیں تو انہیں عصر حاضر کے فتنوں سے ڈرائیں اور یا خبر برس، تاکہ ان کی قوم ان فتنوں سے چوکنہ ہو جائے اور ان سے بچنے کی کوشش کرے۔“ حقیقت میں مدارس کا کام یہی ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کریں جو اپنے زمانے کے نئے نئے فتنوں اور سازشوں سے واقف ہوں اور ان کے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔

تاریخی خطرات

حضرات! تاریخ کے ایک طالب اور مشرق و مغرب کو قریب سے دیکھنے اور ایک تجربہ کار واقف کار کی حیثیت سے میں عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں دو بڑے عالمگیر خطرات پیدا ہوئے، ایک تو صیہبی حملہ تھا، جس کا مقصد صرف بیت المقدس پر قبضہ کرنا نہ تھا، بلکہ ان کے پیش نظر حرمین شریفین پر قبضہ کرنا بھی تھا، اُس سلطان صلاح الدین ایوبی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ کھڑا کیا ہوتا تو خدا نخواستہ آج عالم اسلام کا وجود ختم ہو گیا ہوتا۔ ایک مرد غیب پیدا ہوا، اس نے مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو یکجا کیا اور پوری قوت سے صلیبیوں پر ضرب لگائی اور ان کو ایسی شکست دی کہ پھر دوبارہ عالم اسلام پر یورش کی جرات انہیں نہ ہو سکی، اس یورش کے پیچھے کوئی دعوت و تحریک اور فلسفہ نہیں تھا،

دوسرا خطرہ تاتاری یورش کی صورت میں سامنے آیا۔ تاتاری جیسی وحشی قوم نے عالم اسلام پر زبردست حملہ کیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ان کا نشانہ اگرچہ عراق، ایران اور ترکستان تھے، اور انہوں نے انہیں پوری طرح تاراج کر کے رکھ دیا تھا، لیکن ان تاتاریوں کی ہیبت اور غیر معمولی دھاک دلوں پر ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں یہ

بات ضرب المثل بن گئی تھی۔ ”اذا قیل لک ان التبر قد ابهر مسوا، فلا تصدق۔“ (اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تاتاریوں کو شہت ہو گئی تو اس بات پر یقین نہ کرنا) اس طرح کہاں عراق و ایران اور کہاں انگلستان کا ساحل مورخین نے دکھایا ہے کہ تاتاریوں نے ہیت سے انگلستان کے ساحل پر پھیرے عرصہ تک شکار دھینے نہیں کئے۔ اس زمانہ میں یہ اندیشہ پیدا ہوا تھا کہ عالم سد مسیحی و ہادی لحاظ سے ختم ہو جائے گا۔ ان کے تمدنی نوعیت فوقی تھی، جسمانی اعتبار سے مسلمانوں کو قتل کرنا تھا، ان دنوں اس پورے سر تہ کوئی دعوت نہیں تھی اور نہ کوئی فلسفہ اور تحریک اس کے پس پردہ کام کر رہی تھی ورنہ ہی کوئی لچر اور تہذیب اور ثقافت کو ناب کرنے کا جذبہ ان تاتاریوں کے اندر کارفرما تھا، اندھائی نے اس فتنہ کو بھی ختم کرنے کے لئے مصری جنرل لقا برہیرس کو کھڑا کیا جس نے تاتاریوں کو شہت فاش دی، اور وہ بے اثر ہو کر رہ گئے، روحانی اعتبار سے بھی اسد مسیحی دعوت نے اس پوری قوم کو مسح کر لیا۔

”خبر ت! یمن آج کے دور میں جو زبردست چیلنج اور غیر معمولی دور رس اثرات و نتائج کے حامل خطرات ہیں وہ سپہ دو خطرات اور چینجوں سے کہیں زیادہ سنگین حد تک مضمر اور نقصان دہ ہیں۔ آج جدید عظیم یافتہ اور حکمران طبقہ کے دل و دماغ میں یہ بات پوری طرح رائج رہنے کی کوشش سیاست و اقتدار اور صفت کے ذریعہ کی جا رہی ہے کہ آج کے دور میں اسد مسیحی سردار نہیں، اس ترقی یافتہ سائنسی و مہین سلام کا بولی پیغام نہیں، وہ ایک پرانی یا کار ہے، وہ جدید دور کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس آج کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے یک زمانہ میں چھ سردار ادا کیا تھا، اس نے دختر شہی ختم کر دی تھی، علم کو اس نے فروغ دینے میں بڑا رول ادا کیا تھا، قدیم یہودی اور عیسائی مذاہب کی طرح اسلام بھی یک بے جا مذہب ہے، اس وقت یورپ و امریکہ کی پوری طاقت ان پر صرف ہو رہی ہے، آج اسرائیل کی موروثی ونسی ذہانیت و شہرت (چاقو،

اس میں تخریبی ذہانت بھی شامل ہے) اور امریکی وسائل و ذرائع، اس کی اعانت اور اثر و نفوذ سب اس بات پر صرف ہو رہے ہیں کہ عالم اسلام کے تمام ممالک حتیٰ کہ حرمین شریفین بھی اس سازش کا شکار ہو جائیں۔ ان مغربی طاقتوں نے عالم اسلام کے خزانوں و روہاں جہیدِ تقدیم یافتہ طبقہ کو یہ پوری طرح باور کر دیا ہے کہ اس وقت سیکورازم و قوم پرستی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مغرب کی مکمل تقلید ہی میں ان کی ترقی و کامیابی ممکن ہے۔ یہ تنہا خصہ ملک اور عام مسلم کے خلاف تنہی گہری سازش ہے۔ اس کی شیعنی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس کے دور میں اثرات و نتائج کا اندازہ کرنے سے رتوں کی نیند جاتی ہے۔ تشویش و شامت کے تمام ذرائع کے ساتھ ساتھ سیاسی و مذہبی اثر و نفوذ کو بھی ستاروں یا جبر ہائے نام کے پاس اس کے دلائل و شواہد ہیں کہ ان تمام سازشوں کا مرکز و ثقل ہے اور وہی اس کی قیادت کر رہا ہے اس زبردست فتنہ کا مقصد بددینوں کی دینیہ کی

حضرات! بددینوں کا کام تنہا یہی نہیں کہ نصیحتیں سمجھوں جائیں، اور مسکے مسائل بتا دیں جائیں۔ ہم ان کی ناقدری نہیں کرتے، اس نئے مہم تعلیم کا ہم انتہائی مسرت میں ہیں لیکن صرف تنہا کافی نہیں، موجودہ فتنوں کو نبھانا، ان سے اچھی طرح باخبر ہونا، اور ان کا موثر و طاقتور زبان اور وکالت اسلوب میں مقابلہ کرنا وقت کا بیجا، کی تنہا ہے۔ ہمارے صوبہ و اس تادم عربی زبان میں مہارت پیدا کریں جو جہیدِ تقدیم یافتہ طبقہ و ملت کو مستعد کرے۔ ہمارے ساتھ ساتھ عربی کا مطالعہ و تصحیح، متنوں اور ایڈیٹ ہو، اندوہ و اطمینان کے ساتھ قوم پرستی کے خلاف جو زبردست محاذ قائم کیا گیا اور اس کے فرزندوں نے جس طرح یوری تیاری و رفوت کے ساتھ تہری اقتوار، موثر اسلوب میں اس فتنہ پر ضرب کاری لگائی تھی اس کا عام طور پر عالم عربی میں اعتراف کیا گیا۔

حضرات! آپ نے طویل سفر کر کے یہاں آنے کی زحمت کی ہے، آپ نے تنہا

طویل سفر کر کے یہاں نہ رخصتی نہیں کی۔ آپ ایسے مرکز میں آئے ہیں جس نے دین کی خدمت کا ایک گوشہ سنبھال رکھا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ندوی فرزند عرب ممالک کو اپنی طاقتور تحریروں سے متاثر کر سکتے ہیں انہوں نے عرب قومیت کے فتنہ کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی وہ رائیگاں نہیں گئی۔ اس وقت بھی ندوۃ العلماء ایسے محاذ پر کھڑا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے موت و زندگی کا محاذ ہے، اس وقت تمام مغربی طاقتوں کی یہ زبردست کوشش اور سازش ہے کہ اسلام کسی طرح گوشہ نشین ہو کر رہ جائے، وہ قصہ ماضی کی طرح بن جائے۔ زندگی سے سارے رشتے اس کے ختم ہو جائیں۔ اس وقت اس فتنے کے خلاف صف آر ہونے کی ضرورت ہے، یہ اہم ترین اور مفید ترین محاذ ہے، یہ اسلام کی زندگی اور موت کا محاذ ہے اسی محاذ پر ندوۃ العلماء کھڑا ہے۔

اسی کے لئے ہم سب کو کوشش کرنا چاہئے یہی اس تعلیم کی غرض و غایت ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

والسلام علیکم

عصر حاضر کا جدید چیلنج اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں

زیر نظر تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دار معلوم ندوۃ العلماء میں تشریف لائے ہوئے مدرسہ اسلامیہ کے ذمہ دار حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ جس میں حضرت موصوف نے عصر حاضر کے جدید چیلنجوں کے سامنے اہل مدارس و ارباب مدارس کی کیا ذمہ داری ہونی چاہئے اس پہلو کو خوب اجاگر کیا ہے!

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد
الانبياء والمرسلين وخاتم النبيين محمد و علي اله
وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان و دعا بدعوتهم
الى يوم الدين ، اما بعد!

حضرات گرامی! یہ ناچیز اپنے اپنے رفقاء کار کی طرف سے حضرات ارکان انتظامی کا جو اپنا قیمتی وقت نکال کر اور سفر کی زحمت برداشت کر کے اس مجلس انتظامی میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں خیر مقدم کرتا ہے، اس چیدہ اور ممتاز و منتخب مجمع کو دیکھ کر آپ سے اجازت چاہوں گا کہ ادارہ کے انتظامی امور اور مشورہ اور فیصلہ طلب انتظامی و تعمیری معاملات کے محدود دائرہ سے ذرا باہر کران حقائق اور حالت کی طرف بھی اشارہ کروں اور آپ کی توجہ منعطف سراؤں جو اس ادارہ کے گرد و پیش اور محل و مقام ہی نہیں ملک و ملت کو بھی درپیش ہیں، اور ان سب پر اثر انداز ہیں، اور کوئی ادارہ، تحریک، تنظیم اور

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا تعلق کسی جماعتی عصبيت اور تعلی سے نہیں کہ ان فضلاء مدارس نے یہ فرض (یعنی حسن مراتب و توفیق) کامیابی سے انجام دیا، اور ان کی وجہ سے ابھی تک اس برصغیر ہند میں بڑی حد تک ملی شخص اور اعتقادی، فکری، تہذیبی اور خدائی اعتبار پایا جاتا ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ ایک بڑے دائرہ میں اس کے متقاند محفوظ ہیں، ان کے فاضل و ارکان زندہ ہیں، مسجدیں آباد ہیں اور مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور بہرہ مشرق سے جو عمرہ کے ذریعہ محبت و عقیدت کے ذریعہ (اور ایک خاصہ دائرہ میں) عربی زبان اور علوم دینیہ کے ذریعہ رابطہ قائم ہے۔

ان دینی قائدین، اہل غیرت و ہمت مسلمانوں اور سنی رہنماؤں نے اپنے اس دینی جذبہ ملی غیرت، اور دینی فراست اور پیش بینی کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس سے سید عالم اسلام کے وسیع دائرہ میں بھی کام کیا، اس سلسلہ میں تحریک خرافات، ترکوں کی حسدیت اور جزیرۃ العرب کے تہذیب و حضارت تک ان کی تاریخی دلچسپی، سہرہ رقی مدد و نہیں تھی۔ ان کا تخلص سے فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کی تاریخ بہت پہلے متفقہ نام سے اور جو انسانیات میں تشکیک رکھتے ہیں ان میں سے بہت سے اس کے شاہد ہیں اور معاصرہ چلے ہیں، اور بہت سے حضرات نے اس کوئی شک نہیں تو ترسنا ہے اور وہ اس کی حقیقت اس سے یہی ہے کہ انکے ہیں۔

علماء ہند کے کارنامے

یعنی یہ بات بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ نہیں ہوئی کہ ہندوستان کے علماء اور مدارس کے فضلاء نے مسیحی و فکری اور تعلیمی طور پر بھی ہندوستان اور بیرون ہند میں انھیں وہ صحیفیں لکھیں اور کتابیں و انٹیلیجنٹ پیپر کا یہاں مقابلیہ کیا جس کو انھیں مسلمان اکثریت کے ملکوں اور جمہوریتوں میں بھی جہاں صدیوں کی پرانی اور بے شکست

رہنے والی جامعات اور تصنیفی مراکز قائم ہیں اعتراف کیا، اس سلسلہ میں ہم ان تادرہ روزگار تصنیفات کا تذکرہ نہیں کریں گے جو ہندوستان کے اسلامی عہد میں وجود میں آئیں اور فضلاء عرب بلکہ ائمہ فن نے بھی ان کی انفرادیت اور بے نظیری کا اعتراف کیا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا کارنامہ

ان میں ایک حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء) کی ہے "ظہار حق" ہے جس میں اناجیل اور مذہب عیسوی پر ایسی ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے جو ریاضی - نتائج کی طرح (کہ دو دو چار رہی ہوتے ہیں اور چار چار آٹھ ہی ہوتے ہیں) اناجیل کے بیانات میں تضاد و تناقض ثابت کیا ہے جن کا جواب اب تک مسیحی دنیا اور کلیسا کے فضلا نہیں دے سکے، راقم نے خود انگلستان سے نکلنے والے ایک انگریزی اخبار میں پڑھا کہ "جب تک اس کتاب کی طبع و اشاعت کا کام جاری رہے گا عیسائیت کی تبلیغ نہیں ہو سکے گی۔"

دوسرا کارنامہ مولانا شبلی نعمانی کا ہے کہ جب مشہور مصری مسیحی فاضل مورخ و ادیب جرجی زیدان کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی نکلی جس میں اسلامی تمدن پر ایسے محتاط اور سلیقہ مندانہ طریقہ پر جمعے سے گئے تھے جن سے پڑھنے والوں کا ذہن اسلام کے دین حق ہونے اور زندگی کا بہترین ڈھانچہ دینے کی صد حیت سے محروم نظر آنے لگتا ہے، مولانا شبلی علیہ الرحمہ نے اس کا بڑی قابیت اور سلیقہ مندی سے جواب دیا اور کتاب "ارتقا و ترقی تاریخ التمدن الاسلامی" کے نام سے شائع ہوئی جس کی داغ و غصہ عرب حتیٰ کہ علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی دی۔

ان مدافعانہ اور جوابی علمی کوششوں کے علاوہ ہندوستان کے فضلاء اور محققین کے اور

متعدد علمی کارنامے اور تحقیقی و تقابلی مطالعہ کے نمونے ہیں جن کی مثال عالم عربی میں بھی ملتی مشکل ہے، ہم یہاں پر چند کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں۔

مولانا شبلی کی ”الجزية في الاسلام“ مولانا سید سلیمان ندوی کی ”خطبات مدراس“ اور ”ارض القرآن“ مولانا عبدالمجید دریا آبادی کی انگریزی اردو ترجمہ اور تفسیر جن میں جدید ترین معومات و تحقیقات کا روشنی میں قرآن کا اعجاز اور صحف سہویہ پر تفوق ثابت کیا گیا ہے، ایسے ہی ان کی کتاب مشکلات القرآن، مولانا عبدالباقی ندوی کی کتاب ”مذہب و عقیدت“ وغیرہ۔

اب اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ عمارت ہند و قصدِ مدراس نے کبھی بیرونی اسلامی ممالک سے آنکھیں بند نہیں کیں، وہاں اٹھنے والے فتنوں، تشکیکی حملوں اور الحاد و مادیانیت اور ”قومیت عربیہ“ کی خطرناک اور جمید نتائج رکھنے والی مخالف اسلام دعوت کو نظر انداز نہیں کیا، اس سلسلہ میں (معذرت کے ساتھ) لیکن اضطراب اور ضرورتاً یہ عرض کیا جاتا ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فرزندوں اور فضلاء نے ہمیشہ ان بیرونی فتنوں کا ٹوٹس لیا، جو مرزا اسد م میں ارباب اور تزلزل پیدا کرنے والے بلکہ نصرانیت، یہودیت اور مادیانیت کے سارے راستہ کھولنے والے تھے، اس سلسلہ میں ندوہ سے نکلنے والے رسالے ”البعث الاسلامی“ اور ”الوائد“ کو فراموش اور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جن سے سلیم الطبع، اسلام پسند عرب بڑے متاثر ہوئے ہیں، پھر مرحوم عزیز القدر محمد احسنی کے رسائل اور کتابیں جن میں ”اسلام الممتحن“ اور ”الاسلام بین الاقوام“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن میں سے بعض کتابوں کو پڑھتے ہوئے راقم نے بعض عرب فضلاء اور قائدین کو اشکبار اور تردید دیکھا ہے، اسی مقصد کے لئے مئی ۱۹۹۵ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں قائم ہوئی اور اس نے عربی، انگریزی، ہندی اور اردو میں واپس پچ شائع کیا جو بہت موثر اور اسلام کے بارہ میں غیر مسرور

مشترک و متحد طریقہ پر اس مقصد کے حصول میں شریک ہیں یہاں پر صرف ایک امریکی فیصلہ، ہموئل زویمر (ZWEMER) (۱۹۵۲ء) کا ایک امتیاز پیش کیا جاتا ہے جو ان کی اس تقریر سے، خود سے جو مسیحی مبلغین کی کانفرنس میں انھوں نے کی تھی۔

”ہر میدانِ عمل میں ہماری سررمیاں ایسی ہونی چاہئیں کہ جن کا اصل نشانہ نوخیز مسلمان ہو اور جو مسلمانوں کے باہمی روابط میں انتشار پیدا کر دے تاکہ ان کا ردوائیوں کے شکنجہ میں مسلمان جکڑ کر رہ جائیں اور ہماری یہ کوششیں انھیں لخت لخت اور پارہ پارہ کر دیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں اس عمل کو دیگر امور پر مقدم رکھا جائے، کیونکہ اس نسل جدید کے سینوں میں اسلام کی روح پیدا ہو گئی تو سلام ایک بار پھر اپنے غنفلوان شباب کے ساتھ منصفہ شہود پر جلوہ آرا ہوگا، لہذا اس نازک صورت حال میں ضروری ہے کہ نوخیز مسم نسل کو اس کے نقطہ اعتقاد و ارتکاز سے بعید و بے گانہ بنا دیا جائے، قبل اس کے کہ اس کی عقلی، فکری یا مادی تکمیل کے مرحلہ میں داخل ہو۔“

حضرات! ان کوششوں کے نتائج ترقی یافتہ ممالک عربیہ میں ظاہر ہو گئے ہیں اور انھوں سے دیکھا جاسکتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ دین کی حمیت اور اسلام پر افتخار جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں کمزور و نادر و صاحب اقتدار طبقہ میں معدوم و مفقود ہے، لادینیت، تشکیک و رتیاب، مغربی تہذیب و اقتدار سے تنفر اور جذبہ جہاد اور شوق شہادت تو بڑی چیزیں ہیں ان عربی سکوں میں تو اب ان چیزوں سے استنکاف اور مغربی تہذیب و اقتدار سے بیزاری اور ان سے آزادی کی سعی و جہد بھی ختم ہوتی جا رہی ہے حکومت کا رخ آزادی و لادینیت (SECULARISM) کی طرف ہوتا جا رہا ہے، قرآن مجید کا دھج زق

کہ اس نے سورہ فتح ہی میں جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے شدید اعتقادی تناقض و تضاد کے باوجود (جو یہودیوں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے) دونوں کا نام ساتھ لیا ہے اور دونوں کے اثر سے بچنے کی طرف اشارہ کیا ہے، صراط المذین اعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔

بعض عرب ملکوں میں جن میں (تونس و الجزائر پیش پیش ہیں) دین اور اہل دین سے کھلی محاذ آرائی اور دوسرے ترقی یافتہ عرب ملکوں میں صاحب اقتدار طبقے اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ایسے حالات دیکھنے میں اور ایسے اقوال سننے میں آنے لگے ہیں جن سے پیشانی پر پسینہ ہی نہیں آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں ابھی حال میں دارالعلوم کے ایک استاد ایک تعلیمی اجلاس رابطہ الجامعات الاسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے راقم کے نمائندہ بن کر گئے تھے انھوں نے اپنے سفر کی جو روداد پیش کی ہے اس کو پرہیزگاروں کی نظر پر جو مصر کی تاریخ سے واقف ہے یا وہاں جا چکا ہے اور چھ عرصہ رہ چکا ہے اندوہ بلبین اور لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ وہاں اور دوسرے عرب ملکوں میں بھی اس کا رد عمل پایا جاتا ہے۔ اسلامی اور دعوتی کتبیں کثرت سے مقبول ہو رہی ہیں، انبیاء کے قصص کتب گھروں میں کثرت سے پڑھائی جاتی ہے ان سب کے پیش نظر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے البتہ دعوتی جدوجہد، فکری انقلاب کی کوشش اور اسلام کی ابدیت اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت پر اعتماد پیدا کرنے کے لئے سہمی و دعوتی لٹریچر پیدا کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔

عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کی اشد ضرورت

اس صورت حال کو جو سخت دل خراش اور باعث شرم ہے اتنی تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ ہمارے مدارس عربیہ میں جس کے متعدد ذمہ دار اور

سرپرست یہاں موجود ہیں عربی زبان کی تعلیم کو اس معیار پر پہنچانے کی ضرورت ہے کہ ممالک عربیہ اور ترقی یافتہ اسلامی ممالک میں خطابت اور کتابت دعوت کا کام کر سکیں اور وہ عرب نوجوانوں اور فضلاء اہل فکر و اہل قلم کو بلکہ صاحب اختیار طبقہ کو بھی متاثر کر سکیں، ہمارے عربی مدارس کے ذمہ داروں کو اس مسئلہ پر سنجیدگی پر غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ اب یہ ناپسندیدہ اثرات خبیث کی ریاستوں، کویت، بحرین وغیرہ اور کسی حد تک (خاکم بدہن) سعودی عرب میں بھی پہنچ رہے ہیں۔

دوسرا محاذ جس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے فضلاء کو تیار ہونا اور رہنا چاہئے وہ ہندو اجایت (HINDU REVIVALISM) کی زبردست تحریک ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مختصر لفظوں میں اس ملک کو اسپین بنا دیا جائے جہاں صرف نسلی حیثیت سے مسلمان رہیں باقی ان کی تہذیب و معاشرت اور عالمی قانون، اور ہو سکے تو اعتقادی سانچہ بھی بدل دیا جائے اور وہ کسی مرحلے پر پہنچ کر ہندو دیومالا (HINDU MITHALOGY) کو قبول کر لیں اس کے لئے نصاب تعلیم ذرائع ابلاغ اور سیاسی اثرات سے بھی کام لیا جا رہا ہے اور اس کے اثرات بھی نظر آنے لگے ہیں۔

دوسرا کارنامہ

پہلے پرسنل لا میں مداخلت کے لئے اقدام کیا گیا تھا اور بعض خلاف شرع اور منافی شرع عدالتی فیصلے کئے گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت بہار و فرزند مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے درجے بلند فرمائے کہ انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ قائم کرے اور ایک ہندو گیرمہم چلا کر اس خطرہ کا کافی الحال سد باب کر دیا، لیکن ابھی حال میں یونیفارم سول کوڈ کا شگوفہ چھوڑا گیا خدا کا شکر ہے کہ اس کی بھی ملت اسلامیہ ہند یہ نے باجموم اجتماعی طور پر مخالفت کی اور امید ہے کہ انشاء اللہ وہ عمل میں نہ آ

سے کا۔

ان سب حقائق، واقعات، خطرات اور اندازات کو سامنے رکھ کر آخر میں یہ عرض کرنے سے کہ ہمارے مدرس عربیہ اہلینہ میں ان حقائق و خطرات کو سامنے لانے اور مدارس نے فتنہ، آواں کا مقصد کرنے سے تیار اور سرگرم بنانے کی ضرورت ہے، ندوۃ العلماء (جو انھیں حقائق و خطرات کے شعور و علم اور ان کا مقابلہ کرنے کے عزم کے نتیجہ میں وجود میں آیا) مجلس انتظامی میں جس میں منتخب و ممتاز علماء و دانشور شریک ہیں پیش کرنے کی جرات کی کئی جس سے معافی بھی چاہی جاتی ہے اور وجہ حسن استماع کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے۔

وما النصر الا من عند الله.

وما علينا الا البلاغ المبين

عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ

ذیل میں ہم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی وہ فکر نگیز، بصیرت افروز، چشم کشا تقریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو مولانا رحمہ اللہ نے ۱۶ جولائی ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم میں مجلس شوریٰ کے موقع پر علماء و مفکرین اور دیگر بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی موجودگی میں طلباء دارالعلوم کی انجمن میں طلبہ کی دعوت پر جمایہ ہال میں فرمائی تھی اس تقریر میں ایک اہم خطرہ کی طرف نشاندہی کی گئی ہے علماء و مفکرین نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں ہم مولانا سید سیماں ندویؒ کی زبان میں بس اتنا ہی کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ رب کریم پڑھنے والوں کو

دل اتادل بینا دل شنوا دیدے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه
اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم
الدين . اما بعد . فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم .
بسم الله الرحمن الرحيم . ووصى بها ابراهيم بنيه
ويعقوب يبنى ان الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن
الا وانتم مسلمون .

میرے مکرم احباب، مہمانان کرام اور طلباء عزیز! میں اس وقت ایسے جسمانی عوارض اور ذہنی مشغولیتوں اور تفکرات اور بعض ایسی کشمکش کی چیزوں میں مبتلا تھا کہ میرے لئے

منہ سے تھا کہ میں معذرت کر دیتا کہ یہ اپنا گھر ہے کسی وقت بھی خطب ہو سکتا ہے طلبہ بھی یہیں ہیں لیکن میں نے اس وقت وعدہ کر لیا تھا اور موضوع کی اہمیت بھی ایسی تھی کہ اس بارے میں بچھڑاؤ نہیں، میں آپ سے بے تکلف اس وقت بات کرنا چاہتا ہوں، میرے سامنے عزیز و جوان طلبہ ہیں۔ آپ کو معصوم ہے کہ میرے صلے اور میرے ماحول اور رد و پیش کے لوگوں میں بہت کم لوگوں کو یہ موقع ملے ہوگا، دنیا کی سیاحت خاص طور پر عام سلام کی سیاحت کا جو سنا چیز ہوگا، یہ فخر کی بات نہیں ایک آزمائش کی بات تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فیہی اور تقدیری سامان تھا کہ جہاں تک عام اسلام کا تعلق ہے مہرکش سے لے کر ہر چین کو اور شمال یا جاسے تو وہ بھی بہت بڑا اسلامی تہذیب کا مرکز رہا ہے وہاں بھی جانا ہوا اور چین سے لے کر یہاں جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک تک مجھے جانا ہوا۔ عرب ممالک میں سے کوئی اہم ملک چھوٹا نہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فراہم کئے کہ مجھے یورپ کے سفروں کا اور یورپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا اور وہاں بار بار جانے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ فرانس، جرمنی اور ترکی، سوئزرلینڈ بھی گیا، آخر میں روس جانا ہوا اس کے علاوہ جہاں تک عربی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے وہاں صرف جانا ہی نہیں بندہ رہتا بھی ہوا، بعض جگہ کئی کئی مہینے رہنا ہوا اور وہاں کی زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر صنف اور ہر فرقہ اور ہر فن کے لوگوں سے منہ ہوا، ان میں بڑے بڑے دانشور بھی تھے، دیب تھے، مصنف بھی تھے اور مفکر بھی تھے، قائد بھی تھے، دانشور پر داز بھی تھے، صحافی بھی تھے، سب سے ملنا ہوا۔

خاص طور پر مصر میں جو کہ عالم عربی کے لئے وہ درجہ رکھتا ہے جو بھی ولایت کا درجہ تھا ہندوستان میں جب اسلامی حکومت تھی تو ولایت، افغانستان اور ایران وغیرہ کو کہتے تھے اور شاہ ہندوستان اور اس کے بعد انگریز ہندوستان میں آگئے تو ولایت انگلستان کو کہتے تھے تو وہ (مصر) بھی صنف عالم عربی کے لئے ایک رہنما اور ایک معلم، مربی مفکر اور دیب

نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے وہاں ہفتوں نہیں مہینوں رہنا ہوا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس وقت عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ، سب سے نازک مسئلہ، سب سے فکر اور آزمائش کا، کفر و تردید کا مسئلہ، اور سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی فکری، علمی، تصنیفی، اخلاقی اور اخیر میں سیاسی قیادت اس طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے کہ جو اسلام کی ابدیت کا تقریباً منکر ہے، اور اسلام کے بارے میں وہ صرف احساس کمتری ہی میں مبتلا نہیں بلکہ مایوس ہے اور اس کے دس میں یہ احساس بیٹھ گیا ہے، اور اس نے ایک فکر اور ایک فلسفہ اور دعوت کی حیثیت اختیار کر لی ہے اسلام اس زمانے میں، اس جدید دور میں، اس ترقی یافتہ دور میں قیادت کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہ ایک تعصب کی بات ہے اور ایک قدامت پرستی کی بات ہے کہ دیندار طبقہ بار بار مطالبہ کرتا ہے، احکام شرعی کے نفاذ کا اور تنقید کرتا ہے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر، اور وہ مطمئن نہیں ہے زندگی سے، ورنہ اصل یہ ہے کہ اسلام اپنا کام ختم کر چکا ہے، اس کی تاریخ جنہوں نے پڑھی ہے اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا، دنیا اس وقت بہت ہی پسماندہ تھی اور برسر انحطاط نہیں بلکہ برسر تنزل بھی نہیں بلکہ وہ بالکل ایک رکاکت ذہنی، عقلی اور تسفل کی حالت میں تھی۔ جس کو اسلام نے اور قرآن مجید کے اعجاز نے قرآن مجید کی بیخ زبان نے جس سے زیادہ بیخ زبان ہو نہیں سکتی، جاہلیت کا نام دیا ہے، اور عربی زبان ہی نہیں کسی زبان کو کھنگالیے، میں ایک عربی زبان کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں، مختلف زبانوں سے جو آشنائی رکھتا ہے ان سے کچھ اس کا اشتغال رہا ہے کہ بڑے بڑے ادباء بھی دنیا کے جمع ہو جائیں تو اس کے لئے جاہلیت سے زیادہ بیخ، وسیع، عمیق، کثیر المعانی اور اس سے زیادہ صحیح تعبیر کرنے والا لفظ ملے گا نہیں۔

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس نے اس کو عہد جاہلیت سے تعبیر کیا ہے تو جب جاہلیت کا دور تھا، دنیا میں اس وقت اسلام آیا، اور اس نے مفید کام کیا، اس نے کچھ انسانیت کو

خدمت کی، کچھ ایسے نندہ کام ہو رہے تھے، انسانیت خود کشی پر آمادہ تھی اس نے اس کو خود کشی سے بچایا، بڑکیوں کو دفن کرنے والی عادت سے، جاہلیت کی رسم سے بچایا، عورتوں کو کچھ حقوق دلائے، کچھ مساوات کا سبق پڑھایا اور کچھ اخلاق کی تعلیم دی اور توحید کا بھی پیغام دیا اور توحید کا قائل بنایا، اسلام نے اپنا کام ختم کر لیا وہ تاریخ کی نظر میں اور حقیقت پسندوں کی نظر میں قبل تعریف بلکہ مستحق شکر ہے یہاں تک تو وہ طبقہ مانتا ہے۔ لیکن اب اس ترقی یافتہ دور میں جب سائنس نیکنان لوجی اور پولیٹکس اور ممالک کے باہمی تعلقات اور پھر اس کے ساتھ ساتھ انسانی دماغ اور پھر آلات ان انسانوں کو نئے عقائد تک پہنچانے میں معاون ہیں، خواہ سائنس کی کتنی شاخیں ہوں سب اس میں شامل ہیں، کیمسٹری تک شامل ہے، نیکنان لوجی کی کتنی شاخیں ہوں سب کچھ شامل ہے، ان کی ترقی کے بعد اب اسلام کے لئے منصب قیادت پر فائز ہونے اور اس ترقی یافتہ زمانے کی رہنمائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ بہت ہی افسردہ اور ایک تعجب کی بات ہے جو کہی جا رہی ہے یہ میں آپ کو بتاتا ہوں کوئی راز نہیں ہے یہ عالم آشکار حقیقت ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کی فکری، اخلاقی اور آخری درجے میں سیاسی اور انتظامی قیادت بھی خود مسلمانوں کے اس طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس ہے اور اسلام کو اس زمانے میں رہنمائی کے قابل نہیں سمجھتا اور وہ یورپ کی ترقیت اور یورپ کے علوم و فنون اور یورپین مصنفین کی کتابوں سے اور ان کی تصنیفات اور تحقیقات سے اور ان کے ذرائع ابلاغ سے جن چیزوں کو نشر کرتے رہتے ہیں ان سے اتنا متاثر ہے کہ جیسے کوئی کسی چیز پر ایمان لاتا ہے وہ اس پر ایمان لے آیا ہے اور وہ ایمان کچھ متزلزل نہیں ہوتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں اور یہ اس وقت بہت بڑی چال (حکمت) تھی، بہت کم لوگوں کو معلوم ہے جب یورپ نے مشرق میں اپنا اقتدار قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور ممالک فتح کرنا شروع کئے، تو ان کے دانشوروں نے یہ

ضروری سمجھا کہ ایک طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو ہر اول دستے کا کام دے اور وہ جن ملکوں پر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں اس ملک کے ذہین Intellectual Class جو اثر انداز ہوتا ہے اور زندگی کو ڈھالتا ہے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے اور دماغوں کو ڈھالتا ہے وہ اس میں اپنے دین کے بارے میں، اپنے دین کے مآخذ کے بارے میں شک کا شکار ہو جائے اور وہ ان کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہو کہ ان لوگوں نے بہت ہی پسماندہ دور میں بہت کام کیا تھا، کوشش کی تھی اور کوشش جاری ہے، اب ان کتابوں کی تصنیفات کی شکل میں۔

لیکن وہ اس وقت دنیا کی رہبری نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے مستشرقین کا ایک طبقہ پیدا کیا، بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے۔ یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک اسکیم کے ماتحت ہوا، یہ ایک پلاننگ تھی نہایت حکیمانہ اور دانشورانہ پلاننگ تھی ایک طرف تو ان کی فوجیں مشرقی ملکوں کی طرف بڑھ رہی تھیں اور ملک فتح کر رہی تھیں لیکن وہ جانتے تھے کہ ملک فتح ہونے کے ساتھ اگر دماغ فتح نہ ہو، اور اگر وہ انسان کے پیانوں کو تعین کرنے کی جو صلاحیت ہے کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے، یہ بلند ہے یہ پست ہے، اور یہ قدیم ہے یہ جدید ہے، اور یہ قابل عمل ہے اور یہ ناقابل عمل ہے، جب تک اس میں اس کے بارے میں وہ ہمنوا نہ ہو جائے اس وقت تک کسی سیاسی فتح پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہ ان کی ذہانت کی بات تھی کہ ساتھ ساتھ مستشرقین کے ذریعے اور اپنے ہاتھوں کے مصنفین کے ذریعہ وہ سٹریٹج پیدا کیا جس کے پڑھنے سے اسلام کے بارے میں، اسلامی تعمیرات کے بارے میں، اسلامی ثقافت کے بارے میں، قرآن مجید کے عجائب اور قرآن کے کلام اللہ اور وحی الہی ہونے کے بارے میں شکوک پیدا کر دے، اضطراب پیدا کر دے اور کم از کم ایک ندامت کا جذبہ اور خجالت کا احساس پیدا کر دے، وہ ناقابل اعتبار ہے جس کے ساتھ دماغی فتح نہ ہو اور جس کے ساتھ ذہنی تسخیر نہ ہو، میں تسخیر کا لفظ خاص طور پر بولتا ہوں، تو

آج سارے عالم کا جو اصل مسئلہ ہے اور اس کی طرف بہت کم لوگوں کو توجہ ہے، میں بہت معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، ہمارے بڑے بڑے دعوتی اداروں کو تنظیموں اور تحریکوں کو بھی پورے طور پر اس مسئلہ کی شناسائی کا احساس نہیں کہ اس وقت سب سے بڑا جو ارتداد کا سامنا ہے وہ یہ کہ عام اسلام کے ترقی یافتہ ممالک کی قیادت اس طبقے کے ہاتھ میں ہے جو اسلام کی قیادت کی صلاحیت سے مایوس ہے، اور اس کو اس زمانے کے مسائل کا حل نہیں سمجھتا، اس زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کا حل نہیں سمجھتا اور وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ جو قیادت اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہوگی اور جو فرائض پر پابندی کرائے کی اور ایمانیات پر اصرار کرے گی، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ قیادت چل نہیں سکتی۔

پشت پناہ طاقت

اور اب آگے اضافہ یہ ہوا ہے کہ اس کو امریکہ اور اسرائیل چننے بھی نہیں دیں گے، پہلے صرف اتنا تھا کہ ان کے اندر احساس کمتری خود موجود تھا، اپنے اپنے ملکوں میں اور تعلیم یافتہ طبقوں میں، لیکن اب اسے بہت بڑی پشت پناہ طاقت مل گئی ہے بلکہ سرپرست طاقت مل گئی ہے وہ ہے اسرائیل اور امریکہ، یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی ہے اور ہم نے یہ بات عربوں کے اجتماع میں اور رابطہ عالم اسلامی کے مؤقر ترین جلسے میں جس میں ممتاز ترین فضلاء موجود تھے، یہ بات کھل کر کہی کہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسرائیل اور امریکہ دونوں متحد ہو گئے ہیں جن کے اندر مذہبی طور پر سب سے بڑا اتحاد ہے کہ ایک حضرت عیسیٰ کو بنانا ہے اور ایک ان کے نسب اور ان کی شرافت پر الزام لگاتا ہے ہتھتیس لگاتا ہے، یہ دونوں اس نقطے پر متحد ہو گئے ہیں کہ دنیا سے اسلام جو نئی نسل کو بھیج دیتا ہے اور جس اسلام کو امریکہ اور یورپ میں بھی لوگ قبول کرتے ہیں اور قبول کر رہے ہیں ان کی تعداد بڑھ رہی ہے اس کو کسی طریقہ سے ختم کیا جائے، جہاں تک

یہود کا تعلق ہے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس وقت اگر مغربی اقتدار کو خطرہ ہے تو صرف مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے ہے اور اسلام کے خروج اور نئی بیداری سے ہے اور کسی سے نہیں۔ ان کے صحیفوں کا ہمارا براہ راست مطالعہ ہے اس میں صاف صاف یہ تصریحات دیکھی جاسکتی ہیں کہ دنیا کو اخلاقی طور پر اتنا پست بنا دیا جائے اور دیوایید بنا دیا جائے یہاں تک (Eunifourd) کی کتاب جو انگریزی میں نکلتی تھی۔ یہودیوں نے اس کو چھپنے نہیں دیا، اس میں صاف صاف تھا کہ دونوں کے ذریعہ، سینما کے ذریعہ، ٹی وی کے ذریعہ، انہوں نے ذریعہ، ہر ذریعہ سے انسانی اخلاق کو یعنی انسانی (Character) کو، یعنی ایک انسان کو جو ایک سردار عطا ہوا ہے فطرت کی طرف سے بہر حال اس میں خیر و شر کی جو تمیز اللہ تعالیٰ نے فطرت رکھی ہے اس کو ختم کر دیا جائے اور پوری دنیا و ایسا بنا دیا جائے کہ جیسے شطرنج کی ایک بساط ہوتی ہے جو اس میں ہے ہمارے قبضے میں ہو، ہم جس مہرہ کو جہاں چاہیں اٹھائیں اور جہاں چاہیں بٹھائیں، اس پر اس وقت اسرائیل اور امریکہ کا ایسا اتھا دہوا ہے جو اب راز کی بات نہیں رہی اور یہ حقیقت بالکل عیاں ہو گئی ہے۔

تو اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ طبقہ جس کے ہاتھ میں نہ صرف سیاسی قیادت ہے، سیاسی قیادت اپنے اندر وہ نتائج اور مضمرات رکھتی ہے، وہ اثرات رکھتی ہے جو کسی چیز میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مذہب تک نے اہمیت دی ہے اور اس کے لئے خدافت اسلامی کا نظام بتایا گیا ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی گئی ہے وہ نسل انسانی کی رہبری قبول کرے، اور وہ قانون بنائے اور اس کو خدا کے بتائے ہوئے اور رسول ﷺ کے سکھائے ہوئے راستے پر چلائے، تو بہر حال سیاسی اقتدار محض دو لفظ نہیں کہ جو چیز بار بار کہی جاتی ہے اس کا وزن کم ہو جاتا ہے، جن لوگوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار ہے پھر اس کے بعد وہ جن کے ہاتھ میں فکری اقتدار ہے اور ذہنی اقتدار ہے، ذہن کی تشکیل کا سامان ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ طبقہ تقریباً کہا جاسکتا ہے

کہ نوے فیصد نہیں شاید ۹۵ فیصد وہ اسلام کی افضلیت سے اسد م کا واحد اور صحیح اور صدق مذہب ہونے سے اور اسلام ہی کے ذریعہ نجات اور دنیا کی زندگی میں سلامتی کا ذریعہ، اعتدال کا ذریعہ اور امن و امان کا ذریعہ اور اتفاق کا ذریعہ ہونے کا منکر ہے، ہوسکتا ہے بہت سے لوگوں کے لئے ایک انشرف ہو لیکن یہ بات علی وجہ البصیرۃ کہہ رہا ہوں اس کی تہہ میں اگر آپ جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی یونیورسٹیوں اور ان کے کورس کو یہاں تک گھر کے ماحول کو بھی اتنا داخل نہیں جتنا ان کو تاریخ میں دخل ہے کہ انہوں نے وہ کتابیں پڑھیں اور ان کو وہ کتابیں مہیا کی گئی ہیں اور اس کے لئے حکومتوں میں امریکہ اور یورپ کے تربیتی اداروں میں، جن کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے جن کی منظم کوشش ہے کہ ایسا سٹریچر کے ہاتھ تک پہنچے جس سے کہ وہ مذاہب کے اثر سے مایوس ہو جائے بالعموم اور خاص طور پر اسد م کی صداقت بقا سے مایوس ہو جائے اور یہ اس کے دل میں بیٹھ جائے کہ اب اسد م اس وقت دنیا کی رہنمائی نہیں کر سکتا، کوئی حکومت اور کوئی سوسائٹی کوئی معاشرہ بھی محض اسلام کی تعلیمات پر قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ اس وقت کا سب سے بڑا Problem ہے، بہت کم لوگوں نے اس کی ہمیت سمجھی ہے کہ آج ساری کوششیں جاری ہو رہی ہیں وہ نتائج پیدا کر رہی ہیں، مجھے معاف کیا جائے میں ناقد رہی نہیں رہتا، میرا الیٰ تحریروں سے الحمد للہ فکری تعلق بھی ہے اور جسمانی تعلق بھی لیکن میں یہ بتاتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں کہ ابھی تک یہ نکتہ ان کے ذہن میں چورے طور پر نہیں آیا ہے، ذہن نے گرفت نہیں کی ہے کہ وہ ساری تبیینی اور دعوتی کوششیں وہ اثرات اور وہ نتائج پیدا نہیں کر رہی ہیں۔ جو قرون اوں میں دعوتوں نے پیدا کیا، اس لئے ان دعوتوں کے ساتھ کوئی ایسی تفسیر کی چیز نہ تھی اور ان کا مقابلہ کسی ایسے سٹریچر سے نہیں کیا جاتا جس سے بد مذہبیات، بد فکری، عینیت، اور فکری دہل سے بھی نہیں تھا، اس کے سوا صرف وہ دعوت صرف دماغوں ہی تک نہیں پہنچی بلکہ دل کی بہرائی

میں پہنچ گئی اور ان سے پورے قوی پر حاوی ہو گئی آج یہ نہیں ہو رہا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی طبقہ ہے جو نہ صرف سیاسی قیادت کر رہا ہے بلکہ وہ اسلام کی فکری قیادت بھی کر رہا ہے اور احساس فکر کا وہ محافظ اور مدافع بھی ہے اور اس میں بہت دخل ان سے مطالعے کو ہے۔ وہ مطالعہ جس سے بارے میں آپ سے بہہ دیتے ہوں ایک تعلیم کا کام کرنے والے ایک مدرس کی حیثیت سے بھی بہتا ہوں، تجربہ کار آدمی کی حیثیت سے بھی، کہ کورس جو پڑھا جاتا ہے اور جن چیزوں کا مطالعہ یا جاتا ہے ان میں ایک فرق ہے یہ فرق بتانا اور چناؤ کا کام ہے اور ایک ذمہ داری کی بات ہے اس سے غلط نتیجہ نہ نکالا جائے، بلکہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ کورس پر ایک طرح جیسے کوئی سرکاری مہر ہوتی ہے، کورس پر اس ادارے کی اور اس نصاب تعلیم کی اور اس گمراہ جماعت کی، ایک خاص انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے اس لئے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے لیکن مطالعے کی کتابوں پر یہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سمجھوں کو دین اسلام کی قدر دانی نصیب کرے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

ملت کا تحفظ، تحریکِ نفاذِ شریعت اور غلبہٴ اسلام لائحہٴ عمل، اور قومی و ملی منشور

درج ذیل تقریر دہائی بیہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا حیدرآبادی اور قلمی تالیفی اور
۱۹۸۷ء کا ترجمہ، عقدہ ۷۷، مارچ ۱۹۸۷ء کا افتتاحی خطبہ ہے جس سے اہل ہندوستان
مسلمانانِ عام سے لے کر جی نور و فخرین مندر اور سہت سفر تعمین کرنے میں فہر و فہل سے
نشانِ اوداشی ہو جاتے ہیں، یہ تقریر منظرین و قادیان ملت قومی کارناموں اور عام
مسلمانوں سے لے کر نور و فخر سے لے کر ایک ملی منشور اور میثاق کی حیثیت رکھتی ہے نہ
رہے کہ یہاں سے اس باب تل و عقدہ جی اس سے پوری طرح مستفید ہو سکیں۔

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على
سيد الانبياء والمرسلين ، وعلى آله واصحابه
اجمعين ، ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى
يوم الدين . اما بعد !

حضرات! میں آپ کی عزت افزائی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس اہم اجلاس سے
افتخار کے لئے میرا انتخاب فرمایا۔ ایک حقیقت پسند انسان کے لئے جو اپنی حقیقت سے
نا آشنا اور کسی فریب نفس میں مبتلا نہیں ہے، ان مواقع کی قدر و قیمت صرف اتنی ہی ہے

کہ ان کے ذریعہ اس کو اپنے دل و بات کہنے اور اپنے مطالعہ و تجربات کے نتائج کے اظہار کا ایک ایسی فضا میں موقعہ ملتا ہے جس میں اس کی بات صبر و سکون اور اکثر اوقات ذوق و اشتیاق کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ مجھے امید کرنی چاہئے کہ یہ پیش کش آپ کی طرف سے کوئی رسمی اعزاز نہیں ہے بلکہ ایک اعتماد کا اظہار ہے۔ ہر چیز کی ابتدا بڑی نازک اور اہم ہوتی ہے اور اس کا اثر اس کے پورے سلسلہ پر پڑتا ہے خدا مجھے اس اعتماد و ذمہ داری کا اہل ثابت فرمائے۔

بزرگوار عزیزو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور آپ کے لئے جس ماحول اور جن حالات کا انتخاب فرمایا ہے اور اپنے علم و حکمت اور اپنے ارادہ و اختیار کی بنیاد پر انتخاب فرمایا ہے وہ بہت اہم اور بہت نازک ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ ماحول، یہ حالات، یہ سرزمین اور یہ عہد تو کسی بڑے مجدد کا طاسب تھا، میں تاریخ اصلاح و تجدید کے نہ صرف طاسب علم بلکہ ایک حقیر مصنف کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ جو عہد اور جو ماحول ہم آپ کو مل رہا ہے جن مسائل سے ہمارا آپ کا واسطہ ہے جن خطرات، جن اندیشوں اور جن چیلنجوں کا ہمیں سامنا کرنا ہے اور اس زمانہ کے جن خفیہ لیکن بے رحم اشاروں کو سمجھنا ہے وہ کسی بڑے مجدد کے کسی صاحب عزیمت، صاحب حکمت اور مویذ من اللہ کے طالب ہیں اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ دور حضرت مجدد اہل ثنائی کے شایان شان تھا۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کی مجتہدانہ قابلیت اور مجددانہ عزیمت کے شایان شان تھا، یا شہیدین جلیلین حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی حمیت و عزیمت اور بلند نظری و بلند حوصلگی کے شایان شان تھا۔ لیکن یہ دور، یہ مسائل اور یہ مشکلات ہمارے لئے منتخب کیئے گئے۔

ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْغَزِيْرِ الْعَلِيْمِ

نہیں ایک اچھے محنتی طالب علم کو ان امتحان میں کوئی مشکل پرچہ ملے تو اس نے محنت کی ہے اس میں صد حیت ہے اور اس نے اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق

تیار کی ہے تو اس کی شان یہ ہے کہ اس پر شکوہ نہ کرے بلکہ شکر ادا کرے کہ وہ اس پرچہ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهِ

وہ جو چھ فیصدہ رتا ہے وہ اس کی قدرت کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کا بھی اور اس میں یہ ہوں کہ اس کی رحمت کا بھی مظہر ہوتا ہے تو بعید نہیں۔ اس کے اس فیصدہ میں (کہ اس نے ہم نا توانوں کو ایسے عہد و راہی سر زمین کے لئے انتخاب کیا) اس کی قدرت کا ظہور بھی ہے اس کی حکمت کا بھی ہے اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس کی رحمت کا بھی ظہور ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آخر زمانہ ایسا ہوگا کہ تم جو رہ رہے ہو اس کا عشر عشر بھی اگر کوئی انجام دے گا تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس عہد سعادت میں ہوتے اور اس زمانہ میں کوئی عمل کرتے تو اس عمل کی اس زمانہ میں کوئی بڑی اہمیت اور نمایاں حیثیت نہ ہوتی۔ قیمتیں اپنے حالات و اپنے ماحول کے لحاظ سے کھنتی بڑھتی ہیں۔ بے موسم کا پھل بڑی قیمت میں بکتا ہے۔ لیکن موسم کا پھل کوڑیوں کے مول بنتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی بڑے حمد کے موقعہ پر دفن کرنے والوں نے قدم اٹھڑ رہے ہوں اور جب سرے شکست کے آثار ہوں اس وقت کوئی کمزور سپاہی، کوئی سن رسیدہ، کوئی بیمار مسلمان قدم جمائے کھڑا رہے تو اس کو جو اجر ملے گا غلبہ فتح کے وقت بڑے شہسوار اور شہہ زور کو نہیں ملے گا۔ تو کیا حجب کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری، ہماری بے بضاعتی کے باوجود ہم کو جو پیسے پر آشوب دور کے لئے منتخب فرمایا یہ اس کی رحمت کا کرشمہ ہو اس نے ہمیں ایک ایسا زمانہ دیا کہ اس کے اندر تھوڑا سا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت شمار ہوگا۔

حضرات! جہاں تک کسی ملک میں مسلمانوں کے رہنے، وہاں ان کی حیثیت اور ان

کے فرائض منصبی کا سوال ہے۔ تو تاریخ اسلام کے طویل سلسلہ اور فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں اس کے دو نمونے ملتے ہیں۔ پہلا نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حاکمانہ حیثیت میں ہوں اور ملک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار ہو جیسا کہ خلافت راشدہ کے بعد رومی و ایرانی شہنشاہیاں اور ان کے ממلاک مسلمانوں کے زیر نگیں آئے اور مسلمان جزیرۃ العرب سے لے کر مراکش تک پھیل گئے۔ انہوں نے افریقہ کی پوری شمال مغربی پٹی فتح کر لی اور اس سے آگے سمندر کو عبور کر کے یورپ کے اسپین پر قبضہ ہو گئے۔ اس حیثیت کے متعلق صریح احکام ہیں۔ قرآن مجید کے اشارات ہیں۔ ہدایات ہیں۔ صحابہ کرام کا طرز عمل ہے یہ عقل سلیم کا فیصلہ ہے کہ ایسے موقع پر مسلمانوں کا منصب کیا ہے۔ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ ان کے داعیوں و مصلحین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے علماء فقہاء اور مفتیین کو مسائل کس ڈھنگ سے سلجھانے چاہئے؟ اور ان کے مصنفین و مؤلفین و مفکرین کا طرز عمل ان کا طرز فکر اور اسلوب کیا ہونا چاہئے۔ یہ بات واضح ہے اور اس کے لئے پورا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مسلمان کسی جگہ مختصر و محدود اقلیت میں ہوں وہ اس ملک کے حالات پر مطلقاً اثر انداز نہ ہو سکتے ہوں۔ ان کا ملک کے نظم و نسق میں کوئی حصہ نہ ہو وہ خالص محکومانہ زندگی گزار رہے ہوں اس کے لئے بھی کتابوں میں فقہ و شریعت کے احکام موجود ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ہماری نوعیت اس وقت دونوں سے مختلف ہے اور وہ بڑی فکر انگیز، اجتہاد طلب، اعلیٰ ذہانت، حقیقت پسندی اور سخت جدوجہد کی طاسب ہے اور اس سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ یہاں ہم اقلیت میں تو ضرور ہیں لیکن وہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اکثریت کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے اور اس کو اقلیت کہنا بھی صحیح نہیں۔ بلکہ اس کو ”مست“ کہنا چاہئے ہم یہاں کم سے کم پندرہ کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ بہت سی خالص اسلامی سلطنتوں میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہیں ہیں۔ کوئی اسلامی ملک تیس

اٹھ کا ہے کوئی چاریس پچاس اٹھ کا ہے، کوئی دو روڑ ہے۔ کوئی چار پانچ کروڑ تک کا ہے۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے وہ بھی تیرہ ساڑھے تیرہ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے لیکن ہم یہاں پندرہ روڑ یا اس سے بھی زائد ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ملک جمہوری ہے اس ملک کی سیاست میں ہمارا حصہ ہے اس ملک کی قانون سازی میں ہمارا حصہ ہے۔ ہمارے لئے یہاں پورا موقع ہے کہ ہم ملک کی تنظیم کو نہ صرف یہ کہ متاثر کریں بلکہ اس کو نئی شکل دینے پر ملک کو بہتر سے بہتر انتظامیہ مہیا کرنے میں مدد و معاون بن کر بعض اوقات فیصلہ کن ثابت ہوں۔ ہم پاسنگ کا بھی کام کر سکتے ہیں اور اس ملک میں قانون سازی ہم کو نظر انداز کر کے نہیں کی جاسکتی۔ ہر مسلمان اپنے شہری حقوق کا صحیح جرأت مندانہ و آزادانہ استعمال کریں تو ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ) اور حکومت کرنے والی پارٹی کی طرح مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ وہ مسلمانوں سے مستغنی نہیں رہ سکتی اور مسلمان چاہیں تو اس پر نقد ب انگیز اثر ڈال سکتے ہیں اور اس کی بنیاد ڈالیں سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس ملک میں ہم تنہا وہ ”ملت“ ہیں جو خدا کا واضح پیغام لے رہی ہے جو آخری آسمانی محفوظ کتاب کی حامل ہے۔ سیرت نبوی کی دولت اس سے پاس ہے، نوع انسانی کے لئے رحمت و ہدایت کا عظیم سرمایہ، اسوۂ نبوی، حیات صحابہ اور مشن و معیاری انہوں کے کردار و عمل کا عظیم ذخیرہ (Record) موجود و محفوظ ہے۔ وہ اس سیرت و طرز زندگی کا مثلی مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ وہ امت ہے جس کے پاس ہر عہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرہ، کسی بجھتے ہوئے چراغ کو کسی برباد ہوتے ہوئے ملک کو، کسی روبہ زوال نہیں بلکہ جاں بلب ملک یا معاشرہ کو بچا لینے والا پیغام رہا ہے اس نے پہلی صدی ہجری (ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی) میں رومی، ایرانی اور وسط ایشیا کے ہر سرائقہ ارتراستانی معاشرہ کو (جو زیادہ دنوں تک باقی رہنے اور قیادت کرنے کی صلاحیت

ٹھوچکا تھا۔ اور جس کی پیمک و دھب اور فریبی صحت و توانائی کا نتیجہ نہ تھی بد وہ ایک غیر طبعی فریبی متوجہ رہا۔ (مرد مت تھی) اور ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں نیم وحشی اور خون آشام چینی و ترکی نسل کی تاتاری قوم کو ایک نیا دین و عقیدہ، مقصد زندگی، روحانیت، ترقی یافتہ، تہذیب و ثقافت، جامع ہمس، معاشرتی، تمدنی اور انتظامی قانون اور نو بہ نو علم و آداب و ادب لرایف فی زندگی کی نئی قسط وسطا سردی اور انہی کی ایک شاخ عثمانی ترکوں کو جنہیں نے ساتویں صدی ہجری میں اسلام مقبول کیا اور اسلام لے جی ان میں بیداری، نئی زندگی اور حوصلہ مندی پیدا ہوئی ایشیائے کوچک اور یورپ میں ایک بڑی سلطنت (سلطنت عثمانیہ) کا بانی بنا دیا۔ جس نے کچھ عرصہ کے بعد خدفت اسلامی کی ذمہ داری بھی سنبھال لی اور حریم شریفین و مقامات مقدسہ کی محافظ و پاسبان اور شوکت و عظمت اسلامی کا نشان بنائی۔

یہ وہ ملت ہے جو ڈوبتے ہوئے سفینہ کو ساحل تک پہنچا سکتی ہے اور کسی گرتے ہوئے معاشرہ کو جوزمین میں بالکل ڈھنس رہا اور دلدل میں پھنس رہا ہے اور جو خود کشی و خود سوزی پر آمادہ ہے بچا سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس وہ کتب الہی ہے اس کے پاس وہ اسوہ نبویؐ ہے۔ اس کے پاس وہ ایمان موجود ہے جو اس کو خالص دہت پرست، طاقت پرست، اقتدار پرست اور مادہ پرست بننے سے روکتا ہے یہ تھا وہ ملت ہے جس کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا یقین ہے اس پر غفلت کے چاہے کیسے اور کتنے ہی دین پرور پڑیں۔ اس پر خود فراموشی کے کتنے شدید دورے پڑیں اس کے دلوں کے اندر اس کے اندر اس بات کا شعور باقی ہے کہ اس کو خدا کے سامنے جانا ہے اللہ کے رسولؐ کو منہ دکھانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب پیش کرنا ہے، وہاں نہ عزت کا مآئے گی نہ دولت، نہ طاقت کا مآئے گی۔ احساس فرض حقی عبودیت، اور بے لوث خدمت خلق کا مآئے گی اور ایمان اور عمل صالح کا مآئے گا۔

عزیز طلبہ میرے محدود مطالعہ میں اس ملت کی حیات اور اس کے طویل سفر اور تجربوں میں یہ بالکل انوکھی مثال ہے کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں۔ ہم عظیم ترین اقلیت میں ہیں۔ یہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اگر وہ اپنی امتیازی صلاحیت کا ثبوت دے۔ اکثریت سے زیادہ محنت سے کام کر لے اور اپنی اہمیت و افادیت اپنے مخصوص و صداقت کا مظاہرہ کر لے تو وہ قیادت کا مقام بھی حاصل کر سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم ملک کا رخ تبدیل کر سکتی ہے اور صاحب اقتدار جماعت کو اپنی ضرورت و افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ پھر اسے ساتھ اس میں حقیقی زندگی کی وہ رمت باقی ہے۔ (میں اس کو زندگی کی رمت ہی کہوں گا) جو دنیا کی اکثر ملتیں کھو چکی ہیں روحانی حیثیت سے، ایمانی حیثیت سے، اور احتساب نفس کے لحاظ سے وہ ملتیں، اس آخری اخلاقی شعور اور ضمیر کی زندگی و بیداری سے محروم ہو چکی ہیں جس کو زندگی کی رمت کہا جانا چاہئے۔ یہ ملت اپنی ساری کمزوریوں کے ساتھ اس رمت کی محافظ ہے۔

ایسی حالت میں اس ملت کے علماء کی علوم دینیہ کے اہل نظر و اہل فکر ماہرین کی ملت کے بے لوث و بالغ نظر قائدین کی، اس ملک اس عہد اور اس ماحول میں ذمہ داری اتنی عظیم ہونے کے ساتھ اتنی نازک اور اتنی پیچیدہ ہے کہ اس کا تصور اس سے پہلے کسی ملک میں نہ رہا تھا۔ پندرہ کروڑ کی تعداد میں مسلمان ایک ایسے ملک میں موجود ہیں جو رزہ خیز مصائب اور ہوشربا مسائل سے دوچار ہے۔ جہاں عرصہ سے انسان سازی کا، اخلاق و کردار بنانے اور ان کو توانائی بخشنے کا، دوست کی کشش اور مادیت کے سحر کا مقابلہ کرنے والی اخلاقی و روحانی طاقت پیدا کرنے کا کارخانہ بند ہو چکا ہے۔ اس کے جو بھی اسباب ہوں (ان اسباب کی اس مختصر تقریر میں تشریح نہیں ہو سکتی) یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کا معاشرہ ایک اخلاقی بحران میں مبتلا ہے جس کے آثار و نشانات قومی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔

ایسی حالت میں ایک ملت یہاں رہتی ہے جو پندرہ کروڑ کی تعداد میں بتائی جاتی ہے وہ اپنے پاس اللہ کی کتاب صحیفہ آسمانی رکھتی ہے۔ سنت نبوی مدون اور محفوظ طریقہ پر اس کے پاس ہے۔ فقہ اسلامی کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو زندگی کے تمام احکام (عبادات سے لے کر معاملات و سیاست، تمدن و اخلاق و اجتماع کے آداب تک) پر مشتمل ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ فقہ کا جتنا بڑا کام اعمال اور انسانی حرکات و اعمال کا، حلال و حرام، جائز و ناجائز کے تصور سے جو ربط ہے اس ربط کی تفسیر و تشریح کرنے کے سلسلہ میں جو محنت اسلام کی تاریخ میں ہوئی ہے اس کی کوئی مثال مجھے معلوم نہیں اور اس کی کوئی نظیر گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرات! ہم ایک ایسے ملک میں جہاں اگرچہ ہم اصطلاحی طور پر اقلیت میں ہیں۔ لیکن حقیقت میں پوری قوم ہیں پوری ملت ہیں۔ اس کے ساتھ ایک تاریخ ہے۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس تک اس نے حکومت کی ہے۔ اس ملک کو بنایا ہے سنوارا ہے۔ ملک کا نام دنیا میں روشن کیا ہے۔ اس نے ملک کو وہ چیز دی جس سے وہ عرصہ سے محروم ہو چکا تھا۔ اس میں پہلی مرتبہ سیاسی و انتظامی وحدت پیدا کی۔ اس کو مساوات و اخوت انسانی کا پیغام دیا اور ہندوستان کو جو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طویل و وسیع، مضبوط و مستحکم توانا و صحت مند انتظامیہ اور وسیع مرکزی حکومت عطا کی۔

اس کے بعد سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم آخری امت ہیں۔ ہم حامل قرآن ہیں ہم داعی الی اللہ ہیں۔ ہم محتسب کائنات ہیں، اقبال نے ابلیس کی زبان سے یہ حقیقت ادا کرائی ہے۔ اس کے سامنے اس کی مجلس شوریٰ میں مختلف قوموں کے بارے میں کہا گیا اور مختلف خطروں کی نشاندہی کی گئی۔ اس کی مجلس کے ارکان نے کہا ہمارے نظام اور کام کو اشتراکیت سے خطرہ ہے، جمہوریت سے خطرہ ہے، موکیت سے خطرہ ہے، جمہوریت سے خطرہ ہے کسی نے کہا کہ ۔

فتنہ فردا کی بنیت کا یہ عالم ہے کہ آج
کا نپتے ہیں کو ہمارا و مرغزار و جوئے ہار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیاست پر مدار

ابلیس نے ان تمام خطروں کو کوئی اہمیت نہیں دی اس کے برخلاف اس نے کہا ہے
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات
کے لئے ہے

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

حضرت ابراہیمؑ کو مکہ کا یہ امتیاز اور اس ملک کا جمہوری نظام، پھر مسلمانوں کی
اتنی بڑی آبادی، یہ ساری باتیں مواقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم یہاں کے نظم و نسق پر اثر انداز
ہوں۔ یہاں قانون بنانے میں ہمارا حصہ ہو سکتا ہے پھر اس ملک کے جمہوری ہونے کی
وجہ سے اس ملک کی قیادت کا منصب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے کو اخلاقی طور پر
باطنی طور پر، دینی طور پر اور عملی طور پر اپنی ممتاز ذائقہ ثابت کر دیں تو اس ملک کی قیادت
کے ہم طالب نہیں ہوں گے، ملک کی قیادت خود ہماری طالب ہوگی، ہمیں سورج کا چرلغ
لے کر ڈھونڈ لے گی۔ یہاں کی خاک کے ذرہ ذرہ، درخت کے پتہ پتہ سے آؤ لہذا آئے گی
اس ملک کو بچانے والے کہاں ہیں۔ آئیں اور اس ملک کو بچائیں۔ آپ کی یہ حیثیت
نہیں ہے کہ آپ کو پٹھانیاں چاہئیں۔ آپ ملک کے نجات دہندہ ہیں۔ آپ اس

ملک کی آخری امید ہیں۔ اس ملک کے باشندوں کو باہم عدل کا پیغام دیں۔ عقل سلیم کا پیغام دیں۔ خدا ترسی اور انسان دوستی کا پیغام دیں اور اس میں اس کا لحظہ رکھیں کہ ہمارا وہ پیغام اسلمی عقیدہ اور ایمانی جذبہ کے ساتھ مربوط اور جڑا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ذہین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص طرح کی قوت شامہ عطا فرمائی ہے (جو معنویات میں بھی اسی طرح کام کرتی ہے جیسے مادیت و جسمانیت میں) اس عمومی انسانی دعوت میں ہر ایمان کی خوشبو اور مہک پائیں۔ وہ یہ محسوس کریں کہ یہ خود غرضی کا پیغام نہیں۔ نفسیات کا پیغام نہیں۔ اس کے پیچھے سیاسی یا اقتصادی مقصد نہیں۔ یہ وہ پیغام ہے جس کو ان لوگوں کے ایمان باندہ و تعلیمات اسلمی نے پیدا کیا۔ اور جدا اور طاقت دی ہے اور اس مقام پر چشمہ اور اس کا محکم و دالٰی ان کا خدا ہے (جو رب العالمین ہے) اور خدا کے اس آخری رسول ﷺ سے جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے رابطہ ہے۔

اگر ہم کام کریں گے تو صرف یہی نہیں کہ ہم اس ملک میں عزت سے رہ سکیں گے بلکہ اس ملک کی قیادت ہم کو تلاش کرے گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل گئے اور ایک ایسے الزام میں گئے جس کے بعد اپنے ”اسیر زندان“ کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا اور وہ آدمی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن انہوں نے اپنے کردار سے، اپنی عملی صلاحیت سے، اپنی معجزانہ ایمانی طاقت سے۔ اپنی انسانی دوستی سے جیل کے اندر رہ کر بھی یہ ثابت کر دیا کہ وہ مصر میں تنہا آدمی ہیں جن کے پاس ایمان ہے جن کے پاس سردار کا جوہر ہے جن کے پاس عملی صلاحیت ہے۔ ان کے پاس دوستی کا جذبہ اور امانت و دیانت ہے۔

بالآخر بادشاہ مصر ان کو جیل سے بیواتا ہے لیکن وہ خوداری کے ساتھ کہتے ہیں۔

اَوْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسَنُلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتٰی قَطَّعْنَ

اَيْدِيَهُنَّ ط اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝

”اپنے آقہ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا

معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ بے شک میرا
پروردگار ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔“
بادشاہ نے پھر تحقیق کی اور مدعیہ نے کہہ دیا:

مَا عَلَّمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ

حاشائے۔ ہمیں اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔

اس کی کوئی خطائے تھی۔ یہ سب میرا پھیلا یا ہوا جال اور میری بنائی ہوئی سازش تھی۔
جب وہ جیل سے نکلے تو بادشاہ نے پیش کش کی آپ کوئی عہدہ قبول کیجئے۔
انہوں نے کہا:

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ اِنِّي خَفِیْطٌ عَلِيْمٌ ۝

مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی
کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔

قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جو حالات کی تفصیل بیان کرے۔ لیکن اس قصہ
کے سیاق میں ہمیں یہ بات مضمحل معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے
سات سال مصر میں گزارے تھے، سمجھ گئے کہ اس ملک اور انتظامیہ کا سب سے زیادہ کمزور
شعبہ مالیات اور غذا کا شعبہ ہے اور یہ وہ شعبہ ہے جو عوام سے زیادہ زیادہ رہ رہتا
ہے جس کے ذریعہ ہر جہ عوام تک پہنچا جاسکتا ہے اور ان کی بے لوث خدمت کر کے ان کو
ممنون و متاثر اور ان کو صحیح عقائد اور واضح حقائق پر غور کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ
انہوں نے کہا۔

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ اِنِّي خَفِیْطٌ عَلِيْمٌ ۝

’منبرات! ساری سیاسی پارٹیوں کی موجودگی میں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی
موجودگی میں اور تعلیم کا معیار جو اس وقت ہے اور اس کے جو وسائل اس ملک کو مہیا ہیں۔

ان سب کے باوجود صالح قیادت، عادل قیادت، خدا ترس قیادت اور انسان دوست قیادت کا منصب خالی ہے آپ اپنی حیثیت پہچانیں، اپنا منصب جانیں اور ملک میں خدمت، ملک میں صالح انقلاب لانے اور ملک کو صحیح رخ پر لگانے اور چلانے کی اپنی صلاحیت کو پہچانیں اور اس سے کام لیں۔

ہمیں ملک و ملت دونوں زندہ حقیقتوں میں سے کسی حقیقت سے آنکھیں نہیں بند کرنی چاہیں۔ البتہ ہماری داعیانہ حیثیت، ہماری بے لوث اور خدا اندیش فطرت اور ہمارا وہ فرض منصبی جس کی بناء پر ہم کو "خیر امت" کا لقب ملا۔ اس پر غالب رہنا چاہئے۔ اس سود و زیاں کی دنیا میں اس قمار خانہ سیاست میں ہماری اصول پسندی ہمارا اخلاقی کردار اور ہمارا ایمانی شعار سب پر غالب رہنا چاہئے۔ ہمیں ان سیاسی پارٹیوں کی پست سطح پر کبھی نہیں آنا چاہئے۔ جو دوسروں کی تخریب میں اپنی تعمیر اور دوسروں کی بربادی میں اپنی ترقی کا خواب دیکھتی ہیں اور جن کا منتہائے نظر حکومت کی کرسی کے سوا کچھ نہیں۔ ہمیں اس ملک کے بارہ میں بھی اور اس ملت کے بارہ میں بھی اپنا ذہن نبوی و آسمانی تعینات کی اساس پر تعمیر کرنا چاہئے۔

حضرات! اس کے ساتھ ساتھ ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ ہماری آئندہ نسلیں ارتداد کے خطرہ میں مبتلا ہیں۔ تہذیبی اور ذہنی ارتداد تو بالکل کھلی سی بات ہے لیکن اعتقادی ارتداد کا خطرہ بھی سر پر آگیا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ قصبات میں، گاؤں میں، شہروں میں محلوں میں، گھروں میں اور برادریوں میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا احساس پیدا کریں۔ مدارس اور مساجد قائم کریں اور ان کا جال بچھا دیں۔ میں اس موقع پر اپنی ایک گذشتہ تقریر کا اقتباس پیش کروں گا جو میں نے کچھ عرصہ پہلے دینی کونسل کے پلیٹ فارم پر کی تھی:

”اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کے لئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تو میں کہوں گا۔

”مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي“

لکھ دو۔ پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کی اپنی آئندہ نسل کے لئے اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ ”مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي“ (میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے) میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر، اور آخر میں کہتے ہوں کہ ملت کے پیمانہ پر اور ملت ہند یہ اسلامیہ کے پیمانہ پر، ہمارے دلوں میں نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستہ پر چلے گی۔ وہ کس گروہ ملت کی پیرو ہوگی۔ کس کی پرستش کرے گی۔ کن عقائد کو مانے گی۔ یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں خداؤں اور دیوتاؤں کی، یہ اس وسیع کائنات میں اپنی محدود زندگی میں کس کے دست قدرت کا کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی۔“

اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھنے کی جدوجہد شروع

ہو گئی ہے اس کو جاری رکھیں ہم کو کسی ملک میں دریا کی مچھلیوں کی طرح (جن کی کوئی شناخت نہیں ہوتی) زندگی گزارنے کی اجازت نہیں۔ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے پوری ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو پہلے سے قائم تھا۔ اس کو اپنا موضوع بنایا۔ پھر یکساں سوال کوڈ کا مسئلہ ہے۔ ان سب مسئلوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہاں بھی میں اپنی گذشتہ تقریر کا کچھ حصہ پیش کروں گا، جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس بمبئی منعقدہ ۱۵/۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء میں کی گئی، میں نے کہا تھا :

”مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی عائلی قوانین میں تبدیلی قبول کر لیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے۔ اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں۔ فلسفہ اخلاق، فلسفہ نفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں کا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود اور گھر میں مسلمان نہیں۔ اپنے معاملات میں مسلمان نہیں۔ اپنے عائلی و خاندانی روابط تعلقات میں مسلمان نہیں۔ اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوتِ ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا

اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوتِ ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔“

حضرات! میں نے چند سال ہوئے اندور میں ٹیگور ہال میں پیامِ انسانیت پر تقریر کی اس موقع پر RSS کے لوگ موجود تھے۔ اگلے دن ایک وفد میری قیام گاہ پر آیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس میں RSS کے سیدز اور اس کے ذمہ دار ہیں اور مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ”کل آپ کی تقریر سن کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ آپ کو اس ملک کی ہم سے زیادہ فکر ہے۔“ میں اپنے تاثر اور شہادت کو اپنے اور پوری ملت کے لئے قبل شکر سند سمجھتا ہوں۔ ضرورت ہے کہ آپ کی ہر بات سے اس کا اظہار ہو اور یہاں کے شہری یہ سمجھیں کہ آپ کو اس ملک کی اتنے سے زیادہ فکر ہے۔ آپ کو دوست سے زیادہ ملک عزیز ہے۔ آپ کو یہ معاشرہ عزیز ہے، یہ وہ جو ہر ہے جو مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اٹلی سے اٹلی لوگوں میں بھی یہ بات نہیں رہی وہ بے تکلف اپنی دوست میں اضافہ کرنے کے لئے اس سطح پر آ جاتے ہیں اور وہ کام کر لیتے ہیں جس سے ملک خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ معاشرہ بری طرح زوال کا شکار ہوتا جا رہا ہے اور پوری پوری کمیونٹی بلکہ ملک کی اس عظیم آبادی میں اس صورتحال سے حقیقی طور پر مضطرب و بے چین ہونے والا اور اپنی کمیونٹی، پارٹی، فرقہ اور جماعت کی ملامت و تنقید یا مدح و تعریف سے بے پرواہ ہے نیز ہو رتنقید و انتساب کا فرض ادا کرنے والا اور خطرہ کا بگل بجانے والا دُور دور نظر نہیں آتا۔

حضرات! آپ کے اس اجلاس میں بڑے بڑے علماء فضلاء علوم دینیہ، زعماء و قائدین، اہل قلم و مفکرین موجود ہیں۔ میں اپنی اس گزارش کو اسلام کے عہد اول کے ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ کو یاد دلانے پر ختم کرتا ہوں جو ہمارے لئے پورا پیام رکھتا ہے۔

جس وقت جزیرۃ العرب میں ارتداد کی آگ پھیل گئی تو یہ سب کی ذمہ داری تھی۔ لیکن ذمہ داری کے احساس میں فرق ہوتا ہے۔ یہی فرق آدمی کو بڑا اور زندہ جاوید بناتا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت خلیفہ وقت تھے۔ انہوں نے کہا۔

اِنْقُصُ الدِّينَ وَاَنَا حَيٌّ

کیا میرے جیتے جی دین میں کوئی کتر بیونت ہو سکتی ہے؟ کوئی قطع برید ہو سکتی ہے؟ حیف ہے میری زندگی پر اگر میرے سامنے شریعت اسلامی میں ترمیم ہونے لگے اور اس کے فرائض و احکام میں انتخاب کیا جانے لگے نماز تو ٹھیک، روزہ بھی ٹھیک، لیکن زکوٰۃ نہیں، یا زکوٰۃ بھی ٹھیک، روزہ نہیں، میں زندہ ہوں اور میرے سامنے یہ تحریف ہو؟ ہو ہی نہیں سکتا۔

بس یہ حمیت تھی جو اہل کران کی زبان پر آئی اور یہ لفظ ان کی زبان سے نکلے اور اس نے زمانہ کی کل کئی موڑ دی اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

اللہ جل جلالہ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن طریقہ سے انجام دینے کی توفیق بخشے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ
اجمعین۔ واحرودعوانا ان الحمد لله رب العالمین

زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے

یہ ایمان افروز خطاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۷ محرم
الحرام ۱۳۹۳ھ بمطابق ۲ مارچ ۱۹۷۳ء دارالحدیث جامعہ رحمۃ خانقاہ مولگیر میں کیا۔
جامعہ رحمانیہ امیر شریعت حضرت مولانا محمد علی مولگیرؒ کا وہ قدیم ادارہ ہے جسے
صوبہ بہار ہندوستان میں ایک مرزئی حیثیت حاصل ہے، جسے از ہر بہار بھی کہا جاتا ہے

حضرات امیر شریعت اس تذکارِ ارام طلبائے عزیز! آج میری ایک دیرینہ آرزو پوری
ہوئی، کہ میں یہاں اس عزیز و محبوب سرزمین پر حاضر ہوں۔ میری یہ حاضری آپ کے لئے
کسی نفع یا کسی خدمت کا ذریعہ ہے یا نہیں اس میں بہت شبہ کی گنجائش ہے، اور یقین کے
ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکوں گا، اور ان توقعات کو پورا
کر سکوں گا جن کا آپ نے اپنے اس مخدسانہ سپاس نامہ میں اظہار کیا ہے، لیکن اس میں
کوئی شک نہیں کہ یہ حاضری میرے لئے موجب سعادت اور باعث سرفرازی ہے۔ میں
یہاں خادمانہ حاضر ہوا ہوں، عزیزانہ بھی، برادرانہ بھی لیکن اس سے زیادہ خادمانہ۔ میں یہ
سمجھتا ہوں کہ اگر میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں تشریف لاتے تو وہ بھی اس
حاضری پر خوش ہوتے، اور جن کی خدمت میں وہ آتے ان کو بھی اس سے بڑی مسرت
ہوتی۔

میرا قدیم اور عمیق تعلق

عزیز طلبہ! جیسا کہ سپنامے میں کہا گیا ہے، میرا اس سلسلہ سے اور اس ذات گرامی سے جس سے اس جگہ کا انتساب ہے، بہت قدیم اور عمیق تعلق ہے اور میں اس تعلق پر نازاں بھی ہوں، شکر گزار بھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو بھی کہ اس کو باقی رکھے۔ میں یہاں بالکل محسوس نہیں کرتا کہ میں کسی نئی جگہ پر ہوں اور کچھ اجنبی طلبہ کو کسی مدرسے کے طالب علموں کو خطاب کر رہا ہوں۔ میں بالکل یہ محسوس کرتا ہوں کہ اپنے خاندان کے افراد کو اپنے ہی خاندان کے نونہالوں اور عزیزوں کو خطاب کر رہا ہوں، اور غالباً حضرت مولانا منت اللہ صاحب امیر شریعت بھی یہی سمجھتے ہوں گے، اور یہی محسوس کرتے ہوں گے، اور انہوں نے مجھے بلا کر یہ تصور نہ کیا ہوگا کہ وہ کسی اجنبی کو دعوت دے رہے ہیں، بلکہ اپنے ہی ایک عزیز اور فرد خاندان کو اپنے بچوں سے اور اس چمن کے نونہالوں سے ملا رہے ہیں، اس لئے آپ سے مجھے نہ کسی قسم کی کوئی معذرت کرنی ہے نہ کوئی رسمی شکر یہ ادا کرنا ہے، البتہ سپنامہ پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ سپنامہ تو اس کو پیش کیا جاتا ہے جس سے کسی قسم کی بیگانگی ہو، یا وہ مہمان کی حیثیت رکھتا ہو، یہ تو میرا گھر ہے میں یہاں گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے حاضر تھا، اور یہ آپ نے تکلف برتا۔ لیکن چونکہ یہ تکلف محبت پر مبنی ہے اور اس کا محرک بہت قابل قدر ہے، آپ حضرات نے اپنے تعلق کے اظہار کا یہی طریقہ سمجھا جو آج کل رائج ہے اس لئے میں اس کی زیادہ شکایت نہیں کروں گا، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اس کی ضرورت نہ تھی، اگر آپ نے خلوص کے ساتھ اس کو پیش کیا تو اس کو سراںکھوں پہ رکھتا ہوں اور آپ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔

کہنے کی باتیں تو بہت ہیں

میرے عزیزو! اس وقت آپ سے کہنے کی باتیں تو بہت ہیں۔ ہم آپ سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ بندہ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی جتنی دینی درسگاہیں ہیں خواہ وہ ہندوستان میں ہوں، خواہ وہ مصر و شام میں ہوں، خواہ وہ مراکش، الجزائر اور تیونس میں ہوں، سب کے صلیب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ یہ کشتی اس وقت ایک متلاطم سمندر میں ہے، اس کے رداب بالا اور اس کے بھنور بہت سخت ہیں۔ اس میں اس وقت طوفان آیا ہوا ہے اور بڑے بڑے جہاز جو بڑے بڑے انتظامات سے مسیح ہیں اور جن کے تحفظ کا پورا سامان کیا گیا ہے اور جو سمندر کے رخ پر بہہ رہے ہیں وہ بھی اس وقت تلاطم میں ہیں وہ بھی اس وقت ایک خطرہ محسوس کرتے ہیں چہ جائیکہ ہم اور آپ جو دریا کے رخ کے بالکل خلاف اپنی کشتی کو لے جا رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو بہت سنجیدگی کے ساتھ اپنے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔

دو فریق

اس میں ایک تو وہ ہے جو دینی مدارس کے مستقبل سے بالکل مایوس ہے، ان کی افدیت کا منکر ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس غرض کے لئے ہیں اور یہ کیا خدمت انجام دیں گے اور ان کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں، ان کے پاس بدلے ہوئے زمانہ کے لئے کوئی پیام ہے، یہ اپنے اندر کوئی افدیت رکھتے ہیں، ان کے اندر باقی رہنے کی بھی صلاحیت ہے؟

ایک فریق وہ ہے کہ جو بالکل خواب غفلت میں مدہوش ہے۔ وہ حقائق کو بالکل نہیں سوچتا۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جیسے آج سے چار سو برس اور چھ سو برس پہلے کا زمانہ ہے، جامعہ

نظامیہ بغداد کا زمانہ ہے۔ اس کو کسی تغیر و انقلاب کی خبر نہیں، یا اگر خبر ہے تو اس نے اپنے کو اس سے بالکل بے تعلق بنا رکھا ہے، جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ شتر مرغ ریت میں اپنا سر دھنسا دیتا ہے اور خارجی دنیا سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور پھر اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوتا ہے، جب وہ نہیں دیکھتا تو سمجھتا ہے کہ کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے، یہ دونوں فریق دوسروں پر ہیں۔ دونوں، دو مختلف انتہاؤں پر ہیں جسے ہماری درسی زبان میں علیٰ طر فی الآخر کہتے ہیں، ان میں کوئی بھی حقیقت پسندی سے کام نہیں لے رہا ہے، اور کسی کی بھی راہ، اعتدال کی راہ نہیں ہے۔

زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے

آپ سے کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے، اور اس کے لئے کسی بڑے انکشاف اور کسی بڑی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ زمانہ بہت نازک ہے اور زمانہ بہت تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے بلکہ بدل چکا ہے اور اس کے بعد بھی وہ ایک جگہ پر رکا ہوا نہیں ہے، بلکہ بدلتا چلا جا رہا ہے اس لئے ہمارے مدارس کے طلبہ کو ان دونوں فریقوں سے بالکل ہٹ کر ٹھنڈے دماغ سے اور بہت صبر و سکون اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے، کہ ان کا مستقبل کیا ہے، اور وہ کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

مذہب کوئی عجائب خانہ اور میوزیم نہیں

عزیز طلبہ! یہ میں آپ سے کہہ دوں کہ بڑی بڑی کتابیں آپ پڑھ سکتے اور آپ نے پڑھی ہوں گی، اور اُر پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملتا تو آپ آئندہ پڑھ سکتے ہیں۔ اس موضوع پر بڑی اچھی اچھی کتابیں ہیں، لوگوں نے سہمی حیثیت سے تحقیقی طریقے پر اس پر بحث کی ہے کہ کسی نظام کو محض روایات پرستی، محض قوت مقابلہ اور محض اصرار و انکار کے

ساتھ باقی نہیں رکھا جاسکتا، کوئی صالح سے صالح نظام ہو، اس کو محض روایت پرستی پر اور ایک مقدس ورثہ کے طور پر یا آثارِ قدیمہ کے طور پر باقی نہیں رکھا جاسکتا، دنیا میں آثارِ قدیمہ کی گنجائش تو ضرور ہے، اور آپ نے بڑے بڑے شہروں میں آثارِ قدیمہ کے مرنے دیکھے ہوں گے، وہاں زندہ عجائب خانے بھی ہیں اور مردہ عجائب گھر بھی ہیں، شاید آپ کے صوبہ کے دارالحکومت پٹنہ میں بھی کوئی ایسی جگہ ہو۔

ایسے آثارِ قدیمہ دنیا میں نہ صرف یہ کہ باقی رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو سینے سے بھی لگایا جاتا ہے اور ان کے لئے بہت بڑا قطعہ زمین مخصوص کر دیا جاتا ہے، اور ان کے لئے خدمت کے بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ بھی مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن اس کی حیثیت یہ ہے، اس کی حیثیت ایک بے ضرر، ایک غیر متعلق، ایک قابلِ زیارت، قابلِ دید، اور تفریح کے ایک سامان کے طور پر قدیم یادگاروں کے ایک مجموعہ ہے۔ اس سے زائد چھ نہیں۔ ان کو اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ زندگی میں ان کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر کام نہیں چلتا، وہ ایک بہت اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بالکل نہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ اس مشغول زندگی میں کبھی کبھی تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، تو ان سے تفریح حاصل ہوتی ہے، یا پھر قدیم تاریخ پر فخر کرنے کا ایک موقع ملتا ہے کہ قدیم عظمت کا وہ نشان ہے کی قوم، کسی ملک کے ایک دور کی تہذیب کا مرقع ہے، اگر آثارِ قدیمہ کے اندر احساس ہو تا یا جن کی طرف ان آثارِ قدیمہ کی نسبت ہے وہ اگر زندہ ہوتے تو ہرگز اس صورت حال پر خوش نہ ہوتے۔

یہ پوزیشن کوئی زندہ اور صاحبِ دعوت قوم قبول نہیں کر سکتی

کوئی زندہ جماعت جو پیام رکھتی ہے جس کا ایک مقام ہے جس کو بعض حقیقتوں پر اصرار ہے، جس کو بعض چیزوں سے انکار ہے، جس کا اپنا ایک راستہ ہے، جس کو خدا نے

روشنی عطا کی ہے، جو کچھ چیزوں کو غلط سمجھتی ہے، کچھ چیزوں کو صحیح سمجھتی ہے، وہ ہرگز اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس کے لئے کوئی جگہ مخصوص کر دی جائے اور اس کو بے ضرر سمجھ کر وہاں رہنے کا موقع دیا جائے جیسا کہ فراعنہ قدیم کی لاشیں ممی کی ہوئی۔ مصر میں رکھی ہوئی ہیں۔

عربی مدارس آثار قدیمہ کے طور پر

جو لوگ عربی مدارس کی وکالت اور ان کی سفارش اس انداز سے کرتے ہیں کہ بھی آپ کے یہاں بڑے بڑے میوزیم ہیں آپ کے یہاں بڑے بڑے دارالآثار ہیں۔ برطانوی قوم کا حال یہ ہے کہ اس کو سب سے زیادہ شغف ہے میوزیم سے۔ شاید جتنے بڑے بڑے میوزیم لندن میں ہوں دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔ اس لحاظ سے یہ عربی مدرسے آثار قدیمہ کی حیثیت سے باقی رکھے جائیں تو میں کم از کم ایسی پوزیشن کو ہرگز قبول کرنے پر تیار نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جس نظام کی وکالت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور حضرت مولانا علی صاحب مونگیری نے کی جس کے لئے ندوۃ العلماء کی درسگاہ قائم ہوئی اور جس کے لئے دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، جس سے ہم سب لوگوں کو متعلق ہے، اس کی بنیاد ہرگز اس پر نہیں تھی۔ یہ رحم کی کوئی درخواست نہیں تھی، یہ رحم کے لئے کوئی استغاثہ نہیں تھا، کہ صاحبو! بہت سی چیزیں آپ نے چھوڑ دی ہیں قبرستان بھی باقی ہیں بڑے بڑے آباد اور ایسے شہر کہ جہاں پر ایک گز زمین کا ملنا بھی مشکل ہے، وہاں پر بہت بڑے رقبہ میں قبرستان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا کوئی مصرف نہیں ہے اور وہ ایک بہت بڑی جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے مکانات بھی بن سکتے ہیں مکانات کے لئے لوگوں کے پاس جگہ نہیں ہے، شہر تنگ ہو رہا ہے، پھیلتا چلا جا رہا ہے اور یہ قبرستان ہیں، آپ نے قبرستان چھوڑ رکھے ہیں، آپ کا کیا حرج ہے

اگر آپ ان مدرسوں کو بھی اسی طرح چھوڑ دیں، کم سے کم میں اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوں۔

بہر حال ایک تو فریق یہ سمجھتا ہے کہ یہ مدرسے اپنی افادیت، اپنی زندگی کی صلاحیت ختم کر چکے ہیں اور اب ان کو آثار قدیمہ کے طور پر باقی رکھنا چاہئے۔ تو میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ اول تو میں اس پوزیشن کو قبول نہیں کرتا، دوسرے یہ کہ دنیا میں جو اس مقام پر آجائے، جو اپنے لئے یہ مقام پسند کر لے اس کے لئے پھر زندگی کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ آج اگر قبرستانوں کو لوگوں نے کسی وجہ سے چھوڑ رکھا تو کل ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ آپ دیکھ بیٹھے کہ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا قبرستان کتنا بڑا تھا۔ اس کے دیکھنے والے یہاں بھی موجود ہوں گے۔ میں بھی جب شروع میں دہلی جایا کرتا تھا، دہلی کی سیر کرتا تھا تو ایک لقمہ میدان تھا۔ ہزاروں ہزار قبریں تھیں۔ اب ان کو تلاش کرتے رہئے۔ اب جہاں حضرت خواجہ کا مزار ہے اس کے آس پاس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے، اس لئے کہ شہر کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں اور شہر کی ضرورت کو ایک حقیقت سمجھا جاتا ہے اور یہ چیزیں محض ایک رعایت اور مجبوری کے دائرہ میں آتی ہیں اور رعایت و مجبوری حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لئے اول تو ان مدارس کی پوزیشن صحیح نہیں، دوسری بات یہ کہ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ ان چیزوں کو رواں دواں اور حقیقت پسند زندگی، وہ زندگی جو زندگی کی صلاحیتوں سے نہ صرف معمور بلکہ مخمور اور مدہوش ہے، اور جو کسی کو قبول کرنے کے لئے کسی کو اپنے حصہ میں سے حصہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے، زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔

محض قدامت اور تاریخ کے سہارہ پر کوئی ادارہ زندہ نہیں رہ سکتا

دنیا میں کوئی ادارہ محض اس وجہ سے نہیں چل سکتا کہ یہ ادارہ آج سے سو برس دو سو برس پہلے قائم ہوا اور اس نے کچھ مفید خدمت انجام دی تھی۔ محض تاریخ کے بل پر، محض تاریخ کے سہارے کوئی ادارہ، کوئی تحریک، کوئی فلسفہ، کوئی نظام نہ چلا ہے نہ چلے گا۔ اگر آپ کسی ادارے کو قائم رکھنے کے لئے اور اس کے لئے کچھ مراعات حاصل کرنے کے لئے اس کی تاریخ پیش کرتے ہیں کہ اس نے دور ماضی میں یہ خدمات انجام دیں۔ تو لوگ اس کو بالکل نہیں سنیں گے، اور اگر کوئی آج خاموش ہو جائے گا تو کل اس کے اندر سے نہایت پر زور اور پر جوش تقاضہ پیدا ہوگا کہ اس کو ختم کر دینا چاہیے۔

بقاء النفع کا بے لاگ قانون

اللہ تعالیٰ کا جو نظام اس کائنات میں جاری و ساری ہے جو ان میں قرآن مجید اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، وہ بقائے نفع کا قانون ہے۔ یوں تو اس وقت دنیا نے نس قانون کو تسلیم کیا، وہ بقائے صلاح کا قانون ہے (SURVIVAL OF THE FITTEST) لیکن حقیقت میں قرآن مجید سے جو سمجھ میں آتا ہے، وہ بقائے نفع کا قانون، صاف صاف قرآن مجید میں ہے، سورہ رعد کی آیت ہے۔ آپ نے بہت پڑھی ہوگی، اور اس کی تفسیر بھی دیکھی ہوگی۔

”فَأَمَّا الرِّبْدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ

فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ“

جس چیز میں کوئی نافعیت نہیں، جس چیز میں کوئی پیام نہیں ہے، جو چیز کوئی اہم

خدمت انجام نہیں دے رہی ہے، جس پر انسان کی بقاء اور نشوونما اور انسان کی راحت اور ترقی کا کوئی انحصار نہیں ہے اس کو قرآن مجید نے زبد کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ جو بہت ہی جامع اور نہایت وسیع اور عمیق لفظ ہے، اور معانی سے لبریز ہے۔ زبد پھین کو کہتے ہیں یعنی دریا کا وہ جھاگ جو اپنے اندر کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ جس کے اندر ثبات و استقامت کی کوئی صلاحیت نہیں، وہ دریا کے جوش کی ایک نمود ہے، دریا کے جوش کا ایک خارجی ظہور ہے، اور اس کے اندر کوئی استقامت نہیں کوئی صلابت نہیں، بس ایک پھولی ہوئی سی چیز ہے جس کے اندر ہوا بھر گئی ہے، یا یہ کہنے کے نیچے کا جو میل کچیل تھا وہ اوپر آ گیا ہے۔ اس کے اندر انہوں کو فائدہ پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، وہ اوپر اوپر بہہ جائے گا یا کنارہ پر جا کر کہیں کسی چیز سے ٹک جائے گا اور باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ اس میں باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو قانون تربیت ہے، وہ قانون تربیت اس کی اجازت نہیں دیتا کہ زبد زیادہ دنوں تک باقی رہے، اس لئے کہ یہ عالم اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ اس میں زبد کی سالی ہو۔ اگر دریاؤں کا جھاگ اور پانی کا پین اس طرح باقی رہے گا تو جن کو باقی رہنا چاہئے ان کے لئے مشکل ہو جائے گا واما ما یفنع الناس لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہے فیما کث فی الارض وہ ٹھہر جاتی ہے۔

زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے
استحقاق کی زبان ہے

تو اگر ہمارے مدارس یہ چاہتے ہیں کہ وہ باقی رہیں، اور وہ اس زندگی میں اپنی جگہ بنانا چاہتے ہیں، زندگی کا استحقاق ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنے اندر نافیعت پیدا کرنی چاہئے کہ زندگی کی کوئی ضرورت ہے جو ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ زمانہ

جس زبان کو سمجھتا ہے، اور ہر زمانہ میں سمجھتا رہا ہے، اس کے لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں، وہ آپ عربی میں کہئے تو زمانہ سمجھے گا، انگریزی میں کہئے تو سمجھے گا، اور زبان بے زبانی میں کہئے تو سمجھے گا۔ گونگا اس کو کہے گا، اس کا اظہار کرے گا تو زمانہ سمجھے گا، اور اگر اپنے زمانہ کا کوئی سبحان اور اپنے زمانہ کا کوئی لسان اس کا اظہار کرے گا تو زمانہ سمجھے گا۔ زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع کی زبان ہے، وہ زندگی کے استحقاق کی زبان ہے، زندگی جیسا کہ اقبال نے کہا ہے، ایک استحقاق ہے، زندگی کوئی خیرات نہیں، زندگی تو خود حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اس کا استحقاق پیدا کر لیجئے تو دنیا آپ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی، جرمنی کو دو ہونک جنگوں کے بعد بھی اس لئے باقی رکھا گیا ہے کہ اس نے اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اس کو ہمیشہ کے لئے کوئی ختم نہیں کر سکا۔ بہت سی قومیں دنیا میں ہیں جو بالکل ختم ہو گئیں، لیکن بہت سی قومیں ایسی ہیں جو بار بار شکست کھانے کے بعد بھی باقی ہیں۔ مسلمانوں نے تاتاریوں سے شکست کھائی اور ایسی کھائی کہ شاید دنیا کی کسی قوم نے ایسی شکست نہیں کھائی تھی لیکن چونکہ ان کے اندر ما ینفع الناس کا مادہ تھا۔ وہ ایک پیام رکھتے تھے، وہ ایک زندہ دعوت رکھتے تھے، اس لئے تاتاریوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑا، وہ تاتاریوں کے سامنے جھکے ان کی تلوار کے سامنے جھکے لیکن تاتاریوں کی تلواروں کو، دلوں کو اور دماغوں کو ان کی نفعیت کے سامنے، اور ان کے پیام کے سامنے جھکنا پڑا۔

میرے عزیزو! آج ہمارے دینی مدارس کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وہ زندگی کا استحقاق ثابت کریں، اپنا امتیاز ثابت کریں کہ اگر وہ نہ رہے تو زندگی بے معنی ہو جائے گی، یا زندگی ناقص ہو جائے گی اور کم سے کم ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگا، ایک بڑا شگاف اس زندگی کے اندر پیدا ہو جائے گا جس کو اور کوئی پر نہیں کر سکتا۔ باقی رحم کی درخواست نہ کبھی دنیا میں سنی گئی ہے نہ کبھی سنی جاسکتی ہے، اور زمانہ تو جمہوریت کا ہے جمہوریت بھی ایسی کہ اس نے اب کلیت پسندی کو اور کمیونزم کو قبول کر لیا ہے، بالکل سونا

سمجھ کر ایک منزل کے طور پر منزل ہی نہیں بندہ ایک فیصلہ کے طور پر اس نے میوزم نہ قبول کر لیا ہے تو اس میں تو اب بالکل اس کی گنجائش نہیں رہی کہ ہم یہ ہمیں کہ بھائی ہمیں فداں صومست نے باقی رکھا، ہم فلاں دور میں باقی رہے، آپ بھی ہمیں باقی رکھنے یا آپ یہ نہیں کہ ہم نے جنتِ دی میں اتنا حصہ لیا تھا۔ ہمارا استحقاق ہے۔ اس کو اب دنیا ماننے کے تیار نہیں ہے۔

آپ ایک اہم محاذ پر تعینات ہیں

آپ یہ ثابت کیجئے کہ آپ ایک ایسے عورت پر کھڑے ہوئے ہیں، زندگی کے ایک ایسے محاذ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ اگر آپ نے وہ محاذ چھوڑ دیا تو اس کو سنبھالنے کوئی نہیں۔ آپ ثابت کریں کہ آپ اخلاق کے محاذ پر کھڑے ہیں۔ خدمتِ نعت کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ علمی بندی کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ علمی تحقیق کے محاذ پر کھڑے ہیں۔ آپ نے اپنی جد جھوڑ دی یا آپ کو اپنے محاذ سے ہٹا دیا یا آپ کو تندرستی عطا فرمائی یا آپ کو اس کو نہ یونیورسٹیاں برسرِ سبیل کی علمی مجلسیں برسرِ سبیل کی، نہ کونسلیں برسرِ سبیل کی، نہ ہونی اور کوشش برسرِ سبیل کی۔ یہ سب خدا کا بنایا ہوا وہ بدرِ قیامت قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

‘فَإِنَّمَا الزُّنْدُ فِيذِهِبُ حُفَاءٌ وَإِنَّمَا يَنْصَعُ النَّاسُ فِيمَا كَتَبَ

فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ۔“

پہلی بات تو یہ ہے کہ اب اس وقت ہمارے مدارس کے محض مسلمانوں کے جذبہ خیر۔ مسلمانوں کے دین پسندی، اسلام پسندی، محض مسلمانوں کے دین و شریعت کے احترام یا محض بعض مادی قربانی یا بعض مادی بزرگی کے بل پر قائم نہیں رہ سکتے، میں دل پر پتھر رکھ کر یہ اغماظ بہہ رہا ہوں اور خود مجھے اس سے تکلیف ہے، لیکن یہ حقیقت ہے جس کا

نہار کم سے کم اس درس گاہ کے عزیز طلبہ کے سامنے ہو جانا چاہئے، جس کے بانی نے زمانہ دانش و پوچھنا، جس کے بانی نے سب سے پہلے اپنے دور میں یہ اعلان کیا کہ زمانہ بدل رہا ہے، زمانے کے جزئی تغیرات کو واقعی تغیرات تسلیم کرنا چاہئے، اور اپنی افادیت ثابت کرنی چاہئے۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فراست و بصیرت

حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جن کو آپ حضرات ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بیشک وہ ایک بلند پایہ شیخ طریقت تھے، بہت عرصہ صاحب نسبت بزرگوں میں تھے اور اس کی شہادت ان کے تمام معاصرین نے دی ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ان سے متعلق بہت بلند ہیں کہ اس کی بلندی تک ہماری رسائی ممکن نہیں لیکن اس میں اضافہ کرتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ بصیرت عطا فرمائی تھی، وہ ادراک صحیح اور نور باطن عطا فرمایا تھا جو بہت کم لوگوں کو مداسرتا ہے، انہیں لوگوں کو ملتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لیتا ہے۔ اقبال نے جو کہا ہے ان کو بالکل اس کا مصداق سمجھتا ہوں۔

دو صدانا دریں محفل سخن گفت
سخن نازک تر از برگ سمن گفت
ولے با من بگو آن دیدہ و رکیست
کہ خارے دیدہ و حوالے چمن گفت

ندوة العلماء کی تحریک دینی بصیرت کا نقطہ عروج ہے

یہ ندوة العلماء کی تحریک معمولی تحریک نہیں ہے۔ یہ اس زمانہ کی دینی بصیرت کا نقطہ

عروج ہے۔ میں آپ کو حضرت مولانا محمد علی کی درس گاہ کا طالب علم سمجھ کر خطاب کر رہا ہوں۔ میں جامعہ رحمانیہ اور ندوۃ العلماء کو کم جانتا ہوں۔ میں تو حضرت مولانا محمد علی کی درس گاہ کی حیثیت سے آپ کو بھی اور ندوۃ کے طلبہ کو بھی خطاب کرتا ہوں۔ دو تین دن پہلے ہی میں نے وہاں کے طلبہ کو خطاب کیا، یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ آج میں آپ کو خطاب کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔

کرنے کے دو کام

میرے عزیزو! اب میں تم سے یہ عرض کروں گا اور میں نے اس میں حضرت امیر شریعت کے مشوروں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، اور انھوں نے مجھے توجہ دلائی ورنہ ممکن ہے کہ میری اس گزارش کا رخ کچھ اور ہوتا۔ اب میں آپ سے آپ کی زبان اور آپ کے مطلب کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ دو طرح سے اپنی افادیت ثابت کر سکتے ہیں، اور اپنے وجود کو تسلیم کر سکتے ہیں، اور زندگی کا استحقاق پیدا کر سکتے ہیں، ایک داخلی محاذ سے ایک خارجی محاذ سے، داخلی محاذ تو یہ ہے کہ آپ علم میں کمال پیدا کریں یہ بات میں آپ کو ایک ایسے جہاں گرد آدمی کی حیثیت سے بتاتا ہوں جس کے متعلق سپانامے میں بھی اشارے ہیں اور حضرت امیر شریعت نے بھی فرمایا، اس میں کوئی تعریف کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مجھے باہر جانے کا اتفاق بار بار ہوا اور صرف باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ مجھے وہاں کی ان مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا جو تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا کرتی ہیں، اور بعض اداروں سے میرا مستقل تعلق ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ آپ اس گزارش کی قدر و قیمت سمجھیں۔ یہ کوئی عابر سہیل رستہ گزرنے والے آدمی کی بات نہیں، یہ اس شخص کی بات ہے جو ان مجلسوں میں بیٹھا ہے، اور

”مرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے“

میں نے مشرق و مغرب کے میخانے دیکھے ہیں، اس لئے آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ علم میں کمال پیدا کرنا خواہ وہ کوئی علم ہو آپ کے لئے مفید ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عربی میں اور علوم دینیہ میں کمال پیدا کریں گے تو جنگل میں مورنا چاکس نے دیکھا؟ بھلا اس کمال کا قدر دان کون ہے یہ آپ کی بے خبری کی بات ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہاں سے لے کر امریکہ تک، یورپ تک میک گل تک، اور آکسفورڈ اور کیمبرج تک ہر جگہ اس علم کی قدر ہے بشرطیکہ آپ نے اس میں کوئی کمال حاصل کیا ہو۔ لیکن کمال کس کو کہتے ہیں، کمال غدبہ کو نہیں کہتے، کمال کان یکن کو نہیں کہتے۔ کمال اس کو نہیں کہتے کہ آپ عربی کی عبارت پڑھ لیں اور سمجھ لیں، اس کا نام کسی نے بھی کمال نہیں رکھا۔ کمال وہ ہے جسے کہتے ہیں کہ ”جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔“ کمال وہ ہے جو اپنا اعتراف کرا لے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں زمانے کے انقلابات و تغیرات کی یہ سب داستانیں بالکل بے بنیاد ہیں، یہ لوگ آپ کو بالکل دھوکہ دیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ آپ کہاں ہیں، کس چکر میں ہیں، آپ کہاں اپنا وقت کھورہے ہیں۔ ارے بھائی کالج، یونیورسٹی میں پڑھا ہوتا، سائنس پڑھی ہوتی، انگریزی لٹریچر پڑھا ہوتا، آپ نے (ECONIMICES) اکنامکس کا مطالعہ کیا ہوتا، آپ نے فزکس کا مطالعہ کیا ہوتا، آپ نے (TECNOLOGY) ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کی ہوتی، یہ سب ابلہ فریبی اور خیام خیالی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ کمال آپ کسی چیز میں پیدا کریں اور امتیاز حاصل کر لیں، پھر آپ کو کبھی یہ شکایت نہیں ہوگی کہ زمانہ ہم کو نہیں پوچھتا، ہماری کوئی جگہ نہیں ہے۔ آج جو کچھ بھی آپ ہماری دینی تعلیم کا انحطاط دیکھ رہے ہیں وہ بے کمالی کی وجہ سے ہے۔

طب یونانی کو اس لئے زوال ہوا کہ باکمال لوگ ختم ہو گئے

میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، شاید میں اور کوئی مثال دیتا تو اس کے سمجھنے

میں وقت ہوتی، یہ دیکھئے کہ ایک زمانہ میں سارے ہندوستان میں طب یونانی کا زور تھا۔ ہر جگہ مطب کھلے ہوئے تھے اور ہندو اور مسلمان، اور نیک و بد اور جاہل و دہلہ سب حکماء کے پاس جاتے تھے اور ان کے مطب کا یہ حال تھا کہ بس ایک بھیڑ لگی رہتی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ ایک تیران کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ طب یونانی کو زوال اس لئے ہے کہ ڈاکٹری آگئی ہے، ہومیو پیتھک آگئی ہے اور جدید میڈیسن آگئی ہے اس لئے طب یونانی کو زوال ہوا۔ میں بالکل نہیں مانتا، طب یونانی کو اس لئے زوال ہوا کہ اب اس طرح کے طبیب نہیں پیدا ہوتے، اب اس طرح کے ذہین طباع، ذی استعداد اور مجتہدانہ ذہن کے طبیب نہیں ہیں۔ اگر آج وہ پیدا ہو جائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کے پاس ڈاکٹر جانیں۔ اس میں ذرا مبالغہ نہیں، آپ کے شہر کا سول سرجن جھٹ مار کر کے ان کے پاس جائے۔ جب اس کی تکلیف رفع نہیں ہوگی تو کیا کرے گا۔ آپ ایک ایسا طبیب پیدا کر دیجئے میں جانیوں اور بقراط کا نام نہیں لیتا۔ میں افسر الاطباء حکیم عابد علی جھوٹی ٹولہ اور مسیح الملک حکیم اجمل خان کا ذکر کرتا ہوں، حکیم محمود خان کا ذکر کرتا ہوں، اگر ان کے پاس نہ ہیں ان کے دھمے مال کا بھی کوئی پیدا ہو جائے تو طب یونانی کے زوال وغیرہ کی ساری داستان ختم ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ طب یونانی زندہ ہے، بات یہ ہے کہ پچھ در ان نظامی پڑھ کر وگ طب کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جتنے بڑے بڑے علماء ہیں تقریباً طب پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ متعلق مجھے معلوم نہیں، لیکن اکثر علماء اس زمانہ میں طب پڑھتے تھے، ان میں سے بعض پیشہ کے طور پر اس کو اختیار کر لیتے تھے اور بعض اس سے اشتغال نہیں رکھتے تھے، وہ منطق و فلسفہ پڑھے ہوئے اور اشارات طوسی وغیرہ پڑھے ہوئے۔ تل کئے ہوئے جب طب کی طرف جاتے تھے، ذہین خاندانوں کے افراد ہوتے تھے، محنت کرتے تھے تو ان کو ایک ایسا ملکہ حاصل ہو جاتا تھا کہ نبض پر ہاتھ رکھا اور اندر تک پہنچ گئے۔ ایک ایک رگ و

ریشہ کو پہچان لیا۔

مدارس کا بھی یہی حال ہے

یہی ہمارے آپ کے درس کا حال ہے، آپ کسی علم میں کسی فن میں اختصا ص پیدا کر
 میں، امتیاز پیدا کر میں، دنیا آپ کا لوہا مانے گی، اور معاشی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور
 مدارس کا جو مسئلہ اس وقت ہمارے یہاں درپیش ہے یہ سب ختم ہو جائے گا۔ یہ سب
 اصل ہماری پست ہمتی، ست کوئی اور ہماری کام چوری کی عادت کا نتیجہ ہے کہ آج کوئی
 استعداد پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ تجربہ تو ہمارے مولانا منت اللہ
 صاحب کو ہو گا کہ وہ دیوبند دیکھتے رہتے ہیں، ندوۃ میں دیکھتے رہتے ہیں، دونوں جگہ کے
 اہم بنیادی رکن ہیں، کہ اس طرح کے فضلاء نکل رہے ہیں۔ دورہ کا امتحان لینے کے
 لئے لوگ گئے اور معصوم ہوا کہ عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ پہلی حدیث انما الاغمال
 سالنیات، وانما لكل امری ما بوی ہی کو غلط پڑھا اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ اسی طرح
 کے فضلاء مسلسل ادھر کئی سال سے نکل رہے ہیں، میرے خیال میں کوئی بیس سال سے
 یہ انحطاط نمایاں طریقے پر شروع ہو گیا ہے، اور پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا زہ نہیں
 رہا۔ ہمارے والدین نے ہماری عمر برباد کی۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے کسی
 فن میں امتیاز پیدا کر لیا، اور جہاں ہیں وہاں مرجع خلایق ہیں، اور ان کا اٹھنا بیٹھنا مشکل
 ہے۔ اگر کسی نے کسی ایک صنف میں بھی کوئی امتیاز پیدا کر لیا تو اس پھر اس کے لئے فقر و
 فاقہ اور پریشانی ہی ختم اور اتر ہو گی بھی تو وہ کسی اپنی کمزوری کی وجہ سے ہو تو ہو۔ میں ابھی
 مولانا کی مجلس میں کہہ رہا تھا کہ میں نے دارالعلوم مظاہر العلوم میں اس مہینہ کے شروع
 میں غالباً وسط فروری میں تقریر کی تھی اس میں میں نے کہا تھا کہ اگر تم کسی صاحب مال
 کے بارے میں سنو یا تاریخ میں پڑھو کہ وہ ضائع ہوا یا اس کی قدر نہیں ہوئی تو یقیناً نو کہ

اس کے اندر کوئی کمزوری ہے، کوئی سنک تھی، مراق تھا، سخت غرور تھا، گالیں دیتا تھا، مارنے کے لئے دوڑتا تھا، اور سونے پر آیا تو سوتا چلا جا رہا ہے۔ جاگنے پر آیا تو جاگتا چلا جا رہا ہے، ایسی کوئی اس کے اندر مراق کی بات تھی اس وجہ سے لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھ سکے۔ ورنہ میں نہیں مانتا کہ کوئی صاحب کمال جس کے اندر توازن اور اعتدال ہو وہ ضائع ہوا ہو۔

اصل مسئلہ محنت کا ہے

میں آپ سے ایک بات اور بھی کہہ دوں حالانکہ وہ میری زبان سے آپ اس کو سننے کے بالکل متوقع نہیں ہوں گے، اور وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری درس گاندوۃ العلماء کی بنیاد ہی اصلاح نصاب پر ہے، حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ قدیم نظم تعلیم کا سانچہ و پروانہ اور اس کا بہترین نمونہ، وہ اس کا داعی، اور ہم بھی اس کے داعی، اور مولانا منت اللہ صاحب بھی اس کے موید۔ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ زیادہ مسئلہ نصاب کا بھی نہیں زیادہ مسئلہ محنت کا ہے اور اساتذہ کے پڑھانے کا ہے۔ قدیم نصاب سے وہ لوگ تیار ہوئے جو آج جدید نصاب سے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ کیا بات ہے، حالانکہ یقینی بات ہے کہ قدیم نصاب سے جدید نصاب کی بعض چیزیں یقیناً بہتر ہیں مثال کے طور پر جس زمانہ میں نفحۃ الیمن اور مقامات حریری پڑھائی جاتی تھی اور نثر کی کوئی ڈھنگ کی کتاب نہ تھی جس سے زبان و ادب کا صحیح ذوق اور اظہار خیال کی صلاحیت پیدا ہو، اس وقت تو ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ علامہ زبیدی پیدا ہوئے، مولانا غلام علی بلگرامی پیدا ہوئے، شیخ محسن بن یحییٰ ترمذی پیدا ہوئے اور نواب صدیق حسن خان پیدا ہوئے، اور مولانا صدر الدین آزاد پیدا ہوئے اور اب جب کہ نثر کی اچھی اچھی کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اور اس میں عربی زبان

کے بہترین نمونے جمع کر دیئے گئے ہیں، آج ایسے لوگ نہیں پیدا ہو رہے۔ اگر نصاب اس کا ضامن ہوتا تو اب پیدا ہونا چاہئے اور ہم ہی لوگوں کو دیکھ لیجئے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی ہمارے رفیق تھے اور ہمارے بڑے دوستوں میں تھے انہوں نے عربی لکھنے میں بڑا کمال پیدا کیا اور انہوں نے پڑھا کیا تھا، یہی حریری وغیرہ پڑھی تھی۔ میرے زمانہ میں بھی مختارات وغیرہ لکھی گئی تھی۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں میں نے بھی حریری پڑھی اور دوسری کتا میں پڑھیں تو اس میں بہت کچھ انحصار اساتذہ کی محنت اور ذوق آفرینی اور طلبہ کی محنت اور جدوجہد پر ہے۔ نصاب معاون ہے، میں اب بھی نصاب کے تغیر کا داعی ہوں، لیکن تنہا اس پر انحصار نہیں۔

اصل بات

حضرات گرامی! اصل میں شکایت تو یہ ہے کہ آپ حضرات نے محنت کرنی چھوڑ دی ہے۔ آپ حضرات کے اندر ولولہ نہیں، مسابقت کا جذبہ نہیں، آپ حضرات کسی میں کامل ہونے اور درس کی قوت پیدا کرنے کو فخر کی چیز ہی نہیں سمجھتے، اور ہمارے اسلاف ایسے تھے کہ ان کو بادشاہی متی ہو تو مدرس کی خاطر اس کو وہ قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ مدرس بننے میں وہ اتنا بڑا اعزاز سمجھتے تھے کہ وزارت کو ٹھکرا دیں، اور بعض بعض ایسے حضرات تھے کہ میں وزیر درس دے رہے ہیں، لکھنؤ میں وزیر آصف الدولہ کے زمانہ میں سعادت علی خان کے زمانہ میں ہر روز ان کے یہاں رات کو درس ہوا کرتا تھا اور دن کو وزارت کا کام ہوا کرتا تھا۔ ایسی بہت سی آپ کو مثالیں ملیں گی۔ تفضل حسین علامہ ریاضی کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں، یہ وزیر اودھ تھے۔ لیکن درس اس طرح دیتے تھے کہ گویا صرف مدرس ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں لیکن اب ہمارے آپ کے اندر مدرس بننا وجہ افتخار نہیں رہا بلکہ ہم اس سے شرماتے ہیں کہ ہم مدرس بن جائیں، تو ایک بات آپ سے یہ کہنا ہے کہ

دینی طور پر آپ استعداد درست تھے محنت تھے اور پختہ پائی تھیے اور دل، ریے اور کسی فن میں کمال پیدا کیے۔

میرے عزیزو! آج ہمارے مدارس میں اس وقت جو بہت بڑا مسئلہ ہے جس کو اس کے لہنا چاہئے وہ ہے مدرس کا مسئلہ۔ آج مدرس نہیں مل رہے ہیں، ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اتنی بڑی درس گاہ سے بیٹھے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دو تین مدرس بعض فنون کے مل جائیں وہ نہیں مل رہے ہیں اور دیوبند کو اس وقت شیخ الحدیث نہیں مل رہا ہے اب یہ بات آپ کے لئے راز نہیں رہی کہ دیوبند میں شیخ الحدیث کا مسئلہ مناسب طریقہ پر حل نہیں ہو سکا۔ آج مولانا منت اللہ صاحب اس کے رکن رہیں ہیں، اور وہ ناس مینی جس نے یہ فیصلہ کیا اس میں وہ شریک ہیں، لیکن وہ بھی مطمئن نہیں ہیں، میں بھی مطمئن نہیں ہوں، کوئی مطمئن نہیں، یعنی جو دارالعلوم کی روایت تھی، جو دارالعلوم کا عیار تھا اس کے مطابق انہی مسئلہ حل طلب ہے۔ کوئی مدرس نہیں مل رہے ہیں، اس لئے میں کہتا ہوں، یہ کام آپ کریں، آپ بالکل نہ دیکھیں کہ آپ گوشے میں پرے ہوئے ہیں، آپ دیوبند میں نہیں پڑھ رہے ہیں، آپ ندوۃ میں نہیں پڑھ رہے ہیں۔ ان باتوں میں پچھ نہیں رہا ہے، آپ میرا کمال پیدا کیے، دیوبند آپ کا محتاج ہوگا، ندوۃ آپ کا صاحب ہوگا، میں آپ کو بھٹے دیتا ہوں کہ آپ جس وقت کسی فن میں کمال پیدا کریں۔ دیوبند میں آپ کی جگہ محفوظ، ندوۃ میں آپ کی جگہ محفوظ۔

دینی صلاحیت پیدا کیے

ایک بات تو آپ سے یہ کہنا ہے اور دوسری بات یہ، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دینی صلاحیت پیدا کیے۔ آپ کے اندر وہ ربانی کے چھ اوصاف ہوں، آپ کے اندر ان سیرت درجہ اولیٰ کے بزرگوں میں تھیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب ان

گزاری تمہارا کوئی نظام نہیں تھا، کتنی سخت حدیثیں آئی ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی کانپ جاتا ہے، تو میں آپ سے صفائی کے ساتھ یہ کہتا ہوں، مولانا ہوتے یا نہ ہوتے میں یہی کہتا کہ آپ کا پہلا فرض یہ ہے یہاں سے نکلنے کے بعد آپ اس امارت شرعیہ کے کام کو وسیع اور مستحکم کریں اور سارے صوبے میں اس کی شاخیں بنائیں۔ اڑیسہ کے حالات سے میں زیادہ واقف نہیں ہوں، لیکن کم سے کم بہار اور اڑیسہ کے بھی اگر طلبہ یہاں ہوں تو میں ان سے بھی کہتا ہوں کہ دونوں صوبوں کو اس نظام کے دامن میں لانے کی کوشش کریں اور اس نظام سے ایسا مربوط ردیں کہ پورے صوبہ میں زندگی بالکل شرعی طریقے پر گزرنے لگے اور بلکہ بہت اچھا ہوتا کہ جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام ہے، شریعت کی تفصیلات وغیرہ کے ساتھ کہ مثلاً اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کی جائے۔ اموال باطنہ کے متعلق نہیں کہتا اور اُس کا موقع ہو تو آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے وہ نظام بھی نافذ تھا۔ بہر حال یہ آپ کا پہلا کام ہے، میں اس کام پر کسی کام کو ترجیح نہیں دیتا، آپ نے اگر یہ کام کر لیا تو آپ نے نہ صرف اس مدرسہ اور جامعہ رحمانیہ کا حق نمک ادا کیا اور اس کے ساتھ آپ نے وفاداری کی اور اس کے سپوت ثابت ہوئے بلکہ آپ نے اس وقت دینی مدارس کے فرزندوں میں ایک امتیازی مقام پیدا کیا۔

دوسری چیز دینی مکاتب کا قیام ہے، معاف کیجئے گا میں اس وقت عربی مدارس کی افدیت کا اتنا قائل نہیں ہوں کہ قصبے قصبے میں ہوں، اور ہر جگہ دورہ ہو، اور ہر جگہ بخاری شریف ضرور ختم ہو، لیکن ان مکاتب کی ضرورت زیادہ ہے، یعنی مسلمانوں کو دین کے مبادیات سے واقف کرانا، اردو کا تحفظ اور دینیات سے واقفیت اور حلال و حرام اور اس سے بڑھ کر کفر و ایمان اور توحید و شرک، ان کا امتیاز ان کو ہو جائے۔ ہمارے ملک میں آج تیزی کے ساتھ کمیونزم آیا جا رہا ہے اور کوئی موقع کوئی فرصت کوئی لمحہ اس کے لئے ضائع نہیں کیا جا رہا ہے، ہم آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور تیزی کے ساتھ ہندوستان بدل رہا ہے۔

ہے۔ ہر چیز کو نیشنلائز کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹیوں کی باری آگئی مسلم یونیورسٹی کی باری آگئی، کل مدارس کی باری آسکتی ہے، تو اس کے لئے مکاتب کا جال بچھا دیجئے، اور مساجد کو مسلمانوں کی زندگی کا مرکز بنائیے۔ سب سے آخر میں انقلاب کے قدم جہاں پر پہنچیں گے وہ مسجدیں ہیں، اس لئے آپ ایسی جگہ اپنے مرکز بنائیے، جہاں دیر میں انقلاب پہنچے یا وہاں تک انقلاب پہنچتے پہنچتے قیامت آجائے ممکن ہے موقع ہی نہ ملے تو آپ مساجد کو مرکز بنائیے اور کثرت سے مکاتب قائم کیجئے اور بالکل اس کی پرواہ نہ کیجئے کہ آپ نے مدرسہ میں یہ پڑھا تھا، اور وہ علوم عالیہ اور معارف اور حقائق پڑھے تھے اور اب یہاں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دیہاتیوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے علم ضائع کیا کبھی اس کا خیال نہ کیجئے۔ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اسلام کا تحفظ، یہ دو محاذ ہیں، یہاں رہتے ہوئے استعداد پیدا کرنا اپنے علم میں کمال پیدا کرنا، اچھے مدرس بنانا اور باہر امارت شریعہ کا نظام اور مکاتب کا قیام۔ اگر آپ نے یہ دو چیزیں کر لیں تو آپ واما ما یمنع الناس فیما یرض فی الارض کے مصداق ہوں گے اور کوئی بے رحم بے درد ہاتھ کوئی ظالم ہاتھ اور کوئی اقتدار و خیر آپ کے نقش کو نہیں مٹا سکتا اور آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اور سچی بات ہے کہ آپ کے لئے انقلاب نہیں ہے۔ آپ کے لئے کوئی تغیر نہیں ہے اس لئے کہ آپ نے اپنی نافعیت ثابت کر دی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے خاص طور پر ضمانت ہے جو دین کے ذریعہ دین کے راستہ میں اپنی نافعیت ثابت کر دے، جب ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ ان تہلک هذه العصاة لن نعبد، اے اللہ تیری عبادت کا انحصار ان پر ہے۔ تیری توحید کی منادی کا انحصار ان پر ہے۔ آپ بھی ثابت کر دیجئے کہ اللہم ان تہلک هذه العصاة لن نعبد فی هذه الارض کم کم یہیں ہندوستان کے متعلق کہہ دیجئے پھر کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

میری درخواست

بس بھائیو! اگر آپ نے میری یہ باتیں یاد رکھیں، ہو سکتا ہے اس میں آپ کوئی خوش خروش نہ پائیں کوئی خطابت نہ پائیں، کوئی سہمی تحقیق نہ پائیں لیکن یہ آپ کے کام کی باتیں ہیں، تو انشاء اللہ آف سے دس برس کے بعد معلوم ہوگا کہ آپ نے ایسا بہت بڑا حصار قائم کر لیا، نہ صرف اپنے سببکہ تمام مدارس کے لئے اور دینی دعوت اور اس کے کام کے سبب، اگر یہ نہیں ہے تو مجھے ان دینی مدارس کے بند ہونے کا بہت خطرہ ہے، اس کا اندیشہ ہے کہ ان کی جہادوں کو اور ان کے وسائل کو اپنے انتظام میں لینے کا بہت جدی مطالبہ شروع ہو جائے ورنہ اس کا مقابلہ نہ کر سکیں، لیکن اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے یہاں مدد کا استحقاق پیدا کر لیا اور یہاں آپ نے زندہ رہنے کا استحقاق ثابت کر دیا۔ انشاء اللہ چھ انقلاب کی کوئی دست برد آپ کو مڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

رمضان ایٹلیر کوئی نوم زندہ نہیں رہ سکتی

وہ اگر یہ نہیں تاحس تارت کے سہارے شہر روایت کے سہارے اور کھنڈ رات استغاثت کے بل پر اس دنیا کوئی نعمت دوستی ہے نہ کوئی اور وہ روستا ہے نہ کوئی تنہا روستا ہے۔ اگر آپ کی پیام کے منتظر ہوں تو میرا پیام آپ کے سامنے ہیں۔ اگر آپ کی درخواست لو سن سیں تو میری یہ آپ سے درخواست ہے۔ اگر آپ کی مشورے کے طاب ہوں تو میرا آپ کو یہی مشورہ ہے، اس کے علاوہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صد جیتوں کو پروان چڑھائے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ ایک بڑی شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں، ایک مرکز کے ساتھ وابستہ

ہیں، اور وہ مرزا ایسا ہے کہ ہم سے بھی اس کا تعلق ہے اور امارت سے بھی اس کا تعلق ہے، مدارس سے بھی اس کا تعلق ہے میں دعا کرتا ہوں کہ آپ ان کے دامن تربیت میں پورے طور پر پرورش پائیں، ترقی کریں، اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں، اور اپنے ہم سے ملت کو ملک کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

زبان وادب کی اہمیت اور اس کی ضرورت

انجمن الاصلاح خورد، رواق سلیمانی کا افتتاحی جلسہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی صدارت میں ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ کو بعد نماز مغرب سلیمانیہ ہال میں منعقد ہوا مولانا رحمہ اللہ نے طلباء سے یہ خطاب فرمایا جس میں طلبہ مدارس کو اپنے اندر قوت بنیہ پیدا کرنے پر ابھرا گیا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد
المرسلين وخاتم النبيين محمد واله وصحبه
اجمعين ومن تسعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم
الدين ، اما بعد!

عزیز بھائیو اور فرزند ان دارالعلوم!

مجھے بہت خوشی ہے کہ الاصلاح کی اس دوسرے بازو اور اس دوسرے خاندان میں
آئے اور اپنے عزیزوں کو دیکھنے اور منے کا موقع ملا ہے، الاصلاح درحقیقت اس قوت
بنیہ کو پیدا کرنے کی جگہ ہے جو زبان و قلم کے ذریعہ سے وقت اور دین کے تقاضوں کو پورا
کر سکے اور دین پر جو نملے ہو رہے ہیں ان کا جواب دے سکے اور پڑھے لکھے لوگوں
کے ذہنوں میں اسامہ پر وہ اعتماد بحال کر سکے، جو متزلزل ہوتا جا رہا ہے، اور جس کے
بہت سے اسباب ہیں اور ان اسباب پر کتابوں میں اپنے اپنے رتبہ اور اپنی اپنی وسعت
کے مطابق بحث کی جا چکی ہے، کل انادی العربی کے جلسے میں میں نے کہا تھا کہ اللہ کی
ذات ب نیاز ہے، نفی ہے، اس کو نہ وسائل کی ضرورت ہے نہ طاقتوں کی، خواہ جسمانی

ہوں، نہیں ہوں، یا مصنوعی ہوں، کسی چیز کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ قوتِ بیانیہ کا ایک نعمت کے طور پر تذکرہ کیا ہے اور اس کی تاثیر بیان کی ہے مثلاً اس نے کہا کہ

”نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ“

یہاں تک ہی کافی تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے لحاظ سے کہ لتکون من المندوزین ”تاکہ آپ ڈرانے والے بنیں“ لیکن اس کے بعد فرماتا ہے لسانِ عربی مبین۔ آپ ڈرانے والے بنیں ایسی عربی زبان میں جو واضح کرنے والی ہو دل نشین ہو اور جو دل و دماغ کو متاثر کرے اور جو یقین پیدا کرے اور پھر فرمایا

”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ“

(سورۃ یوسف)

یہاں عربی کہنے کی ضرورت کیا تھی اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا کافی تھا لیکن چونکہ اہل عرب مخاطب ہو رہے ہیں اور عرب ہی داعیِ اول میں دین کے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لئے نہ صرف عربی زبان کا انتخاب کیا بلکہ عربی مبین کہا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا جہاں ذکر کیا ہے خلقتِ انسانی کے موقع پر تو وہاں پر بھی اس کو فراموش نہیں کیا یہ تو کہنا بے ادبی ہے۔ بلکہ اس کو ترک نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

”الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“

(سورۃ الرحمن)

اے انسان کو پیدا کیا اور آگے فرماتا ہے کہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس کو قوتِ بیانیہ عطا کی، اس کو سیکھ دیا، اس بات کا کہ وہ اپنی بات کو واضح کر سکے دل نشین کر سکے تو یہ ایک طاقت۔۔

اس سنے اس طاقت کا استعمال جن لوگوں یا جس سروہ اور جس ذہنیت اور مقاصد کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں جاتا ہے، اس سے لوگ ویسا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اگر وہ مسلمانین و مصلحین کے ہاتھوں میں چلا جائے قوت بیانیہ ان کو ملے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں تو وہ جاہلیت کی دعوت کا کام کرتے ہیں اور عقائد سے بے کراخلاق و سلوک اور پورے انسانی تعلقات سب کو متاثر کرتے ہیں اور دنیا کی بین الاقوامی تاریخ میں ایسا واقعہ اور ایسا دور بار بار آیا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں قلم پہنچ گیا اور قلم تو خیر ہر ایک لے سکتا ہے لیکن وہ چلنے والا اور متاثر کرنے والا قلم پہنچ گیا، اور ان کو وہ زبان ساحر اور بیان ساحر مل گیا، جس سے وہ بگاڑ پیدا کر سکیں اور ایک ایسا ادب وجود میں آیا جس نے پورے معاشرہ کو متاثر کیا، آپ یونان کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں بہت بڑا حصہ اس ادب کا تھا جو یونان سے پیدا ہوا، لادینیت کا ادب، تشکیک کا ادب، نفس پرستی کا ادب ان کو مداحم یا رزم نامہ اور شاہ نامہ کہتے ہیں۔ اگر یونانی شاہ نامے پڑھیں گے جن کا عربی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے خود عیسائیوں نے کیا ہے اور کچھ تاریخ میں محفوظ بھی ہے، پھر اگر آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے فساد کی بہت بڑی علت یہ تھی کہ قلم و زبان ان لوگوں کے قبضہ میں آ گئے جن کو نہ خدا کا خوف تھا نہ انسانیت سے محبت ہی تھی اور نہ محاسبہ کا کوئی ڈر تھا، اور وہ نفس پرست تھے اور وہ فساد کے داعی تھے، ان کا ایسا اثر ہوا آپ کو معلوم ہے کہ یورپ یا کل ان کے پھندے میں پھنس گیا، گبن کی مشہور اور شہرہ آفاق کتاب

CONFLIT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE یا ڈر پیر کی

SCIENCE پڑھیں، معرکہ مذہب و سائنس، یہ میں آپ کو بتا دوں کہ میں الاصلاح کا ممنون ہوں کہ میں جب یہاں پڑھتا تھا تو تعلیم کے آخری دور میں حسب استطاعت جب یہاں تدریسی کام میرے سپرد ہوا تو مجھے اس کتاب کی ضرورت تھی، میں انگریزی جانتا تھا، انگریزی پڑھی تھی اور محنت سے میں اصل انگریزی میں کتاب پڑھ سکتا تھا۔

CONFLIT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE۔ لیکن مجھے یہاں اس کا ترجمہ مل گیا، مولانا ظفر علی خان کا شاہکار ترجمہ ہے۔ معرکہ مذہب و سائنس، یہ مجھے اصلاح سے ملتا اور ایسے ہی HISTORY OF EUROPEAN MORALS تاریخ اخلاق یورپ تھی یہ بھی میرے لئے کام کی چیز تھی اور ان دونوں کتابوں سے میں نے اپنی کتاب کا خاکسار اعلیٰ میں فائدہ اٹھایا، اس سے کہ نہ دونوں کتابوں کے ترجمے ہو گئے تھے، اور بڑے اعلیٰ مرتبہ میں کے قسم سے جو سند کا درجہ رکھتے تھے، ایک مولانا ظفر علی خان صاحب کے قسم سے ہوا تھا، یہ مولانا عبدالمجید دریابادی کے قسم سے، میں اصلاح کا ممنون ہوں، حسن مندرجہ میں چاہتا ہوں کہ اصلاح میں یہ صلاحیت باقی رہے کہ اس سے کب اپنی تصنیف و تالیف میں اور تحقیقات میں کام لے سکیں میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔ یہ بھی کہ رہا ہوں کہ آپ کو اپنے ذخیرہ و کتب پر ہمیشہ نگاہ رکھیں، بہت کمزوری تھیں بھی سر میں شاہجہان مولوی ہیں جو کہ طلبہ ہی نہیں بلکہ ان کی نظر سے گزرنے چاہیں اور اس کا احتیاط کرتا ہوں اور میں نے خود اپنے متعلق شہادت دی ہے کہ اس تذکرہ میں اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، اصلاح کوئی تفریق نہیں کرتی ہے، اس سے نہیں ہے کہ میں جو کہ اخبارات پڑھنے جا میں، اخبارات تو آپ ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں، ان کی جگہ سے جہاں خبر نہیں آئے یا آپ رسائل پڑھنے آئیں، ان کے لئے اس پر نہیں، ہندوستان کے مختلف صوبوں سے نکلتے ہیں، سچ کل قوم مدرسہ سے ہوا ہے۔ انجمن سے ہر شہر سے رسالے نکلتے ہیں۔ ایسی چیزیں ہونی چاہئیں، اصلاح کے دارالکتب میں جن سے فائدہ اٹھانے والے ہوں، اس سے بامقصد مصنفین اور اُمیوں، اس سے جن سے وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ و محققین کر سکیں، یہ اصلاح کی بہت بڑی اور بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اور اس وقت میں کہہ رہا ہوں کہ اس سے میں ایک فائدہ دار اور ناظم ندوۃ العلماء کی حیثیت سے یہ صفائی سے کہتا ہوں کہ اس میں اتنا مدد و خدمت

دونوں آپ کی مدد کرنے اور آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نئی کتابوں کی فہرست تیار کریں، اچھے اہل نظر کے مشورہ سے اور سنجیدہ اور فکر انگیز اور موردِ فراہم کرنے اور رہنمائی کرنے والی کتابوں کی، اور اس کے بعد آپ کا بجٹ اس کے لئے کافی نہ ہو تو میں اعلان کرتا ہوں کہ دارالعلوم اس میں مدد کرے گا، تو اس وقت یہ قوتِ بیانیہ خواہ وہ تحریری ہو یا تقریری ہو اس وقت اور زیادہ مسلح ہو گئی ہے اور مسلح ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ہمارے عزیز الاصلاح کے غالباً ناظم ہیں انھوں نے جو مضمون پڑھا اس میں انھوں نے کہا کہ یہ بات میں نے بہت دن پہلے کہی تھی کہ صدیوں کے بعد یہ بات پیش آئی ہے کہ یہودی دماغ اور عیسائی وسائل و طاقت دونوں متحد ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کے جن دو مذہبوں میں زیادہ سے زیادہ تضاد ہو سکتا ہے وہ یہودیت اور عیسائیت ہیں، عیسائیت کی بنیاد اس پر ہے کہ مسیح ابن اللہ ہیں اور یہودیت کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ حضرت مسیح پر تہمت لگاتے ہیں، سبھی تہمت لگاتے ہیں، جو کوئی عیسائی برداشت نہیں کر سکتا، لیکن اس کو عیسائیوں نے فراموش کر دیا یہاں تک کہ پاپائے اعظم نے یہ قصور معاف کر دیا یہودیوں کا جو عیسائی پر اعتراض کرتے تھے تہمت لگاتے تھے، تو اس وقت ایک بڑی گہری سازش ہے دنیا میں اور پوس نے اس وقت عنوان اختیار کیا ہے FUNDAMENTALISM کا یعنی روس کے زوال کے بعد امریکہ نے یہ سمجھ لیا اور برطانیہ اور عیسائی و یہودی بڑی طاقتوں نے کہ اگر اب خطرہ ہو سکتا ہے اور کوئی حریف میدان میں آ سکتا ہے تو وہ صرف اسد م ہے اس لئے بڑی ہوشیاری سے اور اس میں یقیناً یہودی دماغ کام کر رہا ہے، انھوں نے اس کو عنوان دیا ہے FUNDAMENTALISM کا اصول پرست، گویا قدامت پرست، اور حق پرست یا یوں کہئے کہ جو قدیم ذخیرہ ہے اس کے پرستار، اس کی اصطلاح کی جگہ پر FUNDAMENTALIST کی اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے اور اس قدر پروپیگنڈہ ہے اور اس زور و شور سے اور بلند آہنگی کے ساتھ اور ایسے مدلل بلکہ منظم طریقہ پر یہ بات کہی جا

رہی ہے کہ کسی آدمی کے لئے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اقرار کرے کہ میں
 FUNDAMENTALIST ہوں حالانکہ ایک مذہبی کے لئے FUNDAMENTALIST ہونا
 ضروری ہے، مذہبی کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ منصوصات قطعی، پر نصوص دین پر، آسمانی
 صحیفوں پر اور کتاب اللہ پر عیسائی اگر ہو تو انجیل اور اگر مسلمان ہے تو اللہ کے آخری
 کلام قرآن مجید کے بیانات پر اس کے احکام پر اس کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور اس
 وقت یہ FUNDAMENTALIST کی اصطلاح اتنی عام ہو گئی ہے کہ بہت ہی تاسف اور
 ندامت کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ممالک عربیہ میں بھی یہ اصطلاح پہنچی دی گئی ہے،
 ابھی ہمارے پاس ایک خط آیا شاید ایک ہفتہ یا دو ہفتہ ہوا میں نام نہیں لوں گا اور ایک ایسی
 جگہ سے آیا کہ جہاں کے حاکم و سلطان ہم سے ذاتی طور پر واقف ہیں احترام کرتے ہیں
 ہمارا ان کا لندن میں ساتھ رہا ہے اور انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ اپنے منطقہ میں
 جس جگہ کے وہ امیر ہیں ایک سڑک کا نام ہمارے نام پر رکھا تھا ”شارع ابی الحسن ندوی“
 اتنا وہ خیال کرتے ہیں اور ایک بڑے بین الاقوامی ادارے میں وہ ہمارے ساتھ رہے
 ہیں ان کے عزیز قریب کیا بلکہ ان کے ترجمان کا خط آیا ہمارے نام کہ تشدد دین کے
 بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، ہم چند مفکروں اور چند علماء کے نام یہ سوال نامہ بھیج رہے
 ہیں کہ تشدد دین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں جس کو عربی اصطلاح میں
 متطرفین کہتے ہیں، انتہا پسند FUNDAMENTALIST کا ترجمہ اصلاً مبداً مین ہے، جو
 مبادی پر یقین رکھتے ہیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا کا سارا فساد اس لئے ہے کہ کسی اصول پر یا کسی
 بنیاد پر یقین نہیں ہے خالص نفس پرستی ہے، اور خالص فائدہ اندوزی اور اپنے نفس کی
 تسکین کا سامان فراہم کرنا ہے، خواہ تمام دنیا کے مسلمہ اخلاقی اصول کے خلاف ہو،
 چاہے اس کا پوری انسانیت، پورے معاشرے انسانی اور پورے عہد پر کچھ اثر پڑے لیکن

اپنا کام نکالنا ہے۔ یہ معنی تھے بے اصولوں کے اور اس بے اصولوں نے آج دنیا کو اس جگہ پہنچا دیا ہے کہ کسی وقت قیامت آسکتی ہے، وہ قیامت تو اللہ تعالیٰ آسکتا ہے، اس قیامت کا ذکر نہیں، ایک ویسی قیامت یعنی قیامت صغریٰ ہر وقت ہوسکتی ہے، پہلی جگہ عظیم بھی ایک طرح کی قیامت صغریٰ تھی، دوسری جگہ عظیم بھی، ایسی جنگیں ہوسکتی ہیں اور اس سے بڑے پیمانے پر ہوسکتی ہیں۔ وہ صرف برادری اور جرمنی کی جنگ تھی اور اس میں کچھ دوسری قوتیں شامل ہوئی تھیں اور اس جنگ میں کسی جی تھی لیکن اب جو جنگ ہوں گی، بہت خطرناک ہوں گی، اس وقت میں ہتھیار رکتی نہیں تھے اور اب ایٹمی ہتھیار رکتی ہیں۔ اور یہ کہ اس جنگ کا رقبہ اس جنگ سے کہیں زیادہ وسیع ہوگا اور یہ سب نتیجہ مذکورہ اصولی اور نفس پرستی کا اور مصلحت پرستی کا اور دنیا پرستی کا لیکن ان کو شرم نہیں آتا کہ انہوں نے یہ اصطلاح ایجاد کی حالانکہ سارا فساد یہی ہے۔

طَوَّيْرُ الْفَسَادِ فِي الْبَرِّ زُلْخَرٌ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ

مَذِيْزٌ سَخِصَ اَلْدُّيْ عَمْرًا لِّمَنَ لَّمْ يَزِجْهُوْا

یہ کیا ہے کہ زمین میں پیدا کیے گئے ہیں۔ مگر ان کے بچہ کے یوں کہ ہر قسم کی برائی اور برائی تو معلوم ہو کہ بسنا کسبت ایدی الناس میں ہیں بسنا اصولی اور نفس پرستی۔ مکمل آزادی اور ہر طرح کی برائی اور نفس پرستی میں کامیابی پرستی پرستی۔ بطور معیشتہا کہ اللہ تعالیٰ جس کو فرماتا ہے، یہ سبب FUNDAMENTALIST کے سبب مکملوں کے خیالات ہیں اور ان کے مقاصد اور ان کی حکومت میں یہ۔ ان چیزیں ہیں جو ان میں ہیں جو ان لوگوں سے فرماتا ہے بسنا کسبت ایدی الناس میں۔ خیال ہے کہ ان میں ہیں۔ استوہ کہ ایدی الناس پہ اس کی نسبت کی ہے اس کی نسبت کی ہے۔ چنانچہ یہ نہیں جانتا کہ کسبت ایدی الناس ان لوگوں کے ہاتھوں نے کیا جو کسی اصول یا ایک انسان کے لئے کی بنیاد پر ان کا تعلق نہیں تھا، ان کی حدود کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں سے

یہاں تک جائیں گے، اور اس کے بعد آگے نہیں جائیں گے۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وقت بڑا نازک اور خطرناک ہے، اس میں تبادلہ خیال کی صلاحیت، تحریری صلاحیت اور لسانی و بیانی صلاحیت، خطابت کی صلاحیت اور تقریر کی صلاحیت ان سب چیزوں کی ضرورت ہے اور اب وہ صرف اس لئے نہیں ہے کہ جیسے کہ آج سے پچاس برس پہلے تھا کہ آپ کسی میاں اور کسی سیرت کے جسے میں تقریر کر دیں یا کسی انجمن کے پیٹ فورم سے کوئی تقریر کر دیں۔ یا اپنے مدرسہ کا تعارف کر دیں، یا کوئی ٹیک مقصد کے لئے جلسہ ہو۔ اس میں آپ تقریر کر دیں، اب تو ایک عظیم سازش ہے، بڑے وسیع اور نہایت گہرے پیمانے پر اور اس کے منضمات بہت دور رس اور بہت دقیق اور بہت عمیق ہیں، یہ اتنی بڑی سازش کہ اسے میرے مجدد و مصلحوں میں جس کے پیچھے اتنا پروپیگنڈا ہوا راستہ ذرا غائب ہو جسے آج میدان کہتے ہیں۔ ذرا غائب ہو، اب ریڈیو، ٹیلی ویژن، پریس اور دیگر میڈیا کے ذریعے اسے جانے والے ہیں، یہ سب کے سب اس کو نہ پرستار بنائے ہوئے ہیں کہ دنیا میں K FUNDAMENTALISM کا مقابلہ کیا جائے یعنی ان کی اصلاح کی رہت۔ حدود کی باقی نہ رہیں وہ سب کر سکتے ہوں جس سے دل خوش ہو جائے۔

ایران کا ایک فرقہ "تائیت" اس دن مناسبات مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ جس غز میں مزہ کرنے وہ کر رہا ہے، آج کا ایران کی نگاہ سے سوچ رہا ہے، پورے یورپ کا مذاق دینے لگا ہے، یہ ہے جس میں مزہ آئے جس میں مذاق دینے والے مذاق دینے والے ہیں انہوں نے کہ وہ مذمت نہیں یہ مذمت اس دن نہ ہو بلکہ وہ مذمت ذرا ہے، اس میں مذمت سید کی بھی شامل ہو، لذت سرسبسی بھی شامل ہو، اور وہ جو ایپ فون نے خوش ہوئی، ہے اور لذت نہ مسرت ہوتی ہے، ابھی اس میں شامل ہو تو لذت کا انہوں نے دائرہ اور وسیع کر دیا ہے، اس سے وہ اور خطرناک بن گئی ہے، بنان کا جو لذتی اسٹوں میں وہ وہاں تک جا چکی

نہیں سکا تھا، اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن یورپ کالذتی اسکوں آگے پہنچ گیا ہے، یہ اس وقت گہری سازش ہے، اس سے بڑھ کر کوئی سازش نہیں، چونکہ ہمارا آنا جانا ہوتا ہے اور ہمارے روابط میں ثقافتی اور صحافی اور تحریری چنانچہ عرب ممالک میں بھی خلیج میں بھی یہ بات داخل ہو گئی ہے کہ تشدد دین کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ تشدد دین کے معنی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معاشرہ اسلام کے احکام کے مطابق ہونا چاہئے اس میں خوف خدا، خوف آخرت ہو اور اسے محاسبہ ہونے کا خیال ہو اور اس میں دوسروں کے اخلاق اور حقوق کا لحاظ ہو اور جو لوگ احکام شریعت کو جاری کرنا چاہتے ہیں، حدود شرعیہ و خیر بڑی چیز ہے، تزیینات بڑی چیز ہیں۔ مثلاً رجم ہے یا جلد ہے یہ چیزیں تو بڑی ہیں اور ان کی نوبت نہیں آتی۔ لیکن جو روزمرہ کے حالات ہیں اور بہت قابل عمل حدود کے اندر جو احکام شرعیہ کا اجراء چاہتے ہیں ان سے بھی حکومتیں ڈر رہی ہیں اور وہاں سے نکلنے والے اخبارات میں اور خطوط میں یہ بات نظر آتی ہے جیسا کہ ہمیں اس کا جواب دینا ہے کہ آپ تشدد دین کے بارے میں کیا کہتے ہیں ورنہ خط کا انداز بتا رہا ہے کہ وہ تشدد دین کے خلاف نکھوانا چاہ رہے ہیں، وہ ایک فتویٰ چاہتے ہیں جس کی وہ اشاعت کریں کہ شیخ ابی الحسن علی الندوی جو معروف ہیں، منصف ہیں، ایسے ہیں، ویسے ہیں اور انھوں نے نام لکھے ہیں بہت ممتاز مفکرین و عرب فضا، کے کہ ان کے پاس بھی بھیجا گیا اور آپ کو بھی بھیجا جا رہا ہے کہ آپ تشدد دین کے بارے میں اپنا خیال ظاہر فرمائیں۔

اب بالکل FUNDAMENTALIST کے بارے میں امریکہ اور برطانیہ اس طرح سوچ رہا ہے اور پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ ایک صدائے بازگشت آرہی ہے ان سکوں سے، آپ کو ان سب خطرات کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اب معاملہ صرف اتنا نہیں ہے کہ سیٹھ مت جاؤ بہت بری بات ہے، اس کی برائی اپنی جگہ مسلم ہے جو شاعت ہے وہ شاعت ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اب صرف یہ نہیں کہ کھیل کود میں زیادہ مت پڑو، فضول خرچی

مت کرو، اب یہ اصطلاح معاشرہ کا کام بہت اہم ہے، میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک رکن کے حیثیت سے اس کی پوری وکالت کرتا ہوں، یہ کام آپ کو کرنا ہے اپنی اپنی جگہوں پر، اصلاح معاشرہ کی دعوت دینی ہے، مکاتب و مدارس کو جاری کرنے کی آپ کو دعوت دینا ہے، مسجد مسجد مکتب قائم ہو اور کچھ گھروں پر بھی اس کا انتظام ہو جیسے پہلے ہوا کرتا تھا، کئی پڑھ لکھے آدمی بیٹھیں اور وہاں کے بچے آئیں اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھیں، قرآن مجید پڑھ سکیں، اور جو دین کی بنیادی باتیں ہیں مثلاً کلمہ اس کو صحیح یاد ہو اور وہ شرک و توحید کا فرق سمجھتے ہوں اور سیرت نبوی ﷺ سے ضروری حد تک واقف ہوں، یہ سب کام آپ کو کرنا ہے۔ لیکن اس سے بڑی ایک گہری سازش اس وقت ہے جس کے لئے بڑے پیمانے پر آپ کو عملی تیاری کرنی ہے وہ ہے عدم اصول پرستی کے خلاف جہاد، اس وقت امریکہ نے خاص طور پر جو مبہم چلائی ہے اور ایک بہت بڑی سازش اور ایک بہت بڑا منصوبہ ہے اس میں یہودی دماغ کام کر رہا ہے اور عیسائی وسائل اور عیسائی طاقتیں اس کے پیچھے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت سارے عالم میں عقیدہ کو، ایمان کو، تعلق باللہ کو، ایک دین کی پابندی کو اور آخرت کے خیال کو متزلزل کریں اور یہ کہہ کہہ کر یہ سب بنیادی باتیں ہیں، پرانی باتیں ہیں، فرسودہ باتیں کہتے ہیں تو اس کے لئے FUNDAMENTALISM وغیرہ کے نام رکھتے ہیں، اس کے لئے آپ کو تیاری کرنا ہے، میں اصلاح کو محض تقریر و تحریر کا ایک شعبہ نہیں سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے ایک مقصد کے پورا کرنے کا یہ ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے ذہن اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا، اسلام پر اعتقاد دوبارہ واپس لانا اور خاص طور پر ترقی یافتہ جو اسلامی ممالک ہیں ان میں اسلام پر اعتقاد متزلزل ہو چکا ہے، الجزائر میں کیا ہو رہا ہے؟ الجزائر میں خالص دین داروں اور حکومت کے نمائندوں کے درمیان جنگ ہے، نہ اسرائیل کی ان کے خلاف ہے، نہ اسرائیل کا ان کے خلاف معرکہ ہے اور نہ کسی یورپین طاقت کی ان کے خلاف جنگ ہے اور نہ ملک میں بگاڑ و فساد پیدا

رہنے والوں کے درمیان، خاص دین دار، دین پسند، میں دین پرست نہیں کہتا، دین
بند طبقے اور جو چاہتے ہیں کہ کلمۃ اللہ ہی العلیا، اس پر عمل ہو، یہاں اللہ کا نام بند
ہو، یہاں اللہ کا نام سب سے اونچا ہو، اللہ کا حکم سب سے زیادہ قابلِ امتثال ہو، عت بھی جاتا
ہو، یہاں فرائض کی پابندی ہو اور محارم سے حرمت کے اہتمام ہو، یہاں مسجدیں آباد
ہوں، ہاں ہر روز بھی جزائر میں ایک بڑا جرم ہے، بربر خیریں آتی راتیں ہیں کہ دین
وہاں سے اتنے آؤں شہید ہوئے، یہاں میں بھی، یہاں سے سب بھی یہاں
ہوں ہے، اور حق موقوفہ کل غیر مسلم عنصر کے قبضہ میں ہے، وہاں سے اور زکوٰۃ لیتا
ہیں، مسلمان نہیں ہیں کی ٹوہرین پر مسجدوں کی خرید و مرافقہ نہیں آتی، یہاں سے یہ
ناتواضع و شراب، عورت ہے، اور میں اندیشہ ہے کہ یہاں سے اس سے چھوٹے
جائے ابھی جو تھوڑی سی تبدیلی ہووے، نو زخمیں کھولیں، یہاں سے اس سے بھی
نہ تھوڑے مسوم ہوں، یہاں سے، اتنی شہید مرحوموں تہرت، یہاں سے شہادتیں
ایکے کا ہاتھ تھامو، اور یہاں سے یہ تھا کہ کوئی یہ غم نہ پایا کہ وہاں سے پائے جاؤں
یہاں سے یہاں سے، ملک پر اس ملک کے مستقبل کی تیار ہو، یہاں سے یہاں سے
یہاں سے یہاں سے، اور اس امر کی حق نیت پر پورا یقین رکھتا ہوں کہ یہاں سے یہاں سے
تاریخ پر یہاں سے یہاں سے، تاریخ پر یہاں سے یہاں سے، تاریخ پر یہاں سے یہاں سے
یہاں سے یہاں سے، یہاں سے یہاں سے، یہاں سے یہاں سے، یہاں سے یہاں سے، یہاں سے یہاں سے
ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، قیادت کر سکتا ہے۔

جدید نصاب تعلیم، یورپ سے جو سریتہ تیار کیا ہے، وہاں سے میسر ہو گیا
ہے کہ سریتہ یہ نہ سمجھتا ہے کہ وہ اسلام پر مبنی کو متزلزل نہ کرے کہ اسلام نے اس
نصاب میں کیا کام کیا تھا، چھ پارٹ ادا کیا تھا، لیکن اب زمرہ بدیں کی ہے کہ وقت
بہت کم، خیر ترقی یافتہ زمانہ تھا، خیر زمانہ رہا، ان کو ان کا مشن عورت کے کچھ حقائق

گئے، دختر کشی بند ہوئی، اور شراب اتنی نہیں پی جانے لگی، لیکن اب اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اصل میں فتنہ کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دینا تو الگ رہا یہ تو اس تنزل کے بعد اس زمانہ کو ہذا کت سے بچ سکتا ہے، اسلام اس زمانہ کو راہ پر لگا سکتا ہے اور اسلام اس زمانہ کو مبارک بنا سکتا ہے اور اسلام اس زمانہ کو رہنے کا سلیقہ سکھا سکتا ہے اس کے لئے آپ کو تیاری کرنی ہے، بہتر ہوگا کہ ہمارے بعض اساتذہ اس میں کتابوں کا انتخاب کریں ایک زمانہ میں ہم نے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی سے مشورہ کر کے ایک فہرست بنائی تھی کہ فلاں درجے سے لے کر فلاں درجہ کے طلباء یہ کتابیں پڑھیں اور فلاں درجے سے فلاں درجہ تک کے طلباء یہ کتابیں پڑھیں اور ہم نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ الاصلاح میں ایک رکن کی ڈیوٹی مقرر کی تھی کہ آپ یہاں بیٹھا کریں، الاصلاح کے کھنسنے کا جو وقت ہے اس میں ایک گھنٹہ آپ وقت دیں کہ طلباء کو معلوم ہو کہ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کون سی کتابیں پڑھنی ہیں، طلباء ان کے پاس جائیں اور کہیں کہ ہم اس درجہ کے طالب علم ہیں بتائیے ہم پہلے کیا پڑھیں، بتائیے کہ ہم تاریخ کا مطالعہ کہاں سے شروع کریں، بتائیے ہم سیرت میں اس وقت کون سی کتابیں پڑھیں، اس منزل پر کون سی کتاب مناسب ہوگی۔ یہ دو انتظامات ہم لوگوں نے کیے تھے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔

عزیز طلبہ! میں نے اتنی طوالت اور اتنی تفصیل کے ساتھ بات کر دی، حالانکہ میں اس حال میں نہیں تھا، اور میں آپ سے معذرت کرنے والا تھا کہ مجھے بعض ضرورتیں ہیں ہمارے معزز مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، ذہن دوسری لائن پر کام کر رہا ہے، لیکن یہ آپ کی محبت ہے آپ کا خصوص ہے، یا اللہ تعالیٰ جو آپ سے کام لینا چاہتا ہے، اس کی اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ میں نے اتنی تفصیل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا۔ بس آخر میں یہ کہنا ہے کہ انجمن الاصلاح کو محض آپ تحریر و تقریر کی مشق، مضمون نگاری سیکھنے کی جگہ نہ سمجھیں

بدنہ یہاں سے آپ کو وہ ذخیرہ لینا ہے، وہ مواد لینا ہے کہ جس سے آپ یہاں سے نکلنے کے بعد جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو انٹیلیجنٹ کلاس کہلاتا ہے، ذہین طبقہ جو ہے آپ اس کو مطمئن کر سکیں اس میں اسلام کی ضرورت کا احساس پیدا کر سکیں اور اسلام کے بارے میں اعتماد واپس لائیں، یہاں سے لے کر انڈونیشیا اور مغرب اقصیٰ اور مراکش تک ان سب جگہوں پر اس وقت جو ڈر ہے وہ یہ کہ امریکہ اور یہودیوں اور عیسائیوں کی سازش سے ان سب جگہوں تک جراثیم پہنچ گئے ہیں کہ اسلام پر اعتماد متزلزل ہو جائے اور اسلام پر عمل کرنے کو وہ فرسودگی اور رجعت پسندی اور FUNDAMENTALISM سے تعبیر کرنے لگیں اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو شرم آنے لگے کہ ہم حشاکلا FUNDAMENTALIST ہیں، آپ کو وہ کام کرنا ہے کہ لوگوں سے سینہ تان کر اور آنکھیں ملا کر یہ کہیں کہ ہاں ہم FUNDAMENTALIST ہیں اور ہمارے نزدیک FUNDAMENTALIST ہی دنیا کو بچا سکتا ہے اور سری خرابی اور سارا فساد FUNDAMENTALISM نہ ہونے کی وجہ سے ہے، کوئی اصول نہیں، کوئی معیار نہیں، کوئی حدود نہیں صرف نفس پرستی ہے، صرف خواہش پرستی ہے، صرف اقتدار پرستی ہے، صرف سیاست پرستی ہے، اس لئے آپ کو بھی تیاری کرنی ہے اور دوسروں کو بھی تیار کرنا ہے، بس میں انھیں الفاظ پر ختم کرتا ہوں اور آپ کو داد دیتا ہوں اور آپ کو اس بات پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی اس محفل میں چند مبارک و محترم ہستیاں موجود ہیں۔

ہمارے عزیز مولانا عبدالمکریم پارکھی صاحب تشریف رکھتے ہیں جو ہندوستان کے ایک بڑے ترجمان قرآن ہیں، اور مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی بھی موجود ہیں، یہ آپ ہی کی درس گاہ کے فاضل ہیں اور اس وقت ایک بڑے ادارے کو چلا رہے ہیں، ایک رسالہ بھی ہے اور ادارہ بھی ہے اور دوسرے تحقیقی مضامین بھی لکھتے ہیں اور آپ کے دوسرے اساتذہ بھی موجود ہیں اور امید ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی باعث برکت ہوگی،

اور آپ کے لئے ذریعہ استفادہ بھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دین حق کی خدمت کیلئے قبول کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے

بتاریخ ۲۳ فروری ۱۹۸۸ء بروز چہار شنبہ بعد نماز مغرب بمقام جمالیہ
 ہال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے
 ۱۰۱ عیدہ کے موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے یہ فکر انگیز
 تقریر فرمائی، جو کسی بھی دارالعلوم میں پڑھنے والے اور وہاں سے فارغ
 ہونے والے طلبہ کے لئے نشان راہ ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد
 الانبياء والمرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله
 وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم
 الى يوم الدين، اما بعد!

میرے رفقاء کار اساتذہ دارالعلوم، برادران عزیز اور فرزندان عزیز! مجھے سب سے
 پہلے اپنے اس تاثر کا اظہار کرنا ہے کہ میں نے رخصت ہونے والے بھائیوں کے اردو اور
 عربی مضامین من کر خدا کا شکر ادا کیا اور میں برملا اعلان کرتا ہوں کہ الحمد للہ جو کوششیں ہو
 رہی ہیں وہ ضائع نہیں ہو رہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **و ان ليس للانسان الا ما سعى وان سعيه سوف يرى۔**

میں اپنے عزیز رفقاء اور اساتذہ دارالعلوم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی کوششوں اور
 دارالعلوم کے فضلاء کی تصنیفات کا اثر ان مضامین میں ہے۔ میں ساہا سال سے الوداعی
 جسوس میں شریک رہا ہوں اور ابھی ابھی اصلاح کی مجلسوں میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا
 ہے، فکری و علمی لحاظ سے بھی، قوت تعبیر اور قوت بیان کے لحاظ سے بھی اور قدرت تحریر اور

اسلوب کے لحاظ سے بھی اور زبان و ادب کے لحاظ سے بھی نمایاں ترقی نظر آتی ہے یہ بات بڑی موحب شکر ہے اور میں اپنے عزیز طلبہ کو ان کی ترقی اور ان کی سعادت مندی پر ان کے تعلق و احترام پر اور ان کے خلوص و محبت پر مبارک باد دیتا ہوں اور اپنے ان عزیز طلبہ سے معذرت کرتا ہوں جو اپنے مضامین نہیں سن سکے، اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں اور ان کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کی یہ محنت ضائع نہیں ہوئی اس لئے کہ انہوں نے مضامین تیار کرنے میں جو وقت صرف کیا ہے وہ ان کے لئے ہر حال میں مفید ہے۔ اس پر زیادہ قہقہ نہ کریں ان کی یہ چیز زور طباعت سے آراستہ بھی ہو سکتی ہے جو ان کے لئے بطور یادگار ہوگی۔

اب میں مختصر وقت میں چند ضروری اور ودائی باتیں سنا چاہتا ہوں، یوں تو وقت کا کوئی اعتبار نہیں لیکن چونکہ یہ الوداعی جلسہ ہے، اس لئے آپ سے میں وہی باتیں کروں گا جو میرے اپنے عقیدے اور اپنے تجربے اور مطالعے کے لحاظ سے ہیں اور میں جن کو آپ کے لئے مفید سمجھتا ہوں آپ کی محبت آپ کا میرے اوپر حق کے ساتھ کوئی دوسرا اثر نہیں ہے۔

اب میں آپ سے چار باتیں عرض کروں گا جو ذات سے متعلق ہوں اور چار باتیں آپ کی ذات سے متعلق عرض کروں گا۔

حالاتِ حشر و معاش پر باتیں میں سے پہلی بات جو سب سے بڑی ہے اور میری حقیقت و حیثیت سے بند ہے میں نے ان باتوں پر مدت سے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی وقت پسند پیدہ اور مزید دوسری کرامتیں مخصوص جماعت میں تشریف فرما تھے حضرت عمرؓ فرمایا کہ میں نے یہ میرے لئے دعا کا وقت ہے اور ان کی طبیعت میں بھی تقاضا پیدا ہوا ہے۔ یقین میں پیدا ہوا کرتا ہے اور وہ تو سب عارفین سے بڑھ کر عارف تھے انہوں نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ آپ سب آئیں اپنے لئے دعا کریں اور منہ

مانگی مراد مانگیں تو کسی سے کہا کہ

اے اللہ اپنے راستہ میں نکلنے کی توفیق دے کہ یہ دولت تیرے راستہ میں لوٹا دوں اور تیرے بندے کی خدمت کروں، کسی نے کہا کہ اے اللہ اپنے راستہ میں نکلنے کی توفیق دے کہ میں جہاد کر کے اپنا سر سٹاؤں ورتیرے راستہ میں اپنا خون بہاؤں اسی طرح تمام صحابہ کرام کی دعا میں منقول ہیں۔ جب حضرت عمرؓ کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ میری دعا ہے کہ میرے پاس ابو عبیدہ، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، خالد رضی اللہ عنہم، جمعین ہوں اس کے علاوہ اور کئی نام لئے، بہر حال یہ سب وہ لوگ تھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی فتوحات مقدر کی تھیں اور بڑے بڑے کارنامے تقدیر میں لکھے تھے اور کہا ان میں سے کسی کو کسی محاذ پر اور کسی کو کسی محاذ پر بھیجوں اور ساری دنیا میں ان کے ذریعہ اسلام کا پرچم برادوں اور چوری دنیا اسلام کے ریرنگیں ہو۔

آج سے پہلے اسلام کے مستقبل کے فیصلہ کن محاذ اتنے متعین اور واضح نہیں تھے ان پر کبھی کبھار ایک تاریخ میں تھیں کہ اس وقت متعین کر کے یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ چار محاذ ہیں جن کے ذریعہ اسلام اور ملت اسلامیہ ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے اور اپنے عقیدہ، اپنے پیغام و اپنے شخص کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ تو میرا معاملہ ہے کہ آج سے چند سال پہلے اور خاص طور پر ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ محاذ متعین اور واضح نہیں تھے لیکن اس میں سیاسی تبدیلیوں، انقلاب سلطنت اور اسلام کے خلاف موجود مہم اور غلطیوں نے اس کو بالکل ایک حقیقت بنا دیا ہے انہیں چار محاذ کا ذکر آپ سے کروں گا جن کیسے بلند عزائم سپاہیوں اور دینی درگاہ کے فضلاء اور دینی تعلیم کے تربیت یافتہ علماء اور مخلصین کی ضرورت ہے اور ان کے لئے اس سے بڑی سعادت نہیں ہو سکتی کہ وہ ان محاذ جنگ میں اپنی صلاحیتوں اپنی توانائیوں اور سرگرمیوں کا اظہار کریں۔

۱۔ ان میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری ملت اسلامیہ کی آئندہ نسل مسلمان رہ

جائے، اور وہ صرف ذہنی فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نہیں بلکہ اعتقادی ارتداد سے بچ سکے۔ اس وقت سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے مدارس سے فارغ ہوں وہ اس محاذ کو سنبھالیں، اس محاذ کا چارج لیں، اور اپنے کو اس محاذ کے لئے وقف کر دیں اور یہ کوشش کریں کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل جو ابھی آٹھ دس برس کے بچے یا بارہ پندرہ برس کے نوجوان کی شکل میں ہے اسلام کی اصولی فقہی اور کلامی تعریف پر صادق ہوں اس کے لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ قصبے قصبے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں مدارس مناتب اور مسجد کی بنیاد ڈالی جائے، اور جہاں ایسا ممکن ہو وہاں صحاحی و مسائی درجات ہوں اور جو لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں اور اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں بھیجنے کے لئے مجبور ہیں ان کو غدا پہنچائیں۔ اگر ان کو ابھی سے بچانے کی کوشش نہیں کی گئی تو ڈر ہے کہ اس میں نو خیز نسل کو آگے چل کر کلامی اور فقہی اعتبار سے مسلمان کہنا صحیح ہو گا یا نہیں، وہ توحید و شرک اور کفر و ایمان کا فرق کر سکے گی یا نہیں، رسالت، منصب رسالت اور رسول اللہ ﷺ کو نبی آخر الزمان اور آپ کی شفاعت کو ماننے کی یا نہیں۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۔ اور وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ، پر اس کا ایمان ہو گا یا نہیں۔

عزیز طلبہ! آپ کے بند عزائم اور بلند خیالات، آپ کے مطالعے اور پختہ صلاحیتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس پر آپ کو مبارک باد دیتے ہیں، لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کون کس محاذ کو سنبھالتا ہے، آپ ابھی سے نیت کیجئے کہ ہم اس خطرناک اور نازک محاذ کے لئے سینہ سپر رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور اسباب مہیا کرے گا اور آئندہ نسل جو ہماری اور آپ کی اولاد ہوگی اس کو مسلمان رکھنے۔ نے جو بھی کوشش کی جاسکے گی جائے، جو ہاتھ پیر مارے جاسکیں مارے جائیں اور جو آب دیدہ خون جگر بہایا جائے، یہ سب سے بڑا محاذ ہے۔

کامیاب ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمہوری اور اجتماعی طریقہ پر اتحاد و اتفاق کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ جو مہم چلائی جائے وہ ضرور کامیاب ہوگی۔ ہر نکتہ فیصلہ سے پہلے یہ پیش گوئی کرنا بہت مشکل تھا کہ مسلمانوں کے حق میں فیصلہ ہوگا یا نہیں اور ان کا مطالبہ پورا ہوگا یا نہیں؟ لیکن اللہ کے چند مخلص بندوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے قرآن مجید کی روشنی اور تاریخ کے تجربہ میں صحیح طریقہ اختیار کیا تو انہیں کامیابی ہوئی۔

۳۔ تیسرا محیذ پیم انسانیت کا ہے، ہم اس ملک میں اس طرح رہیں کہ اپنے دین کو باقی رکھنے کیلئے بھی، اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے اپنے اداواروں اور مرتزوں کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی، دعوت کا کام کرنے کے لئے بھی، تعلیم و تالیف کا کام انجام دینے کے لئے بھی، با مقصد اور با عزت زندگی گزارنے کے لئے اپنے مخصوص عقائد کے ساتھ اپنے پیغمبر و مقام کے ساتھ اس ملک میں زندگی گزار سکیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ فضاء معتدل ہو، مشتعل اور آتشگیر نہ ہو، ورنہ کسی وقت بھی ساری کوششوں پر پانی پھر سکتا ہے۔ بہت کم لوگ اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چند آدمی کے ذہن کی اتج ہے یا ان کا ذاتی رجحان ہے جو کسی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔

آپ یقین مانئے کہ حالات کے حقیقت پسندانہ اور عملی مطالعہ نے میری رہنمائی کی ہے ہم جیسے اور رفقاء کو اسی مطالعہ نے مجبور کیا کہ وہ کوشش کریں حالانکہ اس کوشش کا تناسب واقعات کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں۔ اگرچہ یہ وہ مجمع نہیں ہے جس کے سامنے کہنے سے یہ سمجھوں کہ بات تحریک کی شکل اختیار کرے گی۔ لیکن کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وہ کام لے لے۔ لہذا آپ اس کو بھی یاد رکھئے اور باہمی اعتماد ایک دوسرے کا احترام ہمارے اندر پیدا ہونا چاہئے۔

اسپین کا امیہ جو پیش آیا اس پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں ایک بات بہت نازک یہ ہے کہ وہاں علوم دینیہ کی بھی خدمت کی گئی اور وہاں خدا تک پہنچنے کے لئے ایسے

ایسے مجہدے ہوئے جن سے چوٹی کے اولیاء پیدا ہوئے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مشرق اگر انبیاء کی سرزمین ہے تو مغرب اولیاء کی سرزمین ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی جیسے جلیل القدر مشائخ پیدا ہوئے، اسی طریقہ سے فنون لطیفہ کو بھی وہاں بہت ترقی ہوئی۔ اندس کا ایک مستقل ادبی دبستان ہے اس کو المدرسة الاندلسية کہتے ہیں، اسی طرح چوٹی کے مصنفین پیدا ہوئے۔ موفقات کے مصنف علامہ شاطبی پیدا ہوئے ابن عبد البر پیدا ہوئے، ایسے ہی بہت سی کتابوں کے مصنف پیدا ہوئے اور موطا کی ایسی شرحیں لکھی گئیں لیکن ایک چیز سے اغماض برتا گیا وہ یہ کہ وہاں کی اصل آبادی کو جو آئے میں نمک کے برابر تھی اپنی پوری سلطنت و اقتدار کے باوجود بنجیدگی کے ساتھ اسلام سے مانوس کرنے اور اسلام کے دائرے میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اس لئے کہ اقتدار میں اکثر یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے نام اس زمین کا پٹہ لکھ دیا گیا ہے، منلیہ سلطنت کی فرامین میں یہ لفظ ملتا ہے کہ ”دولت ابد قرار“ یعنی ہم براہ راست حضرت اسرافیل کو اس ملک کا چارج دیں گے اور اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں ہے یہ اس کا غلط خیال تھا۔ اس پھیلی ہوئی آبادی کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور اس کے جذبات کو غلط تعلیم کے ذریعہ، غلط تاریخ کے ذریعہ، اپنی اخلاقی کمزوریوں کے ذریعہ اس سے بڑھ کر مقابلہ سیاسی تحریکوں کے ذریعہ نشوونما پانے کا موقعہ دینا بہت خطرناک ہے۔

ہندوستان میں تو یہ عنصر زیادہ واضح طور پر ہے، مسلمانوں نے ہندوستان پر آٹھ سو سال تک علی الرغم حکومت کی ہے اور جب اخیر میں تصادم اور متضاد سیاسی تحریکیں چلی ہیں اور انہوں نے غیر مسلموں کے دل میں بڑے بڑے ناسور پیدا کر دیئے ہیں اب اس کو پیام انسانیت کے ذریعہ ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس کو میں نے بہت اختصار سے بیان کیا ہے اس پر پورا سٹریکچر تیار ہو گیا ہے آپ اس کا مطالعہ کریں۔

۴۔ چوتھا اور آخری محاذ علوم دینیہ کے بقاء کی کوشش کرنا اور زمانہ کے ساتھ ان کو تطبیق

دین۔ اس طرح نہیں کے تابع ہوں بلکہ زمانہ کے چاروں اور واجب تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور اس کی زبان و ادب کی رعایت کے ساتھ علوم و دینیہ کو زندہ رہنے اور اپنا کام کرنے اور زمانہ کا نہ صرف ساتھ دینے بلکہ اس کی قیادت کرنے کے قابل بنائیں اس کے لئے عربی مدارس تو ریڑھ کی ہڈیت رکھتے ہیں ان کو ترقی دیں اور ان کے لئے اساتذہ تیار ہوں۔ ندوۃ العلماء کے ماحق مدارس کو اپنی پچاس ساٹھ سے متجاوز تعداد ہونے کے باوجود اساتذہ نہیں ملتے آپ اس کے لئے بھی تیار ہوں، نئے مدارس قائم کریں۔ علوم دینیہ میں نئی زندگی و رتازنی پیدا کریں صرف یہ نہیں کہ آپ فرسودہ چیزوں کو فرسودہ اور بوسیدہ چیزیں سمجھ کر پڑھائیں بلکہ ان میں نئی روح و نئی توانائی پیدا کریں۔ تصنیفات نئی ہوں تشریحات نئی ہوں، نئی ترجمانی ہو، نئی قوت تدریس ہو، نیا ذوق تعلیم ہو اور نئی ذہنی صلہ حیات اور اس کے ساتھ ذکاوت، حافظہ اور مطالعہ کی وسعت ہو۔

یہ چار چیزیں جو میں نے اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں ان کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

اور اب وہ چار چیزیں بیان کرتا ہوں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں انہیں آپ سرسری نہ سمجھئے گا یہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ ہے اگرچہ خود مستاء ہے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے محض اپنی بات میں اہمیت پیدا کرنے کے لئے کہتے ہوں کہ بہت کم لوگوں کو علمائے سلف اور علمائے معاصرین اور درمیانی دور کے علماء خاص طور پر ہندوستان کے علماء کے تراجم پڑھنے کا موقعہ ملے ہوگا جتنا مجھے ملتا ہے۔ اس کے خاص اسباب تھے کیونکہ میں ایک تاریخی ماحول اور مؤرخین کے گھرانے میں پیدا ہوا اور گھر میں سارا خزانہ موجود تھا۔

”نزہۃ الحواطر“ جس میں سڑھے چار ہزار سے زائد علمائے ہند کے تراجم ہیں اس کو میں نے نئی بار پڑھا۔ مسودہ کے مرحلہ سے لے کر طباعت کے بعد تک ہر مرحلہ میں

کئی بار پڑھتا رہا۔ اسی طرح وفیات اہل ایمان اور طبقات کی جو کتابیں ہیں پڑھیں۔ علاوہ
زیادہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا موقع بھی نصیب فرمایا۔

۱۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست ہو۔ کسی درجہ میں
تقویٰ، دیانت داری اور تعقل مع اللہ ہو یا اس کی فکر ہو، یہ ایسی بنیادی بات ہے کہ جس کے
بغیر نہ کسی کام میں برکت ہوتی ہے نہ حرکت اور یہ حقیقی نفع اسی وقت ہوگا جب خدا اور
رسول کے ساتھ معاملہ درست ہو۔

میں یہ نہیں بہتا کہ آپ کے سب سے سب شب بیدار بن جائیں صوفی اور عرفانہ ہوں
جہاں میں یہ ہر شخص کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن جو ضروری حصہ ہے وہ یہ ہے کہ یک حد تک
تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو اور اس کی فکر ہو اور اپنی نمازوں کی فکر ہو اور
ذوق ہو اور ان باتوں میں اللہ کی نہ کسی درجہ میں ضرور ہو۔ یہ سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے
اسے بھی بھولنا نہیں چاہئے، اور اس کے حصوں کے بہت سے ذرائع ہیں ان میں سے
ایک تو یہی ہے کہ کتاب و سنت اور فقہاء مطاع کریں اور اس کے مطابق اپنی نمازوں کو بہتر
بنانے کی کوشش کریں اس سے وہ سب سے مؤثر چیز یہ ہے کہ بزرگان دین کے حالات
پڑھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نصیب کرے تو کسی بزرگ کی صحبت اختیار کریں، میں بہت تطف
کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں سب سے بہتر اور مفید حضرت حکیم امت مولانا اشرف علی
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں خاص طور سے ان کی ملفوظات و مواہظ ایک اچھا اثر رکھتے
ہیں میں نے حمد مند ساری ندوئیت، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی ہندو انتقادی ذوق کے
ساتھ ان کے فائدہ اٹھایا ہے اور آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کو اپنی جاہ ظہری،
حسب مال اور معدت میں کوتاہی کا علم ہوگا اور خاص طور پر اخلاق کی اصلاح اجتماعی
کاموں کی اہمیت پر ان کے یہاں بڑا زور دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے
یہ کام لیا ہے، آپ اس کی طرف ضرور توجہ دیں آپ کے اندر اس کی کوئی مقدار ضرور ہونی

چاہئے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں خاص طور پر اس کی دعوت و عزیمت کی تاریخ اور اس کی اصلاحی تحریکوں کی تاریخ یہ بتائی ہے کہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آج تک علم اور نفع خلاق کا، صلاح و اعتدال کا اور زہد و ایثار کا ساتھ رہا ہے یہ دونوں بالکل ہم سفر ہیں۔ آپ اسلام کی پوری تاریخ کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں کا کہیں ساتھ نہیں چھوٹا ہے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے ذریعہ امت کو نفع پہنچایا اور کسی بڑے فتنے سے محفوظ فرمایا ان میں سب سے بڑا فتنہ روت کا فتنہ تھا اور دوسرا فتنہ خنق قرآن کا تھا، جیسے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے

بصر اللہ ہدہ الامۃ اعان اللہ ہدہ الامۃ بانی لکر الصدق یوم الردۃ
وہا حمد بن حنبل یوم الفتنۃ، اور اس کے بعد جو فلسفے کے حملے تھے جن سے مقابلہ
کے لئے جو لوگ آئے، امام غزالی ہوں یا امام ابو الحسن اشعری ہوں پھر اس کے بعد جو فتنے
تھے ان کے مقابلہ کے لئے، مابین تیمیہ وغیرہ کے پھر ہندوستان میں صوفیہ کے مرام
جنہوں نے مادیت و غفلت اور سلطنت کے اثر سے جو جاہ پرستی، طاقت پرستی، دوست پرستی
اور نفس پرستی پیدا ہو رہی تھی اس کو روکا۔ پھر اس کے بعد غیر مسلموں کے اثر سے اسلامی
معتزلہ میں جو بدعت، مشرکانہ عقائد داخل ہو گئے تھے اور وحدۃ الوجود کا جو اثر
فسف اور صوفیوں سے لے کر ادباء، اور شعراء تک کے دماغوں میں نہایت رکیا تھا اس
کے مقابلہ کے لئے حضرت مجدد الف ثانی آئے۔ پھر اس کے بعد قرآن مجید کے براہ
راست مطالعہ اور حدیث سے اشتغال ہونے کی وجہ سے جو ایک جاہلیت ہندیہ اور مقامی
ثرات تھے اور اتہاج سنت کا جو ذوق کم ہو گیا تھا اور عقیدہ میں رخنہ پڑ گیا تھا اس کے
مقابلہ کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف و خلفاء کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا۔

غرض کہ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ اصلاح کا کام، عزیمت کا کام اور سطح سے بلند ہو کر

مست کے نفع کا کام اور زہد و ایثار دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کوئی فطری اور طبعی رشتہ قائم کر دیا ہے جو اسلام کی پوری تاریخ میں ٹوٹے نہیں پایا۔ اس لئے میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس کے لئے بھی آپ اپنے کو تیار کریں، کیونکہ دوسری قوموں میں بھی کوئی کام زہد و ایثار کے بغیر نہیں ہوا ہے۔ ارچان کا مزاج الگ، ان کے نتائج مختلف اور ان کے احکام بھی دوسرے ہیں اس لئے آپ کو ارزاں فروشی سے بچائیں، صرف دوست دنیا کو اور عہدوں کو اپنا مطمع نظر نہ بنائیں جہاں سے کام آجائے، مانگ آجائے اور امید ہو جائے اس آپ آنکھ بند کر کے چپے نہ جائیں اور زہد و ایثار سے کام میں۔ ان زہد و ایثار کے وعدے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے اس وقت نہ میں استیعا ب کر سکتا ہوں اور نہ آپ کو ضرورت ہے۔

پوری تاریخ شاید ہے کہ زہد و ایثار سے جو حقیقی آسودگی اور صحیح عزت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیں نہیں مل سکتی ہے اور یہی اصل مقصد ہے جو انہوں نے روپے کے مالک کو بھی حاصل نہیں ہے۔ وہ ایک قلم کو حلق سے اتارنے کے لئے بعض اوقات ترستے ہیں سندی فورٹ بہت تھا کہ میری ساری دولت لے لو اور میرا ہضمہ درست کر دو، اور اس قابل بن دو کہ میں چھوڑ دینی سب سے حقیقی ضرورت کا سہوتوں اور عزت کے ساتھ پیدا ہوں اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہوتا ہے۔

آخر غیہ من سب بات نہ ہوتی تو میں بتاتا کہ میں اور میرے بعض رفقاء کو محض بزرگوں اور اپنے مریضوں کے فیض سے درجہ ستاروں میں پڑھا تھا اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے بچا یہ تو آج ہم اس قابل ہیں، اور نہ معصوم نہیں کسی یونیورسٹی یا کسی کان میں ریٹائر ہو چکے ہوتے اور تھوڑی بہت پنشن وغیرہ جوتی ہے ملتی ہوتی اور اپنے قصبہ میں بیٹھے زندگی کے دن گزر رہے ہوتے۔ لیکن ہمیشہ اسے موقعوں پر بزرگوں کے واقعات سامنے ہوتے ہیں ان میں سے مولانا عبد الرحیم صاحب کی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس کی نظیر

شاید مشکل سے ملے گی۔

والد صاحب مرحوم نے نزہۃ الخواطر کی آخری جلد میں مولانا نجم الغنی صاحب رامپوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا عبدالرحیم صاحب معقولات کے اور ریاضیات کے بہت بڑے ماہر تھے وہ قدیم درس پڑھاتے تھے اور انہیں ریاست رامپور سے پندرہ بیس روپے ماہانہ ملتے تھے ان کی اپنے فن میں قابیلیت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب بریلی میں پہلی مرتبہ کالج قائم ہوا ہے تو اس کے پرنسپل مسٹر ہائمنس نے ان کو آفر (پیش کش) کی کہ آپ بریلی کالج میں آئیے اور دوسو روپے آپ کی تنخواہ ہوگی تو انہوں نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ میرے پندرہ روپے بند ہو جائیں گے۔ مسٹر ہائمنس نے کہا کہ آپ ریاضیات کے اتنے بڑے ماہر ہیں لیکن پندرہ اور دوسو روپے میں فرق نہیں سمجھتے، پھر انہوں نے جواب دیا کہ جن لڑکوں کو میں پڑھاتا ہوں ان کی تعلیم ادھوری رہ جائے گی پھر اس نے کہا وہ سب لڑکے یہاں آ جائیں گے اور سکھوں گے۔ کالرشپ مقرر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بڑی دقت یہ ہے کہ میرے گھر کے سامنے بیری کا درخت ہے جس کے تازہ پھل سے صبح صبح ناشتہ کرتا ہوں وہاں جانے کے بعد اس کا پھل نہیں ملے گا جس کی وجہ سے صحت پر اثر پڑ سکتا ہے، پھر اس انگریز نے کہا کہ وہ پھل بھی صبح صبح ڈاک کی گاڑی سے آپ کو مل جائے گا تو پھر انہوں نے جواب دیا یہ سب ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتائیے کہ کل قیامت میں جب خدا یہ سوال کرے گا کہ تم رامپور چھوڑ کر بریلی اس لئے گئے تھے کہ یہاں پندرہ روپے ملتے تھے اور وہاں دوسو روپے ملیں گے تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ انگریز بہر حال انگریز تھا اس نے کہا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

میرے عزیزو! میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ ایسی مثالیں پھر زندہ ہونی چاہئیں، اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کی سنت ہے، سارے آسمانی صحیفے بتاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی

یہ بات سے معلوم ہوتا ہے اور مصاحبین کی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو عزت سکون قلب اور روحانی سرور عطا فرماتا ہے اور اس کے ساتھ جو برکت ہوتی ہے وہ سب زہد و ایثار پر موقوف ہے ورنہ اب پھر وہ دور آیا ہے خاص طور سے ہندوستان کے حالات اس زہد و ایثار کے طالب ہیں۔ یہ بہت بری روایت شروع ہو گئی ہے کہ جہاں زیادہ پیسے ہیں جہاں زیادہ آسودہ لی حاصل ہو اور جہاں اپنے خاندان کی آسائی سے پرورش کر سکیں وہیں جانا چاہئے یہ بہت بڑی آزمائش ہے اس سے بچنے کی دعا مانگنی چاہئے۔

۳۔ تیسری بات جو بہت عجیب ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتا میں پڑھی ہیں اسلام کے مذاہب اربعہ واران سے باہر نکل کر قبلی مطاعہ کیا ہے شاید کم ہی لوگوں نے اس طرح کا مطاعہ کیا ہو ان تمام کے مطاعے کے نچوڑ میں ایک رکن بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہل سنت کے مسلک سے بھی نہ بیٹے گا۔ اس کو لکھ لیجئے، چاہے آپ کا دماغ چھ بھی بتائے، آپ کی ذہنیت آپ کو نہیں بھی لے جائے کیسی ہی قوی دیمل پائیں جمہور کے مسلک سے نہ بیٹے، اللہ تعالیٰ جو تائید اس کے ساتھ رہی ہے جس کے شواہد و قرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کو باقی رکھنا تھا اور باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہے ورنہ بد مذہب کیا باقی ہے عیسائیت کیا باقی ہے عیسائیت کے بارے میں قرآن کا ولا الضالین کہنا ایک معجزہ ہی ہے یعنی وہ پڑی سے بالکل ہٹ چکی تھی ورنہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دین اسلام کے بارہ میں فرما دیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون، اور اس کے ساتھ جو تائید ہے جو قوی اہل ہیں، جو سلامت فکر اور سلامت قلب ہے، اس کے ساتھ جو ذہین ترین انسانوں کی محنتیں اور غور و خوض کے نتائج ہیں اور ان کا جو اخلاص ہے اور ذہن سوزی ہے وہ کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے یہ وہ بات ہے ہمارے اور آپ کے استاد مولانا سید سید سید ندوی نے اپنے بعض شاگردوں سے کہا جیسا کہ مولانا اویس صاحب نقل کرتے تھے اور سید

صاحب سے ان کے استاذ مور ناشکی نے ہی تھی۔ بعض لوگ چمک دمک والی تحریر پڑھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں ”ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه“ اور شہیدوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہیں علمائے سلف کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہیں مفسرین ان کے تیر کا نشانہ بنتے ہیں، ہذا مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھنے اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔ اندکی خاص عنایت ہوگی اس کی نصرت و برکت ہونی اور حسن خاتمہ بھی ہوگا۔

یہ باتیں ہیں جن کو میں شاید زیادہ مؤثر طریقہ سے نہ کہہ سکا لیکن آپ انہیں حقائق سمجھیں اور یہ مطالعہ اور تجربہ کا حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ان باتوں تک پہنچا ہوں اور آپ تک بطور امانت اور وصیت منتقل کرتا ہوں۔

۴۔ اور آخری بات یہ ہے کہ علم سے اپنا اشتغال رکھئے، اپنے کو کبھی فارغ التحصیل نہ سمجھئے، ہمیشہ نئی اور پرانی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہئے خواہ آپ نہیں پڑھیں، قرآن مجید کی تفسیریں، حدیث شریف کی شرحیں، تاریخ کی کتابیں اور جو کتابیں علماء الکلام پر اور شیخ محمد کو پیش کرنے کے لیے طریقہ پڑھائی میں ہیں ان سب سے آپ ہر چار رہتے اور ان کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں اور اپنے مرکز سے برابر تعلق قائم رکھئے۔

۵۔ پیوستہ رہنما سے امید بہہ رہے

وما علینا الا البلاغ المبین

نشانِ منزل

سلامی و حرینی مدرسے کے اس تذہ و طلبہ کیسے پیغمبر مٹل، یہ تقریر حضرت مولانا قدس سرہ نے وسط اپریل ۱۹۷۷ء میں ہمارے اکابرین، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کا مولد و مسکن بھٹل کا مشہور، یعنی ادارہ جامعہ سلامیہ بھٹل میں اس تذہ و طلبہ کے سامنے فرمائی تھی۔

الحمد لله بحمده ويستعينه ويستغفره ويؤمن به
ويتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن
سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله
فلا هادي له وشهد ان لا اله الا الله وحده
لا شريك له وشهد ان سيدنا ومولانا محمد اعبده
ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه
وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله
الرحمن الرحيم. لقد جاءكم رسول من انفسكم
عزير عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف
رحيم فان تولوا فقل حسبي الله لا اله الا هو عليه
توكلت وهو رب العرش العظيم.

میرے دوستو، بھائیو، اور بزرگوار! ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ماں باپ سے
بڑھ کر کسی کی اور شفقت نہیں، ماں کی ممتا دنیا میں ضرب المثل ہے، اگر کوئی عورت،

اگر کوئی انسانی ہستی، اُردنیا کی کوئی بھی مخلوق ماں کی محبت سے بڑھ کر دعویٰ کرے تو سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں، جھوٹا سمجھتے ہیں، اور اس پر اعتماد نہیں کرتے، اور اسکو بناوٹ، نفاق اور جھوٹا دعویٰ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کی محبت ماں کے دل میں ڈال دی ہے۔ جب سے یہ نظام عام قائم ہے، یہ محبت رہی ہے۔ اس نظام عالم میں دسمانی پرورش کا نظام ایک خاص اسٹیج پر چل رہا ہے۔ اُمر کے دل میں بچے کی محبت نہ ہو تو بچے کی پرورش بہت مشکل ہے، چنانچہ جو بچے اپنی ماؤں سے محروم رہتے ہیں، کسی وجہ سے ان کی پرورش کے لئے بہتر سے بہتر سامان کیا جائے لیکن وہ قدرتی، وہ بے تکلف وہ خدائی محبت اور مامتا کا جوش اور فکر اور درد جو ماں کے دل میں ہوتا ہے وہ پیدا نہیں ہوتا، وہ بچے اس دولت سے محروم رہ جاتے ہیں، اس طرح سے باپ کی شفقت بھی، بالکل قدرتی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے باپ کے دل میں بھی محبت و شفقت کا مادہ رکھا ہے، اور کیوں نہ ہو اولاد اس کے چشم کا ٹکڑا بلکہ اس کے دل ہی کا ٹکڑا ہے، اس لئے جسے اپنے آپ سے محبت ہوتی ہے اسے اپنی اولاد سے بھی محبت ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ فطرت مسخ ہو جائے، انسان کی زندگی میں کوئی ایسی بات ہو جائے اور کوئی ایسا عنصر شامل ہو جائے جس سے فطرت متاثر ہو، لیکن ماں اور باپ اپنے ضم کے مطابق، اپنے تجربے کے مطابق اپنی سمجھ کے مطابق، بچے کے لئے بھلائی چاہتے ہیں، اس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں اس کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور بری باتوں سے بری صحبتوں سے بچے کو بچانا چاہتے ہیں۔

مخلوق کے ساتھ انبیاء کی غیر معمولی شفقت

لیکن کبھی کبھی ماں کی محبت بھی اندھی ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے اور ماں کی محبت تو بہت اندھی ہوتی ہے، وہ اندھا دھند کام کرتی ہے۔ اس کو فکر نہیں ہوتی کہ

تکلیف کو محسوس کرتے ہیں، ان کے پاؤں میں، ان کے تلوے میں کاٹنا چبھتا ہے، انگلی میں ان کے جسم کے کسی حصہ میں بھانس لگتی ہے تو اس کی خلش وہ سارے جسم میں محسوس کرتے ہیں، اپنے امتی کے ساتھ ان کا کیسا تعلق ہوتا ہے اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، میں نے جو آپ کے سامنے آیت پڑھی آپ کو مسلمانوں کی حیثیت سے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم دیا ہے، سیرت کا، آنحضرت ﷺ کے حالات سے ہم کو تھوڑی بہت واقفیت ہے تو ہم اس کی لفظ بہ لفظ نہیں، حرف بحرف نہیں بلکہ نقطہ بہ نقطہ تصدیق کریں گے۔

”لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما

عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم. فان

تولوا قل حسبي الله لا اله الا هو عليه توكلت

وهو رب العرش العظيم.“

ایسا پیغمبر آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوتا تو اس کو ہمارے درد دکھ کا احساس نہ ہوتا، ہماری مشکلات کو وہ نہ جانتا، اسے جانتا بھی تو اس مشکل میں شریک نہ ہوتا، انسان کا درد انسان محسوس کرتا ہے، بھائی کی تکلیف بھائی محسوس کرتا ہے، ایک گاؤں کے رہنے والے، ایک دوسرے کے دکھ درد کو جانتے ہیں، ایک گاؤں کے لوگ بعض وقت ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، ریاست صوبہ، ملک تو بڑی چیز ہیں اور دنیا تو بعد میں بنتی ہے، ایک چھوٹے سے گاؤں کے لوگ بھی بس اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا ہے جو تم میں سے ہے، تمہاری جنس میں سے ہے۔ یعنی جس چیز سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو وہ اس کو شاق گزرتی ہے، وہ اس کو برداشت نہیں ہوتی، وہ اس کو کھل جاتی ہے، اس کی جان پر بن جاتی ہے، عریض علیہ ما عنتم جس سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو، تمہاری شفقت، تمہارے درد

سے تمہاری بچینی سے وہ بے چین ہوتا ہے، حریص علیکم اس کو تمہاری بڑی فکر ہے، تمہاری ذہن اس کو لگی ہوئی ہے کہ تم اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ، اللہ کی رحمت تم پر رہے، مغفرت رہے، اس کی تھوڑی سی غفلت سے تمہارا دامن کہیں خان نہ ہو جائے، کفر کا کلمہ تمہارے حلق سے اترنے نہ پائے، انسان جہنم کے حلقے میں شامل نہ ہونے پائے، شیطان کے حلقے میں جانے نہ پائے، اور خدا کے دین کی خدمت چھوٹنے نہ پائے بس جو بھی انسان ہے وہ انہیں میں آ جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جھولی میں آ جائے۔

ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا اور بہت مہربان ہے، آنحضرت کی اپنی امت کے ساتھ جو تعلق تھا فکر تھی جو درد تھا، اس کا آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کس درجے کی تھی، بس یوں سمجھیں کہ جیسے ایک ماں کی ایک ہی اولاد ہو، ماں کا ایک چھوٹا بچہ ہوا کھوتا اور ساری زندگی کا سہارا اور سارے گھر کا چراغ، اس ماں کو جیسے اپنے بچے کی فکر ہوتی ہے، اس کی ترقی سے خوشی ہوتی ہے، اس کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے، تو سمجھیے ایسا ہی تعلق ایک پیغمبر کو اپنی امت کے ساتھ ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ کا کیا تعلق تھا، یہاں تک کہ وہ لوگ جو مکہ کے رہنے والے تھے ان میں سے بعض آپ کے عزیز تھے، اور بعض ان میں سے اہل شہر تھے، ہم وطن تھے، مگر بدر میں قیدیوں کی حیثیت سے جب وہ پیش ہوئے تو نماز میں بھی آپ بے چین رہے، نماز سے آپ کو جو عشق تھا، نماز میں جو مزہ ملتا تھا اور جو طمانینت ہوتی تھی، خدا کی طرف توجہ ہوتی تھی، اس کا اندازہ ہم آپ کر ہی نہیں سکتے۔

آپ فرماتے ہیں ”قرۃ عینی فی الصلوٰۃ“ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، آپ بلالؓ سے فرماتے ہیں کہ اے بلال!

بلال! آپ کے مؤذن تھے، دنیا کی باتیں ہو رہی تھیں، وہاں کیسی باتیں ہوں گی،

اچھی باتوں کے سوا وہاں اور کیا ہو سکتا تھا، اسلام کی تبلیغ کی باتیں، اسلام کو پھیلانے کی تدبیریں، کوششیں، اور علم قرآن وحدیث، لیکن آپ کو حضور نماز کا جو مقام تھا، نماز سے جو تعلق تھا، آپ نماز کے لئے بے چین ہو کر بلالؓ سے کہتے اے بلال! اذان کہہ کر ہم کو آرام دو، بہت انتظار کیا، اب انتظار نہیں ہوتا، بلالؓ خدا کے لئے اذان دوتا کہ ہم کو سکون حاصل ہوتا کہ ہم کو آرام ملے، پس نماز سے آپ کا یہ تعلق تھا، اور امت کے ساتھ آپ ﷺ کا جو تعلق تھا، آپ ﷺ کہتے ہیں کہ میں کبھی کبھی نماز میں ہوتا اور پیچھے سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی دل تو چاہتا کہ نماز لمبی کروں، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں، اپنے خدا کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ لمبے لمبے سجدے کروں، خوب اس سے باتیں کروں، خوب اس سے دعائیں کروں، اس کا نام لوں، اچھی طرح سے اس کو پکاروں، راضی کروں اور مناؤں، لیکن اس بچے کی آواز میرے کان میں آتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس کی ماں بھی نماز میں ہوگی۔ اس زمانے میں مسلمان عورتیں بھی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں اور وہ زمانہ فتنہ و فساد کا زمانہ نہیں تھا، خیر القرون کا زمانہ تھا، اس لئے عورتوں کو اجازت تھی کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ، اپنے باپ کے ساتھ اپنی اولاد کے ساتھ وہ بھی اللہ کے گھر آئیں اور نماز پڑھیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں ہوتا ہوں، اور میرا اس وقت ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے خدا سے دل کھول کر مانگوں گا، دل کھول کر دعائیں مانگوں گا، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں گا، اتنے میں کان میں ایک بچے کی آواز آتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس کی ماں نماز میں ہو اور اس کا دل بے چین رہے گا اس کا دل نماز میں نہ لگے گا، وہ اپنے بچے کو جلد لینا چاہے گی، اس وقت میں نماز مختصر کر دیتا ہوں، بھائیو اس سے بڑھ کر کیا تعلق ہو سکتا ہے، ہم کو نماز سے اس قسم کا تعلق کہاں ہے، جن لوگوں کو نماز سے تعشق ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی قربانی ہے، یہ ہمارے رسول ﷺ کی کتنی بڑی قربانی تھی، وہ نماز میں دنیا

و آخرت سے بے خبر ہو جاتے تھے، آپ کو نماز میں بالکل یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے، آپ اپنے خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر رونے، مانگنے اور گڑ گڑانے میں مصروف رہتے، اس میں آپ ایک بچے کی آواز سے نماز کو مختصر کر دیتے تھے کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو، آپ کا اپنی امت کے ساتھ یہ حال تھا، آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے الاؤ روشن کیا، بہت ہی تیز آگ جلائی، جیسے کہ جنگلوں میں آگ ہوتی ہے، لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھ کر تپتے ہیں، برسات کی راتوں میں آپ نے دیکھا ہوگا آگ کے پاس کیا ہوتا ہے، پروانے آ کر گرتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں آ کر جمع ہو جاتے ہیں، ایک ہی روشنی کر دیجئے بس کافی ہے، روشنی پھیلنے ہی خدا جانے کون ان کو خبر کر دیتا ہے، وہ آتے ہیں، امنڈ آتے ہیں، بادلوں کی طرح امنڈ آتے ہیں، وہ سب کے سب آگ میں آ کر ٹوٹ پڑتے ہیں، تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے الاؤ روشن کیا اور پینچے آ کر اس پر رنے لگے، اسی طرح سے تم جہنم کی آگ میں گرنا چاہتے ہو، اے انسانو! تم جہنم کی آگ میں، دوزخ میں گرنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو آگ سے ہٹاتا ہوں، یہ آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ تعلق کا معاملہ ہے، امت کے ساتھ آپ ﷺ کو الفت تھی، ایسی الفت کہ اللہ تعالیٰ وقرآن مجید میں کہنا پڑا، سورہ کہف میں آیا ہے

فَلَعَلَّكَ بَاحِعٌ بِفَسْكَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا

بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اِسْفَاً ۝

کیا تم جان دے دو گے ان انسانوں کے پیچھے، کیا تم اپنا گلہ گھونٹ لو گے، ان کے اسلام نہ لانے پر، ایمان نہ لانے پر۔؟

آپ ﷺ کو یہ فکر تھی کہ امت میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، سب جنت

کے مستحق ہو جائیں، آپ کا مقام تو بہت اونچا ہے، آپ کے غلاموں کا یہ حال تھا، آپ نے مشائخ صوفیائے کرام، اور صحابہ کرام کی سوانح عمریاں پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے نبوت کی وراثت میں، آپ کے صدقے میں وہ محبت اور شفقت انسانوں کے ساتھ جتنائی، اپنے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ، اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان لوگوں کا جو تعلق تھا، جو محبت و شفقت تھی، وہ گویا آنحضور ﷺ کا صدقہ تھا، حضرت نظام الدین اولیاء جو غلامان محمد میں سے تھے، ان کی سب سے بڑی معراج یہی ہے، ان کا یہ حال لکھا ہوا ہے کہ ان کی مجلس ہو رہی تھی، اللہ اور رسول کی باتیں ہو رہی تھیں، لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، آپ کے پاس جگہ ہی کہاں، وہ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ جو سایہ کی جگہ تھی وہ بھر گئی، جو لوگ بعد میں آئے وہ دھوپ میں کھڑے ہو گئے، آپ نے ایک مرتبہ تڑپ کر فرمایا کہ خدا کے لئے سایہ میں آ جاؤ، دھوپ میں تم کھڑے ہو، اور میں جلا جا رہا ہوں، یہ حالت تھی حضور ﷺ کے غلاموں کی، یہ آپ ﷺ کے غلام تھے، آپ ﷺ کے نام لیوا تھے، دوسروں کی تکلیف کا ان کو اتنا احساس ہوتا تھا کہ دوسرے دھوپ کھائیں اور تکلیف ان کو خود محسوس ہوتی تھی، وہ سوزش محسوس کرتے تھے اور ایک مرتبہ حضرت نظام الدین کا واقعہ ہے کہ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ آپ کچھ کھاتے نہیں؟ وہ روزہ رکھتے تھے، انہوں نے عمر بھر روزہ رکھا سوائے بقرعید اور مید الفطر کے باقی ایام میں وہ روزہ سے رہتے تھے، اس لئے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے، سال بھر روزہ رکھا، لوگ حلوہ ملا تے تھے، دسترخوان بچھا ہوا رہتا تھا، افطار میں وہ کھاتے تھے اپنی پسند کے مطابق، بعض مرتبہ دیکھا گیا کہ ہاتھ بڑھایا ہوا وہیں رہ گیا، در دسترخوان اٹھ گیا، برائے نام کچھ کھالیا تو کھالیا، ایک نے پوچھا کہ آپ کیوں تناول نہیں فرماتے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ برائے نام ہی کھاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم جو کچھ کھاتے ہو وہ میرے حلق میں جاتا ہے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ میرے ہی حلق کے

اندر جا رہا ہے، اور ان کے ایک خادم تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رات سحری لے کر آتے تھے، ان کی ڈیوٹی تھی کہ پانی وغیرہ وضو کے لئے رکھ آئیں، اور وہ خوان بھی لے آئیں جو کچھ بچا رہتا وہ کھاتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ سب کھاتے تھے اور حضرت روزہ رکھتے تھے، یعنی یہ کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ پیٹ بھر کر کھاتے ہوں، برائے نام کھاتے تھے، وہ کچھ بہنے سے کھاتے تھے یا جوں کا توں جیسا ہی خوان میں لے گیا ویسا ہی واپس لایا، ایک دن میں نے حضرت سے رو کر کہا کہ حضرت! آپ بھی کچھ کھائیے نا، آپ نے کس طرح سے کام ہوگا، عمر شریف اسی (۸۰) سے اوپر ہوتے آئی، کھائیے، بوڑھوں کی طاقت کھانے ہی سے ہوتی ہے، اب کھائے بغیر کام کیسے چلے گا، حضرت رو کر فرما نے لگے کہ میاں اقبال جو کچھ نام تھا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ کتنے اللہ کے بندے مسجدوں کے صحن میں بھوکے پڑے ہیں، کیا تم کو معلوم ہے کہ دلی کے مسافر خانوں میں کتنے مسافر ایسے ہیں جو نان جویں کے محتاج ہیں، ان کو کھانے کو نہیں ملتا، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ میں سیر ہو کر کھاؤں، یہ غلامان محمد ﷺ کے چند واقعات ہیں جو میں نے سناے، حضرت عبدالقادر جیلانی اور خواجہ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء اور بڑے بڑے اولیاء، ان کے واقعات میں نے عرض کیا، یہ سب ان کا عمل تھا، خادموں کے ساتھ یہ سب نمونہ تھا، یہ صدقہ تھا، نمونے کی ایک جھلک ہے، حضور کی شفقت کی جو آپ کو اپنی امت کے ساتھ تھی، میرے دوستو! اللہ کے سب پیغمبر اللہ کا سلام ہو ان پر، سب نے اپنی اپنی امتوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کیا، حضرت محمد ﷺ ماں باپ کی محبت سے بڑھ کر محبت سے کرا آئے، آپ کو یہ فکر تھی، یہ حرص تھی، یہ دھن تھی کہ امت کا بیڑا پار ہو، اس کو نجات ہو، امتیوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، ایک امتی ہلاک نہ ہوے پائے، یہ نظام عمل تھا حضور ﷺ کا، آپ نے انسانیت کے سامنے جو تاریخ رکھی، جو ہدایت کا راستہ بتایا، اس پر چل کر مسلمان ہمیشہ کامیاب ہونگے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی، دنیا میں

راحت ہوگی، آخرت میں جنت کے مزے لوٹینگے، دنیا میں جنت کے جھونکے آئیں گے اور جن کی ہوا چلے گی، اولیاء کرام کا مقولہ ہے کہ خدا کی قسم ہم کو جنت کا مزہ آرہا ہے، اور بہت سے عرفوں کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کو خبر ہو جائے دنیا والوں کو کہ ہم کس جنت میں رہتے ہیں، اسی زندگی میں ہم کو جو سکھ حاصل ہے تو خدا کی قسم وہ لوگ ہم کو یہاں بیٹھنے نہ دیں گے، ہم کو کام کرنے نہ دیں گے، وہ تلواریوں کے ساتھ چل کر آئیں گے، اور ہم کو اٹھا کر کے یہاں ہماری جگہ پر خود بیٹھ جائیں گے، ہم کو دنیا فاقہ رتا ہوا دیکھتی ہے یا پیٹ میں پتھر باندھے ہوئے دیکھتی ہے، چٹھڑے لگائے ہوئے، پیوند لگائے ہوئے دیکھتی ہے، ہم کو دنیا مال کے اعتبار سے کھانے کے اعتبار سے بہت بے مایہ اور بہت فقیر دیکھتی ہے لیکن ہم تو یہاں جنت کا مزہ لوٹ رہے ہیں، ہم کو جو یقین اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا، جو راحت ہم کو بخشی، جو ہمارے دل میں استغنا رکھا، دل میں سے ہر خوف کو نکال دیا، امید ختم کر دی، نہ کسی سے امید، نہ کسی سے خوف، لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون، کہ ہم کو جنت کا مزہ آرہا ہے، جنت کی تعریف کیا ہے، وہاں نہ خوف ہوگا، نہ مصیبت کی فکر ہوگی، نہ کیے ہوئے پر پچھتاوانہ پشیمانی، نہ آئندہ کا غم ہوگا، یہ ان اولیاء کرام نے زندگی حاصل کی ہے۔

دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت

میرے دوستو! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو راستہ ہم کو بتایا ہے، جو تعلیم آپ ﷺ لے کر آئے اور جو کتاب آپ لے کر آئے، اس پر چل کر ہم دین و دنیا دونوں جگہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، ہم اس کے بغیر کتنی بڑی عقلمندی سے کام لیں، کتنے فلسفی ہوں، کچھ بھی ہوں، نہ ہم اس دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ اس دنیا میں ہم کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، آپ کی اطاعت ہی میں کامیابی

ہے، آپ ہی کے راستے میں فوز و فلاح ہے، آپ ہی کے راستے میں سعادت ہے، آپ نے جو طریقہ بتایا ہے اسی طریقے میں ہمارے لئے کامیابی اور نجات ہے، ہماری عقل ہم کو کیا سمجھاتی ہے؟ ہماری عقل ہم کو یہ سمجھاتی ہے کہ آج کے فلسفہ اور آج کل کے نظام میں، آج کل کی تربیت میں ترقی ہے، ہمارا نفس ہم کو یہ طریقہ بتاتا ہے، یہ فلسفہ دیتا ہے، یہی مسئلہ جمادیتا ہے کہ کیسی دنیا اور کہاں دنیا کی فکر، کیا ملت کا مفاد، کیا ملت، کیا دارے، کہاں کا مسلمانوں کا مسئلہ، دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ کہاں، ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ کہاں، کھو پیو مست رہو، کماؤ زیادہ سے زیادہ، کماد اور اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چھوڑ کر جاؤ، عمدہ مکانات اور بنگلے بنو اور جائیدادیں خریدو، پابرممالک چلے جاؤ، کس فکر میں جڑے ہو تم کہاں کا عقبی، کہاں کی آخرت؟ اور کہاں کے ملت کا مفاد، کہاں کے ملت کے مسائل کہاں کی مسلمانوں کی فکر، اس جھنجھٹ میں اگر ہم پڑیں گے تو ہم سے نہ کھایا جائے گا، نہ پیا جائے گا یہ تو تپ دق ہے، تپ دق کیوں مول لیتے ہو (EAT DRINK & BENEW) کھاؤ پیو اور مست رہو، یہ جو یورپ کا فلسفہ (BEMERRY) رہنے کا جو فلسفہ ہے ہمارا نفس ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ہمارا بڑا مسئلہ ہماری ذات کا مسئلہ ہے قوم کا مسئلہ نہیں ہے، اجتماعیت کا مسئلہ اور ملت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلہ زید کا، بکر کا اور عمر کا ہے، یہ جواکائیاں ہیں، ملت کی ہراکائی کا ہے، ہم کو تجربہ بتاتا ہے کہ اکائی دہائی کچھ نہیں، بس یہی دنیا ہے، یہی آخرت ہے، یہی اچھا ہے اور یہی برا ہے، اس کے نتیجے میں کھانے کو جو پچھ بھی مل جائے اور کھانے کو تو بہت کچھ مل جاتا ہے، پہننے کو تو بہت کچھ مل جاتا ہے مگر یہ ہے جانور کی سی زندگی، بندر کی زندگی، بندر کی زندگی کیا ہے، گدھے کی زندگی کیا ہے، بھینس کی زندگی کیا ہے، کھالیا، پی لیا اور اپنے بچوں تک کی بعض جانوروں کو فکر نہیں ہوتی، ایسا دیکھ گیا ہے، کہ بچہ بھی اگر منہ مار رہا ہے تو ماں اس کے منہ سے لقمہ چھین رہی ہے، اسے کھانے نہیں دیتی، یہ ہے حیوانیت کا فلسفہ، یہ ہمارا

نفس ہم کو بتاتا ہے، وزین لہم الشیطان ما کانوا یعملون۔ شیطان ان کے اعمال کو آراستہ کر کے دکھاتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ دوسروں کی فکر میں تم کیوں گھلے جا رہے ہو، ہر وقت لوگوں کے غم میں مبتلا رہتے ہو، یہ درد یہ مرض اور یہ بیماری جس کو لگ گئی وہ گھلتا چلا جاتا ہے، اس کی بڑی کو بھی گھلا دیتی ہے، یہ ہمارا نفس ہم کو بتاتا ہے اور ہمارا نفس سمجھاتا ہے کہ کہاں کا مرنا اور کہاں کا جینا، ان ہی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحی۔ یہ سب کھیل ہے، یہی دنیا ق زندگی ہے، آج ہم زندہ ہیں کل مرجائیں گے کہاں کے ملت کے مسائل، کہاں کی اجتماعیت، کہاں کے ملی مفاد، کیسی تعلیم و تربیت، اس ملک میں کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے والا ہے، آنے والی نسلوں کا حال کیا ہوگا، ہم پر کیا ذمہ داری ہے، ہم پر صرف اتنی سی ذمہ داری ہے کہ بس کھالیں، پی لیں، بچوں کو پڑھائیں، ان کو آگے بڑھائیں، ان کو ایک کامیاب انسان بنائیں، ان کے مستقبل کا کیا ہوگا، اس ملک میں کیا ہونے والا ہے، مسلمانوں کا کیا ہونے والا ہے، اس فکر میں ہم کیوں پڑیں، یہ فلسفہ ہے نفس کا، نفس نیت کا اور حیوانیت کا، انفرادیت کا، جب کوئی قوم اس فلسفہ میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور نفسی نفسی میں پڑ جاتی ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا، ایک چھوٹا سا کنبہ آج وہ کنبہ بھی مختصر ہو رہا ہے، اپنی ہی زندگی میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کنبہ روز بروز مختصر ہو رہا ہے، پہلے چچا زاد، تایا زاد بھائی، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائیوں کا پورے کنبہ سے تعلق تھا، جب انسانیت کا تعلق تھا تو پوری برادری کے ساتھ تعلق تھا، گاؤں کا ہر بچہ اپنا بچہ معلوم ہوتا تھا اور ہر آدمی اپنا بھائی معلوم ہوتا تھا، جب اس کے بعد مادیت کا رفرما ہو گئی تو یہ بات آئی کہ اگر ایک محلے کے کسی بچے کو دوسرے محلے کے بچے نے چھیڑ دیا یا مار دیا تو بس بپھر گئے کہ ہمارے محلے کے بچوں کو مارنے کی کیسے ہمت ہوئی، کیسے مجال ہوئی، ہمارے محلے کے بچہ کی طرف نظر اٹھا کر کیسے دیکھا، اب اس محلے کے لوگ، اس محلے کے لوگ ایک دوسرے سے جرمن اور انگریزوں کی لڑائی کی طرح دونوں آمنے سامنے

کھڑے ہو گئے، پھر محلہ میں لڑائی شروع ہو گئی، پہلے خاندان میں، سکے ماموں زاد بھائی، سکے خالہ زاد بھائی، سکے پھوپھی زاد بھائی جسے انگریزی میں (COUSINS) کہتے ہیں، کا معاملہ آیا، ان سے بھی ٹٹے بھڑنے کے سئے تیار، اس طرح لڑائی ہوئی، چچا زاد بھائی، اور تایا زاد بھائی آپس میں ٹٹے بھڑنے گئے، اس کے بعد پھر وہ زمانہ آیا کہ بھائی بھائی کے درمیان لڑائی ہوئی، اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ سکے بھائی کی جگہ اپنی اولاد سے لڑائی ہوئی ہم اور آپ جس زمانے سے گذر رہے ہیں، یہ زمانہ ہے اپنی اولاد کا، اگر ترقی کا حال یہی رہا، اگر یہ رفتار یونہی جاری رہی، زندگی کا سفر یوں ہی جاری رہا، تو آپ دیکھ دیجئے گا کہ باپ بیٹے کا بھی نہ ہوگا، باپ بیٹے سے چھین کر کھائے گا، ایسا دیکھنے میں بھی آیا ہے قحط سالی کے موقع پر ایسا ہوا کرتا ہے کہ اپنے بچے کو ماں باپ نے بھون کر کھالیا، بیچ کر کھالیا، یہ آخری حد ہے، جہالت کا اگر ایسا ہی غلبہ رہا تو وہ زمانہ آجائے گا کہ جب کہ ٹٹے کے منہ سے نوالہ چھین کر آدمی کھائے گا، یہ حاست ہوتی ہے نفس پرستی کی، شکم پرستی کی سمٹتے سمٹتے تعلقات اپنی اولاد تک آ گئے، اور یہ بھی ختم ہو جائے گی، اولاد بھی نہ رہے گی، پھر اپنا نفس اور اس میں ترقی جاری رہے گی، تو آپ دیکھیں گے گا کہ ہاتھ ہاتھ کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا، بلکہ یہ چاہے گا کہ کل جامعہ اسلامیہ کے بچوں نے تم شاد کھایا کہ منہ سے پیسہ کواٹھایا، ہاتھ کہے گا کہ کھانا تو آپ کو ہے میں کیوں آپ کی مدد کروں، زمین پر لیٹ کر کے منہ کے ذریعہ کھائے، جامعہ اسلامیہ کے بچے زمین پر لیٹ کر کے پیسہ کواٹھا کر بھاگ گئے، ان بچوں نے جس طرح رتب دکھایا تھا، یہ رتب کھائے گا کل انسان، ہاتھ مدد کو نہیں آئے گا، پاؤں کہے گا کہ میں کیوں چل کرے جاؤں کھانا تو آپ کو ہے، مزہ تو آپ کو آئے گا، اور زبان وہاں تک جانے کے سئے کہے گی کہ ہم کیوں تھکیں آپ پیٹ کے بل ریٹ کر کے کھائے گا، اسی پیٹ کو تکلیف دیجئے پاؤں کیور آئے اس کی مدد کے لئے جیسے سانپ رینگتا ہے جیسا کہ اور بہت سے جانور زمین

پر ریگتے ہیں ویسے آپ جا کر کھا لیجئے، منہ کو مزہ آئے گا پیٹ میں جائے گا یہ فلسفہ یہ بتاتا ہے، دیکھو اس وقت دنیا کی حالت کیا ہوتی ہے، جہنم سے بدتر ہو جاتی ہے، کسی کو فکر نہیں ہوتی، یہ سمجھ لیجئے چوہے بندر اور بیل کی طرح منہ مارتے لگیں گے، کوئی کام نہیں ہوگا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، انصاف اور بے انصافی کے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں کوئی کسی کا حق تسلیم نہیں کرتا، ایثار و قربانی دن بدن ایک قصہ پارینہ اور ایک داستان بن کر رہ جاتے ہیں، کہاں کا انصاف اور کہاں کی نا انصافی، کہاں کی قربانی، یہ باتیں پرانے زمانے کی کہادتیں بن جاتی ہیں، اللہ کے پیغمبر ہم کو اس کے خلاف ایک نظم زندگی دیتے ہیں اور ہم کو زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتے ہیں، یہ بھی کیا زندگی ہے، کھالیں، پی لی، پیٹ بھر لیں، یہ بھی کوئی زندگی ہے، لعنت ہو ایسی زندگی پر، جانور کی زندگی پر، بھرے کی زندگی پر، لیکن انسان کی زندگی پر خدا کی رحمت ہو، وہ کیا آدمی ہے جس کے دل میں انسان کا درد نہ ہو اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر ہو، دنیا میں کیا ہو رہا ہے، کسی دوسرے کا پیٹ بھر رہا ہے کہ نہیں، وہ یہ نہیں دیکھتا۔

پیغمبروں کی میراث

پیغمبر جو زندگی بسر کرتے ہیں اس زندگی کے لئے شریعت آئی ہے اس زندگی کے لئے قرآن اتر رہا ہے، خدا کے بندوں نے کوشش کی ہے کہ تعاون کی، ہمدردی کی، محبت کی، ایثار و قربانی کی زندگی عام ہو، انسان بند نہ بنے، انسان گدھانہ بنے، بس یہی فکر نہ کرے کہ اس کو جو کھانا مقرر ہے جتنا دودھ مقرر ہے، جتنا چارہ مقرر ہے، وہ اس کو مل جائے بلکہ اس کو یہ فکر ہو کہ میرے ہم جنس میرے جیسے انسان ہیں جن کو کھانے کو نہیں ملا ہے ان کو بھی کھلاؤں اور وہ اسی میں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ دوسروں کو کھلا کر کھاتے ہیں، رکھ کر کے انہیں آرام نہیں ملتا، یہ ہے پیغمبروں کی میراث اس کے لئے پیغمبروں نے

کوشش کی ہے پھر اس کے لئے ٹرے کہ انسانوں میں درد عام ہو، انسانوں میں یہ کیفیت عام ہو صحابہؓ کے واقعات آپ نے سنے ہوں گے، ایک زخمی صحابیؓ کے پاس پانی کا پیالہ لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ ”میں نے ابھی کراہ سنی تھی دوسرے زخمی بھائی کی،“ آپ پہلے ان کو پانی پلا دیجئے ”دوسرے نے کہا“ تیسرے زخمی بھائی کی کراہ سنی تھی“ اس نے پاس پانی لے گئے تو اس نے کہا ”چوتھے بھائی کی کراہ سنی تھی“ آخر میں جب پانی لے جایا تو سب کے سب انتقال فرما گئے تھے، یہ ہے انسانیت کی میراث، انسانیت کی عظمت کا راز، انسان کی اشرافیت کا راز، اس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کے لئے یہ امت کھڑی کی گئی ہے اگر یہ امتی بھی اس نفسی نفسی کے اصول پر چلا جائے، اگر نفس شیطان کی پیروی میں آگے بڑھ جائے، حقیقت کو حقیقت نہ سمجھے اس کا انکار کر دے اور یہ سمجھے کہ سوائے کھانے پینے کے اور کوئی کام نہیں ہے تو سمجھیے کہ یہ امت مرگئی، کوئی خصوصیت اس کی باقی نہیں رہی، پیغمبروں نے فرمایا کہ اپنے میں ملگن رہنا اور اپنے میں مست رہنا یہ بدست ہے، جب صحابہ کرامؓ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے اپنے کاروبار کو ترک کر دیا ہے، ہم سب کو بھول گئے، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے ہم نے اسلام کی خدمت کی، ہماری کوٹھیاں اجڑ گئیں، ہمارے کھیت برباد ہو گئے، ہماری تجارتوں کا دیوالہ نکل گیا، اب کچھ دنوں کے لئے ہم اپنے ذاتی کاروبار کو دیکھیں اس کے بعد پھر اسلام کی خدمت میں لگ جائیں گے، وہ جب اس طرح سے سوچنے لگے تو اسی وقت خطرے کی گھنٹی بجی، یہی وجہ ہے کہ ان کو فوراً تنبیہ دی گئی کہ خبردار یہ خیال تمہارے دل میں آ گیا ہے یہ خیال پیدا کیسے ہوا، خبردار ایسا خیال نہ کرنا، یہ نہر کا پیالہ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے منہ سے نہ لگا لینا، ان کو یاد دلایا گیا کہ جاؤ پھر اس خیال خام سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارا کام تمام ہو جائے گا، ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ یہ تمہارے حق میں سم قتل ہے یہ زہر اگر تم نے پی لیا، تم کو اگر یہ خیال آ جائے

کہ تم اپنے کاموں کو کر لو، تمہارے اندر یہ فکر رہے کہ تم امن سے رہو اور دین کے کام پس پشت ڈال دو تو یاد رکھو تم مرجاؤ گے، اس لئے کہ تھوڑی دیر کے لئے اگر تم اپنا کاروبار سنبھال بھی لے جاؤ گے تو کیا ہوگا، مت نہیں بنے گی **وَالَا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفُسَادٌ كَبِيرٌ**، جہاں مسلمانوں کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کیا، ایک نئی برادری بنائی **الَا تَفْعَلُوهُ** اگر تم نے اپنی ملت کے کام سے کوتاہی کی، اگر غفلت سے کام لیا، اسلام کی برادری توڑ ڈالی **تَكُن فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفُسَادٌ كَبِيرٌ**، تو دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوگا، یہ انسانیت تاراج ہو جائے گی، خاک کا ایک تودا بن جائے گا، دھول کا ایک ڈھیر ہوگا، ساری ملت کو ایک سمجھ، ساری ملت کے مفاد کے لئے ایثار و قربانی سے کام لو، اسلام کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری بنا لو، ایک مسمان دوسرے مسلمان کا حامی و مددگار بن جائے۔

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں جب یہ بات آئی کہ ذرا اپنے دنیاوی کاروبار کو دیکھ لیں تو اللہ گواہ ہے کہ دین کا تقاضا فوراً ان کو سمجھایا گیا، بتایا گیا کہ خبردار! یہ بہت ہلاکت انگیز خیال ہے، یہ ذاتی مسائل کو سوچنا اور ملت کے مسائل کو بھول جانا تمہارے حق میں سم قاتل ہے اور صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی زندگی اور اس کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں کیا کیا قربانیاں دیں کیا بتائیں، ان کو اپنا مال اپنی جان، اپنا وقت، اپنی اولاد، اپنا گھر، کسی کی پرواہ نہیں تھی، سب چھوڑ دیا، سب خدا کے دین کو سونپ دیا، اولاد کی پرواہ نہیں تھی، تجارت کی پرواہ نہیں تھی، کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی، عمر بھر کی کمائی کی پرواہ نہیں تھی، یہاں تک کہ بچوں اور ماں باپ کی پرواہ نہیں تھی، صحابہ کرامؓ نے اسلام کو جو طقت بخشی وہ ہماری اتنی ناقدری، اتنا ظلم اور جینے کی لالچ کے بعد بھی قائم ہے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔

نفسی نفسی کا کاروبار چھوڑیے

میرے دوستو! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے راستے سے بڑھ کر کوئی صحیح راستہ نہیں ہو سکتا، انہوں نے راستہ بتایا، مسلمانوں کے پھنسنے پھولنے کا، تجارتیں کرنے کا، اس راستے کو اختیار کیجئے، اور نفسی نفسی کے کاروبار کو چھوڑ دیجئے میری ذات، میرا کاروبار، میری اولاد، میرا مال، بس اسی کی فکر ہے یہ حال ہے اس امت کا بڑے سے بڑے مسئلہ پیش آتا ہے، تعلیم کا مسئلہ ہے جس کو ہم یوپی میں حل کر رہے ہیں، اس کے سبب میدان میں اتر آئے ہیں، لیکن مسلمان سرمایہ دار اپنا پیسہ دبائے ہوئے ہیں، اس نظام کو قائم کرنے کے لئے تھوڑے سے سرمایہ کی ضرورت ہے وہ بھی پورا نہیں ملتا اسی طرح سے انگریزوں کا مسئلہ ہے تعلیمی اداروں کا مسئلہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیسہ دیا ہے ایسے چار آدمی مل کر اس کو چلا سکتے ہیں، لیکن یہ پیسہ دبائے ہوئے ہیں اپنی کمر مضبوط کسے ہوئے ہیں چاہے چمڑی چلی جائے، دمڑی نہ جائے لیکن جب وقت آتا ہے تو چمڑی جاتی ہے اور دمڑی بھی جاتی ہے وہ وقت آئے گا جب سزا ملے گی جب ہمتیوں کو سزا ملتی ہے، چمڑی تو کیا ہے دمڑی بھی چلی جاتی ہے، یہ دمڑی کس کے لئے جب دمڑی چلی جائے، یہ ایک عیب لگ گیا ہے، مسلمانوں کو یہ ایک گھن لگ گیا ہے مسلمانوں کے اندر سرمایہ کی کوئی کمی نہیں ہے، ایک ایک جگہ کے مسلمان پورے ہندوستان کے مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں، آدھی نہیں تو چوتھائی ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں، لیکن نہیں کرتے بس مست ہیں، مگن ہیں، آپ دیکھئے مسلمانوں کے کاروبار کی حیثیت کیسی ہے، بمبئی میں دیکھئے کالی کٹ میں دیکھئے مدراس میں دیکھئے، کلکتہ میں دیکھئے مسلمانوں کا کاروبار ملے گا بعض کاروبار تو ایسے ہیں جو خالص مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

میں نہیں جانتا یہاں کوئی کوئی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے لیکن جب کسی ملی

ادارے کے لئے کچھ مانگے تو ایک جواب یہ ملتا ہے کہ ”اپنا ہی پورا نہیں ہوتا“ یہ جانتے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو کوئی بہانہ نہیں چلے گا، وہ آخری بہانہ کر دیتے ہیں اُس ہماری ٹولی ان کے پاس جاتی ہے تو پوچھتے ہیں ”کیوں آئے ہو“۔

ہلاکت کا سامان

تم نے جب زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خدا نے ہی تم پر یہ ٹیکس مسلط کیا، جو قوم زکوٰۃ کو یعنی خدا کی مقرر کی ہوئی رقم کو روکتی ہے تو اس پر نئے نئے ٹیکس مسلط ہو جاتے ہیں، جیسے کسی کو پیہری لگا دی، گھر میں بیوی بیمار ہے، بعض لوگوں سے پوچھا کہ اتنی بڑی آپ کی تنخواہ ہے وہ کیا ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں صاحب! دس برس سے جو بیماری آ گئی ہے گھر میں وہ جانے کا نام نہیں لیتی، روزانہ ڈاکٹروں کو بلانا پڑتا ہے بڑے بڑے ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھانا پڑتا ہے، اسکریننگ کرنا پڑتا ہے، ایکس رے کرنا پڑتا ہے، بعض دفعہ یورپ جا کر علاج کرنا پڑتا ہے، یہ مرض کھاتے پیتے لوگوں کو اللہ نے لگا دیا ہے، کسی کو کوئی اور ضبط ہو گیا ہے، جس کو (HOBBY) کہتے ہیں، غرض یہ کہ پہلے راستے پر خرچ کرنے سے اگر باتھ روکو گے تو دوسرے راستوں پر خرچ کر کے نہ تم کو فائدہ نہ ملت کو فائدہ نہ اسلام کو فائدہ نہ انسانیت کو فائدہ، ان راستوں میں تمہارا پیسہ نکلنا شروع ہو جائے گا، یہ ہے ہلاکت کا سامان، ایک بیماری یہ ہے کہ مسلمانوں کا سرمایہ ان کو عزیز ہو گیا ہے اور ملت کے مسائل کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے، صحابہ کرام کا معاملہ جدا تھا، ان کو پیسہ کی کوئی پرواہ نہ تھی، صحابہ کرام کو ملت کے مسائل کے سامنے پیسہ عزیز نہیں تھا، گھر میں جھاڑو دے کر آتے تھے وہ لوگ، صحابہؓ کے کئی ایک واقعات آپ لوگوں کو یاد ہوں گے پھر بھی ایک واقعہ تم کو بتاتا ہوں جو تم کو معصوم ہے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے اے ابو بکرؓ تم نے گھر میں کیا چھوڑا، انہوں نے فرمایا ”اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا“ یہ حالت تھی صحابہ کرام کی

لیکن ہمارا نفس ہم کو یہ کہتا ہے کہ یہ ایسا رکھنا راستہ زندگی کا راستہ نہیں ہے بلکہ ہلاکت کا راستہ ہے، ہمارا نفس کہتا ہے کہ پیسہ بچائے رکھنا، ترقی کرنے کا راستہ ہے لیکن پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ ہلاکت کا راستہ ہے، ان کی بات سچی نکلتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہم تباہ ہوتے جا رہے ہیں، اتنے بہت سے قرون ہماری قوم میں ہیں اور ہر گاؤں میں چار پانچ قرون بنے ہوئے ہیں لیکن ہماری مت کی کیا حالت، ہماری مت کی عزت کیا رہ گئی ہے، ہماری ملت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے، جہاں چاہو فساد کرا دو، مسلمانوں کی عزت ہوتی، رعب ہوتا، ہمارا کیر کڑ ہوتا، ہم کیریکٹر کے لوگ ہوتے، ایسا کرنے والے ہوتے، روپے پیسے جھونک دینے والے ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ جہاں چاہے بس ایک جھنڈی سے کر چلا جائے یا دیاسلانی (ماچس) لے کر آگ لگاتا چلا جائے، ہمارے گھروں کو کیا مجال تھی کسی کی کہ کوئی فساد کرا سکتا، ملت بے عزت ہو گئی ہے، بے آبرو ہو گئی ہے، بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے، ملت کی جان جان نہیں رہی، ملت کی عزت عزت نہیں رہی، ملت کی زندگی زندگی نہیں رہی، مت کی آبرو آبرو نہیں رہی، جو آبرو باختم جو دیش ہو؟ بس جہاں چاہے فساد کر دے، کیا مجال تھی، اگر آپ میں آبرو ہوتی، آپ میں ایسا رکھا دہ ہوتا، اگر آپ میں پیسہ خرچ کرنے کا مادہ ہوتا، اگر آپ سینہ سپر ہو جاتے مت کے لئے، اگر آپ یہ ثابت کر دیتے کہ آپ ایک مستحکم ملت ہیں، اگر آپ کو پیسہ سے عشق نہ ہوتا اگر آپ کے اندر قرون نہیں ہوتے تو کیا ملت اتنی بے آبرو ہوتی؟ کیا کسی کو ہمت ہوتی کہ ہمیں فساد کرائے، کل کسی ہمت ہوگی کہ فساد کرائے، یہ اقلیت کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، با عزت ملتوں کے لئے، با عزت قوموں کے لئے، غیرت مند قوموں کے لئے اقلیت اور اکثریت کا سوال نہیں ہوتا، آج کسی پارسی کو مار کر دیکھئے آج کسی اینگلو اینڈین کو مار کر دیکھئے، آج کسی سکھ کو پوچھ کر دیکھئے، کہنے کو یہ اقلیت ہیں، پنجاب بنالیا، انہوں نے اپنے ایثار کی بدولت ایک صوبہ بنالیا، ایک لسانی صوبہ بنالیا، اور آپ اپنی حفاظت بھی نہیں

کر سکتے، کس دن آپ کا یہ سرمایہ کام آئے گا، کیا آپ یہ دیکھ کر کہ اتنی بڑی فرم اتنی جگہ اور یہ آپ کی چار جگہ دکانیں ہیں، یہ دیکھ دیکھ کر آپ پھول رہے ہیں اُسران چیزوں سے اسلام کا فائدہ ہوتا، امت کا فائدہ ہوتا تو ہم سے زیادہ خوش ہونے والا کوئی نہیں تھا، اب کیا ہم پر رعب جماتا ہو کہ اتنے بڑے سرمایہ دار ہو، تجارت دور دور پھیلا رہے ہو، اُسرمت کے لئے یہ سرمایہ دار بے حس نہ ہوتے، بے غیرت نہ ہوتے، کم ہمت نہ ہوتے، پست ہمت نہ ہوتے تو آج یہ امت اتنی ذلیل نہ ہوتی۔

فسادات کا اصل علاج

آپ فساد کا ہم سے علاج پوچھتے ہیں، فساد کا علاج یہ ہے کہ اپنے پیسہ کو اپنا پیسہ نہ سمجھئے فساد کا علاج فرقہ دارانہ فساد کا علاج یہ کہ جو زبان آپ کے خلاف چلے اس کو پکڑ لینے کی آپ میں طاقت ہو، فساد کا علاج یہ ہے کہ آپ کے خلاف جو بات تھ بڑھے اس بات کو پکڑ لینے کی آپ میں طاقت ہو، فساد کا علاج یہ ہے کہ آپ کے خلاف جو بات تھ بڑھے اس بات کو پکڑ لینے کی ہمت آپ کے اندر ہو، کیونکہ یہ بات مسلمانوں کے خلاف اٹھ رہا ہے! اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو آپ نہیں بچ سکیں گے، یہ تعاون کا زمانہ ہے، ایثار کے ذریعہ پیسہ خرچ کر کے اپنی امت کو مضبوط بنانے کا۔

بہت افسوس ہے اور بہت درد ہے ساتھ مجھے یہ باتیں بھی پڑ رہی ہیں، آپ سے میں نے یہ باتیں کانپہ میں کہیں، یہ باتیں رنگون میں کہیں، میں رنگون میں ۱۹۶۰ء میں گیا تھا جب میں کالیکٹ آیا اور آپ بھائیوں سے ملا تو رنگون ہو رہا تھا، میں نے رنگون میں کہا کہ میں صاحبِ شرف نہیں، صاحبِ الہام نہیں ہوں، میں ایک بہت ہی گندہ گارا انسان ہوں، خدا جس سے سچ بات کہلوائے، میں نے ان سے کہا وہ کچھ پتی لوگ تھے، دعوتیں کرتے تھے، استقبال کرتے تھے، ہم سے بڑی محبت کرتے تھے، میں نے

دیکھا کہ ان میں یہ روک تھام ہے کہ اگر تم تبلیغ میں نہ نکلا رہا خدا میں نہ نکلے اگر تم نے اپنے مال میں سے خدا کا حصہ نہ دیا، مت کے مسئلے کے مفاد کے سے پیسہ نہ دیا تو یہ رہو تمہاری دوکانوں پر پیل پڑے گی اور تمہارا مل ضبط کر لے جائیں گے اور تمہارا تھوڑا گدارہ نکال دیا جائے گا اگر دین کے تقاضے پورے نہیں کئے تو خدا تم پر عذاب مسلط کرے گا آپ یقین مآب میں قسم کھا کر بہت ہوں، میں بالکل بھول گیا جو کچھ وہاں بہہ آیا تھا، اب آیا وہ زمانہ کہ قومی حکومت قائم ہوئی، وہاں سے خط آتے تھے وہ خط یہ تھے، وہ خط آنسو ہوتے تھے ان خطوں میں لکھا ہوا تھا کہ مولانا آپ نے جو باتیں ارشاد فرمائی تھیں ان کو برا برا پڑھ کر برا کے مسلمان روتے ہیں جب میں وہاں جاتا تو جب اعدان ہوتا کہ مولانا ابو حسن علی کی تقریر فلاں اسٹریٹ میں ہوگی تو مجمع جمع ہو جاتا، میری تقریریں چند اصحاب نے نقل کر کے بھیج دی ہیں اس کی چند سطوریں پڑھ کر مجھے خود تعجب ہوا کہ میں نے کس حال میں یہ باتیں کہہ ڈالیں۔

میرے دوستو! میں آپ کی بدشگونی نہیں کرتا، آپ کو اللہ حفاظت میں رکھے آپ کے مال کی حفاظت فرمائے آپ کو امن و امان میں رکھے لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے یہ طریقہ بڑا خطرناک طریقہ ہے۔

یا ایہا الدین آمنوا استجیوا للہ وللرسول اذا دعاکم

لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبه

واسہ الیہ تحشرون O واتقوا فتنة لانیصین الذین

ظلموا منکم خاصة واعلموا ان اللہ شدید العقاب O

ایمان لانے والو! قبول کرو اللہ کی دعوت کو اور اس کی پکار کو جب وہ بلائے اس

چیز کے لئے جو تم کو زندہ کر دے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان

مائل ہے لیکن ہماری حالت یہ ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی اور کبھی آتی بھی ہے تو موقعہ نہیں، ذریعہ نہیں ہوتا۔

شان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

میں صاف کہتا ہوں، بھٹکل کے مسلمانوں کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے وہ ملت کی فکر کریں، ملت کی حفاظت کریں، یہ ٹکریاں یہ لمبے یہ نواٹ یہ ملت نہیں ہے، سارے مسلمان ہندوستان کی فکر کریں اور جو مسلمانوں کے مسائل ہیں ان کو حل کرنے کی کوشش کریں، اس میں حصہ لیں، اس کو مضبوط کریں، اس کو پھیلائیں اور اپنے غیر مسلم دوستوں کو تعارف رائیں، اسلام کا پیغام پہنچائیں، اپنی زندگی سے ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کریں اپنے اخلاق سے ان کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈالیں، ان کو اپنے سے مانوس کریں، نفرت اور عداوت ان کے دل سے دور کریں اگر یہ سب آپ لوگ کریں گے تو محفوظ رہیں گے ورنہ ایک بھٹکل کے مسلمان کیا ایک دکن کے مسلمان کیا، ریاست میسور کے مسلمان کیا، سرے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے ایشیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے، مشرق وسطیٰ میں جو اتنا بڑا زلزلہ آیا یہ کس بات کا نتیجہ تھا، سرمایہ دار اور سرمایہ پرست بادشاہ جن کو خدا نے سب کچھ دیا تھا وہ نفس پرست تھے، وہ ایثار نہیں جانتے تھے، جفاکشی بھول چکے تھے، سادہ زندگی کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے (AIR CONDITION) ایر کنڈیشن میں رہنا (TELEVISION) ٹیلی ویژن سے ہر وقت راز و نیاز یہ ان کی زندگی کا طور طریقہ، پچیس لاکھ یہودیوں نے جو مٹھی بھر تھے، سرے عربوں کو یعنی دس کروڑ عربوں کو ذلیل کر کے رکھ دیا اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو ذلیل کر دیا، یہ اسی امارت کی محبت کا نتیجہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا تم پر وہ من مسلط کر دیا جائے گا، کمزوری مسلط کر دی جائے گی، صحت برتر

نے پوچھا یا رسول اللہ! میں کس کو کہتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زندگی سے محبت اور موت سے نفرت۔ دوستو! یہی تو اب ہو رہا ہے، یہی تو ہے آج کے مسلمانوں کا مرض یہ د رکھئے کہ کسی قوم میں خالی بڑے بڑے تاجروں، لکھ پتیوں اور کروڑ پتیوں کا ہونا بالکل کافی نہیں ہوگا، اور تم جانتے ہو کہ جب اس قوم پر کوئی خطرہ کوئی مصیبت آتی ہے تو یہی طبقہ اس کا نشانہ بنتا ہے تاک تاک کرو وہ نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔

خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کریں

اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے، قیامت تک محفوظ رکھے، دل سے بہت ہوں، خدا نخواستہ کوئی برا وقت آیا تو آپ کا یہ سرمایہ دھن دوست کام نہ آئے گی۔ یہ پنجاب میں کام نہیں آیا، جیل پور اور جمشید پور میں کام نہیں آیا، رڑکیوں کے فساد کے پچھ دن بعد میں نے بارگاہ دیکھا وہاں مسلمانوں میں بڑے بڑے ٹھیکیدار تھے، جن کے گھوڑوں کے ٹھیکے تھے، معلوم ہوا کہ قسادیوں نے ان کے روپیوں پر ہاتھ صاف کیا سب سے پہلے ان کی جلی ہوئی موٹریں میں نے دیکھیں، ان کے بنگلوں کے سامنے ان کی جلی ہوئی کوٹھیاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں، ہونیویریوں میں رہنے والے یہ غریب قریب جا میں گئے، ان کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ، اے مجھے ڈر ہے آپ دونوں کا، اہل سنت منہمک نہیں ہے، اہل سنت کے مسائل حل نہیں ہوتے، ملت کے ادارے ٹھیک نہیں چلتے، آپ نے مسلمانوں کو اپنے سینے سے نہیں لگایا، آپ نے مسلمانوں کو ہمدرد نہیں بنایا تو وہ آپ سے اس طرح شریف ہو سکتے اور آپ کے ساتھ ہمدردی کیسے کر سکتے ہیں، آپ نے ان کے دلوں کو نہیں جیتا تو وہ آپ سے کیسے محبت کرتے دیکھیے آپ کی حفاظت کرنے والی پولیس نہیں ہے، آپ کی حفاظت کرنے والے ہوم گارڈ نہیں ہیں، آپ کی حفاظت کرنے والی فوج نہیں ہے، ان تینوں نے مل کر رانچی کے مسلمانوں کو قتل کیا۔

نہوں نے ہی وہاں فساد کر دیا، اور کیا آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کا خدا ہے، آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کے اعمال ہیں، آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کا جذبہ ایثار ہے آپ کی حفاظت کرنے والی وہ دولت ہے حدل کمائی کی جو آپ پھیلا دیں اپنا فدائی بنالیں اپنے اندر خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کریں تو آپ کی حفاظت ہوگی۔

زخمی دلوں پر مرہم رکھیے!

میرے دوستو! میں آپ کا مہمان ہوں مجھے اتنی تیز تقریر نہیں کرنی چاہیے مگر میں کیا کروں، میں تو آپ کی ہمدردی اور محبت میں یہ باتیں کہہ رہا ہوں، اس بات کو میں آپ سے ہمدردی سمجھتا ہوں، آپ اپنی حفاظت کا سامان کیجئے، آپ کی دکانیں، فرمیں، یہ بینک کے حسابات یہ سب سے زیادہ کمزور چیزیں ہیں، دنیا پہلے تو انہیں چیزوں پر آنا چاہتی ہے، سب سے پہلے زکوٰۃ نکالے، پھر سوچئے، خیرات کیجئے، لوگوں کے ساتھ ہمدردی کیجئے، لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھیے تاکہ ان کی دعائیں آپ کے شریک حال رہیں، کسی نے سلطان نور الدین زنگی سے کہا آپ تو اپنی دولت اتنی زیادہ غریبوں پر خرچ کرتے ہیں، جب ٹرائی ہوگی تو یہ چیز کس کام آئے گی؟ سلطان نے کہا ”بھائی! کام تو انہیں لوگوں کی دعاؤں سے ہوگا اور مجھے تو انہیں کی دعاؤں کا آسرا ہے ان کی دعاؤں سے دشمنوں کے کلیجے چھنی ہو جائیں گے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان لوگوں کی دعاؤں سے نور الدین کو فتح نصیب ہوئی، میں آپ سے سچ سچ کہتا ہوں میں چلا جاؤں گا یہاں سے اور خدا کے فضل سے کسی ادارے کے لئے چندہ لینے نہیں آیا ہوں اور یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اس کے لئے نہیں آؤں گا اس مسئلہ کے لئے مسلمانوں کے لئے اور اپنے لئے آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ خدا را اپنے آپ کو پہچانئے!

ع اپنے من میں ڈوب کر پاج سراغ زندگی تو اگر میرا نہ بنانا نہ بن اپنا تو بن

حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اپنے مسائل کو حل کرو، اپنے اداروں کو چلاؤ، اپنے اوقات کو اللہ کی راہ میں نکالو، اپنی جان کا اپنے کو مالک نہ سمجھو، خدا کو مالک سمجھو، خدا کے دین کا حصہ سب میں غالب رکھو، خدا کی راہ میں نکلو، خدا کی راہ میں خرچ کرو اور خدا کی راہ میں تکلیف اٹھاؤ، انشاء اللہ بھروسے بھروسے اور تمہارا علاقہ بھی انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ یہ میں اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے کوئی کمیشن ملے گا، کوئی کمیشن میرے اور منیری صاحب کے درمیان یا جامعہ والوں کے درمیان طے نہیں ہوا میں اس لئے کہتا ہوں کہ میں سلفہ تاریخ پڑھی ہے، میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے، حفاظت صرف خدا کی حفاظت ہے، اور اس سے بڑھ کر قرآن شریف کہتا ہے کہ اچھے اعمال سے حفاظت ہوتی ہے ”ان تنصروا اللہ یصرکم ویثبت اقدامکم“ اگر تم خدا کی مدد کرتے ہو تو خدا تمہاری مدد کرے گا، خدا ہی تمہارا بہترین انشورنس ہے ان انشورنس کمپنیوں کی کیا حقیقت ہے کہ ان پر انشورنس کریں، خدا کے یہاں اپنی قوموں کا، اپنی جانوں کا، اپنی اولاد کا، اپنے مال کا، اپنی عزت کا انشورنس بند دیجئے اور خدا کے یہاں مال کا انشورنس کیسے ہوتا ہے اپنے مال کو قیمتی بن دیجئے تاکہ کوئی ہاتھ نہ ڈال سکتے، اپنی جان کو قیمتی بن دیجئے اور قیمت کیسے پیدا ہوتی ہے، خدا کے دین کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے، خدا سے تعلق پیدا کر لیجئے، جو ہاتھ بھی آپ کے خلاف بڑھے گا وہ کاٹ کر رکھ دیا جائے گا، آپ دیکھئے بادشاہ کی کسی چیز پر کوئی ہاتھ اٹھائے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے، یہ ساٹھ ستر روپے کا سپاہی وہ پوئیس جو ہڑا ہے اس کو ذرا پھیٹ کر دیکھئے کیا ہوگا، سرکار مشتعل ہو جائے گی آپ کے لئے اس کا پیچھے چھڑانا مشکل ہو جائے گا، یہ ڈاکیومنٹ مین جو آتا ہے اس کی تنخواہ ہی کیا ہے، آپ میں سے ہر ایک ایسے دس پانچ ملازم رکھ سکتے ہیں اپنی دوکان میں، اس

کا پڑا پھاڑ بیجئے، اس کی تھیلی چھین لیجئے پھر دیکھئے کیا ہوگا، یہ آن گونمنٹ ڈیوٹی ہے، آپ بھی آن گونمنٹ سروس میں بن جائیئے، آپ بھی اللہ کے فرض میں لگ جائیئے، اس کی خدمت میں لگ جائیئے، اس کے دین کی خدمت میں لگ جائیئے، ایک زمانہ تھا کہ کسی خط پر (آن ہر میجسٹی سروس) لکھا ہوتا تھا تو یہ خط بڑا معزز ہوتا تھا جس میں یہ جملہ (ON HIS MEJESTY'S SERVICE) لکھا ہوتا تھا تو یہ (HIS MEJESTYS) آپ لکھیئے یا ہے، خدا کے سوا کون اس کا مستحق ہے۔

سرور کی زیرِ فقط اس ذات ہے ہمتا کو ہے

حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری

آپ شہنشاہِ مطلق اس ملک الملک کی خدمت میں لگ جائیئے تو دیکھیئے آپ کی جان و مال سب کا تحفظ ہو جائے گا اگر عزت چاہتے ہو اگر دولت چاہتے ہو تو اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں، یہ راستہ مسلمانوں کو اس نے بتایا ہے جس کو مسلمانوں سے بے حد محبت تھی، ہر چیز سے زیادہ محبت تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی محبت۔

جان و مال کی قربانی سے ملت کی حفاظت

بس راستہ دو چیزوں پر منحصر ہے، مال کا ایثار اور جان کا ایثار، جان دینے کی ضرورت نہیں، اپنے اوقات لگاؤ، تبلیغ کرو، خدا کے راستہ میں پھرو، اپنے اصول کی زندگی سے اترو، کچھ تکلیف اٹھاؤ، کچھ جفا کشی کا راستہ اختیار کرو اور ملت کے جو مسائل ہیں ان مسائل کو حل کرنے میں ہاتھ بٹاؤ، جامعہ اسلامیہ کا تنازعہ منصوبہ ہے، دس ہزار قلاں نے دیا، پانچ ہزار قلاں نہ توں نے دیا، یہ ہزار دس ہزار کا کیا اعدن، اس وقت تک ایک لاکھ کا اعدن ہونا چاہئے تھا، یہ جامعہ جب بن جائے گا آپ رہیں یا نہ رہیں جامعہ رہے گا آپ کے بچے وہاں پڑھیں گے وہاں اسد م کے لئے نھ م بن رہا ہے، یہ قلعہ اسد م کا قلعہ بن

رہا ہے، وہ قطعاً آپ سب کی حفاظت کرے گا۔

زمانہ کی نبض کو پہچانیے

میرے دوستو! اور بھائیو! اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کرو، خدا کے غصہ کو کھینچنے والی خواہ وہ حرام شے ہو، خواہ وہ حرام مشغل ہوں ان سب کو چھوڑو، توبہ کرو، یہ بغاوت کی زندگی ختم کرو، وفاداری اور فرماں برداری کی زندگی شروع کرو، انصاف پسندی پر عمل کرو، پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، یہ شمش کی زندگی چھوڑ دو اور ایک مسلمان کی زندگی اختیار کر لو، یہ دنیا فانی ہے، یہ دنیا محدود ہے، ہزاروں لوگ لگے ہوئے ہیں اس دنیا کو آخرت کو یا رخصت کو یا در، قبر کو ایک حقیقی منزل سمجھو، اپنے سفر کی پہلی منزل اور حقیقی منزل سمجھو اس کی تیاری کرو اور روزانہ استغفار کی کثرت کرو یہ جو عذاب آ رہے ہیں، جو مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں، ان کا مدد یہ ہے کہ وہ استغفار کی کثرت کریں، ایشیائے کام میں، اپنے پیسے کو اپنی خواہشات کے پیچھے صرف نہ کریں بلکہ خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے اور امت کے کاموں میں صرف کریں، ان کے دل کی دوائی حاصل کریں، نمازوں کی پابندی کریں، قرآن شریف کو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے یا حکم ہے، اس کو اختیار کریں، دین کا ضروری علم حاصل کریں اللہ سے دو کائیں اور جہاں تک ہو سکے پابازی تقویٰ کی زندگی اور خدا ترانی اختیار کریں، اگر مسلمان تقویٰ کی زندگی اختیار کریں گے تو آسمان سے اللہ کی رحمتوں کی بارشیں ہوں گی، وہ بارشیں نہیں جو آپ کو پریشان کر دیں، یہ وقت بے وقت کی بارشیں، یہ ہمارے اعمال کی سزائیں ہیں، اس کا ایک ایک قطرہ ہمارے اعمال کی سزا ہے، دوستو! میں یہی بات آپ سے کہتا ہوں میں نے آپ کو قصے نہیں سنائے، قصے بہت کچھ سن سکتا تھا، اشعار پڑھ سکتا تھا، آپ لوگوں کو خوش کر سکتا تھا لیکن میں نے قصداً ایسا نہیں

سیا، یاد رکھیے کہ اگر ہندوستان میں تم کو عزت کی زندگی گزارنا ہے ایمن کی زندگی گزارنا ہے اور اپنی نسلوں کو آئندہ ہندوستان میں مسلمان رکھنا ہے اور آزادی کے ساتھ خدا کا نام لینا ہے اور اسد م کا کام کرنا ہے تو یثار رنا پڑے گا، خد ف شرع کارو بار اور دین کے کام کے لئے چار پیسے!! جان لو اس طرح کسی کو عزت نہیں مل سکتی اس طرح خدا کی رحمت سے خدا نخواستہ آپ محروم ہوں گے۔ پاریسیوں کو جو عزت حاصل ہے وہ نانا اور ڈالیا سے نہیں ملتی، ان لوگوں کی ہمت و رادے کی بلندی اور مضبوطی سے ملی اور یہ روئی کی بنی ہوئی قوم جو کوئی صدمہ کوئی چوٹ برداشت نہ کر سکے، کوئی سخت سست بات سن نہ سکے، یہ قوم یا اس ملک میں عزت پا سکتی ہے؟ بالکل نہیں پاسکتی، خالی نمائشی باتوں سے عزت نہیں ملا سکتی، ایسی دینی مجلسیں منعقد کر دینے سے اور کچھ یتیم خانے قائم کر دینے سے عزت نہیں ملتی، عزیزو! امت کے تقاضوں کو سمجھو! زمانہ تم سے اس بات کو چاہتا ہے، ہندوستان کا رنگ کیا ہے اور کیا اشارہ کر رہا ہے، زمانہ کس طرف اشارہ کر رہا ہے، زمانہ کی نبض کو پیچی نو، جہاں ایثار کی ضرورت ہو وہاں ایثار کرو، جہاں وقت کی ضرورت ہے وہاں وقت کی قربانی کرو، جہاں جم جانے کی ضرورت ہے وہاں جم جاؤ، جہاں جس طرح دینے کی ضرورت ہے وہاں اسی طرح دے جاؤ، یہ نہیں کہ جتنے کی جگہ پر نرم ہو گئے اور نرم ہونے کی جگہ پر جم گئے، لو بائیں گئے، امت کی جو قیادت وجود میں آئے تم اس کی بات کو مانو، تم اس کے ساتھ تعاون کرو، پھر آئیے تمہارا مقام ہندوستان میں محفوظ ہے۔

عزت کے ساتھ جینے کا راستہ کیا ہے

اے بھٹکل کے باشندو! اے نواظ قوم کے چشم و چراغ تمہارے بزرگ یہاں کے لوگوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر آئے وہ تو بتیس دانتوں میں ایک زبان کی حیثیت رکھتے تھے، کوئی ان کا ساز و سامان نہیں تھا، کوئی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اور ان کا کوئی

دوست نہیں تھ لیکن ان کی باتوں کا وزن تھا، اور تم ہو اور اتنی بڑی تمہاری تعداد ہے لیکن تمہارا کوئی وزن نہیں ہے، تم یہاں قریب قریب پچاس فیصد ہو، یہاں تمہاری ملتی تعلیم کا ہیں ہوئی چاہئے تھیں تمہارا یہاں تہذیب کا قلعہ ہونا چاہئے تھا، روشنی کا ایک مینار ہونا چاہئے تھا، وہ اس سے بھی بہت زیادہ دور سے نظر آتا جو کہا جاتا کہ یہاں روشنی کا مینار ہے، اللہ نے تم کو بہت چھایا ہے، میں نے تم کو کافی سٹ میں دیکھا ہے، میں تم سے ناواقف نہیں ہوں، میں نے تم کو دیر اس میں دیکھا ہے اور میں نے تمہارے متعلق سو سو میں بھی سنا ہے اور یہی ایک کاروباری قوم اور ملت کے مسائل کو حل کر کے نہ رہے، کوئی عقل اس بات کو مان نہیں سکتی جو اتنا بڑا اس کا کوئی ہی ادارہ اور ملی مسئلہ دھورا پڑا ہوا ہے، کیا بات ہے، یہ راز ہے اس کا، ایک دن میں یہ مسئلہ حل ہو جانا چاہیے، تمہارا نام یہاں ایک ضرب المثل ہونا چاہئے تمہاری قومی زبان نواسطی زبان میں سڑیکچر ہونا چاہیے، واقعی چمعد اسلامہ ایک ایسا مرکزی ادارہ ہوتا جو اس میں ایک بڑا ادارہ مانا جاتا، تمہارے یہاں سے تم سارے دن کو برابر غلہ پہنچتے، مسلمانوں کے داروں کو اور جند کے مسلمانوں کے داروں کو تم سے غذا ملتی وہ تو میں کہتا نہیں، کم زرم اپنے ہی مقامی مسائل کو حل کر دو، مقامی ضروریات کو پورا کرو، یہاں مت کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرو، میں سمجھتا ہوں آپ میری بات کو سمجھ گئے ہوں گے، ہمارا دماغ، ہمارا علم ہم کو نڈھ رہنمائی دے سکتا ہے، ہم دھوکا دے سکتے ہیں لیکن خدا کے پیغمبر ہم کو دھوکا نہیں دے سکتے، وہ تو ہم کو جینے اور عزت پانے کا راستہ بتاتے ہیں اگر اس راستہ میں چلو تو عزت پاؤ گے، پہنچو گے، پھو دو گے، تمہارا نام روشن رہے گا، تمہارے خلاف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی دیکھ نہ سکے گا جو آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو وہ آنکھ نکال دی جائے گی جو انکی تمہاری طرف ٹھٹھے کی قلم کردی جائے گی، اور تم خدا کی مسلسل حفاظت میں رہو گے، ہاں اگر من مانی زندگی گزارو گے نفس کے غلام ہو گے، محض اپنی اور دیکھو گے اور کسی کو نہیں دیکھو گے، محض

اپنی دکانوں اور فرموں کو بیٹھو گے، جب ایسی حالت ہوگی، یہ دیکھو خدا کے یہاں تمہاری دو کوڑی کی بھی قیمت نہیں ہوگی، ایک ہر تمہاری چیزوں کو بہا کر لے جائے گی، پتہ نہیں چلے گا کہ وہ سب کہاں چلا گیا، پیسہ تم کو بچا نہیں سکتا، دولت تم کو بچا نہیں سکتی، تم کو اُس کوئی چیز بچا سکتی ہے تو اللہ سے وفاداری ہے اور ایشا روبربانی ہے، میں تو کہہ رہا تھا چل جاؤں گا مگر تم میں سے ہر شخص کے دل میں یہ بات امانت ہے وہ تمہارے دل کے اندر رہے گی، تمہارے حافظے کے اندر رہے گی، خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے گا جب کہ تمہارے دل و دماغ پکار کر کہیں گے کہ سنبھلو! کسی نے کہا تھا کہ نہیں۔

میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ آپ کی عزت رکھے، آپ کو ترقی دے، ہر خطرے سے ہر بری نظر سے محفوظ رکھے، میں صرف یہی کہوں گا کہ بچو! راستہ صرف پیغمبروں کا بتایا ہوا راستہ ہے ایثار کرو، مال خیرات کرو، ایثار کے ذریعہ اوقات کے ذریعہ اللہ کو خوش کرو، اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

پیامِ راہ

”امری، نفعہ بشکل آمد کے موقع پر سناؤ طلباء اور منتظمین جامعہ اسلامیہ بھٹل
سے حضرت مولانا قدس سرہ کا خصوصی خطاب جو برہم رستے اور دینی ادارے سے تعلق
رہنے والے افراد کے لیے پیامِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے

علم کا بھی ایک قانون ہے

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

صحیح راہ کی ضرورت

میرے عزیزو! اور بھائیو! آپ کو شاید معلوم ہو یا نہ معلوم ہو جو لوگ تفسیر پڑھتے ہیں
اور ان کی تفسیر کی کتاب شروع ہو چکی ہے یا تم سے کم سورہ بقرہ اور اس کا ترجمہ و تفسیر انہوں
نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ جاہلیت میں جو لوگ حج کو نکلتے تھے ان کا ایک عرف اور
نہ جہ یہ بن گیا تھا جو نو دساختہ شریعت میں نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنی طرف سے
اپنے اوپر ایک پابندی نافذ کر لی تھی کہ جب تک کہ حج سے فارغ نہ ہوں حج کے ارکان
میں مشغول ہوں اور اس دوران اگر ضرورت ہو گھر آنے کی کوئی بات کہنے کی تو گھر کے
دروازے سے نہ آئیں کہ بھی تو لہ کے گھر سے ہو نہیں آئے تو اپنے گھر میں قعد
سے نیسے داخل ہوں تو چھتوں پر سے یا دیواروں کی طرف سے من طہور دھا پشت سے
وہ گھر میں آیا کرتے تھے اور اس کو وہ بڑی نیکی کا کام سمجھتے تھے کہ اس میں بیت اللہ کا ادب
واحترام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”لیس المرء ان تأتوا السیوت من
طہور دھا“ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم گھروں میں پشت کی طرف سے آؤ، ولکن
المرء من التقی و اتوا السیوت من ابوابہا، گھروں میں گھروں کے دروازوں سے آؤ،
یہی قاعدہ ہے اور یہی عقل سلیم اور ذوق سلیم کی بات ہے اور قانونِ قدرت ہے کہ جس چیز

کا جو مدخل ہے اس سے آدمی آئے قرآن مجید تو پوری زندگی کی کتاب اور پوری زندگی کے لئے کتاب ہدایت ہے ہر طبقہ کے لئے ہر مشغلہ ہر میدان اور ہر مرحلہ کے لئے وہ ایک دستور العمل اور ایک ہدایت نامہ کا کام دیتا ہے قرآن کے یہ دو لفظ بڑے اہم ہیں "وَاتَّقُوا السُّوءَ مِنَ ابْنِ ابْنِهَا" یہ پوری زندگی پر حاوی ہے اس میں پوری زندگی کی حکمت بتا دی گئی یہ صرف گھر کا معاملہ نہیں ہر چیز کا معاملہ یہی ہے کہ جو اس کا دروازہ ہے اس دروازہ سے آنا چاہئے اگر کوئی شخص پیشہ سیکھنا چاہے کوئی صنعت سیکھنا چاہے لیکن صنعت کے استاذوں سے نہ سیکھے اور صنعت کے آداب کا خیال نہ کرے اور صنعت کے اوزار مہیا نہ کرے اور ترتیب کے ساتھ (STEP BY STEP) درجہ بدرجہ مرحلہ وار اس کو نہ سیکھے اور یہاں تک کہ ان کی وردی استعمال نہ کرے، وہ باروں کی ایک وردی ہے اور سقاؤں کی ایک وردی ہے سپاہیوں کی ایک وردی ہے اور ڈاکٹروں کی ایک وردی ہے تو وہ وردی تک بعض اوقات ضروری ہوتی ہے ورنہ وہ اپنے پیشہ میں کامیاب نہیں ہوگا اس کو پیشہ نہیں آئے گا فن نہیں آئے گا تو جب یہ معمول چیزوں کا حال ہے اگر کوئی کہتا ہے کہ فضوں باتیں ہیں ہمیں وہ باری کا فن سیکھنا ہے یا ہمیں فوج میں بھرتی ہونا ہے لیکن وردی کا جھگڑا ہم مول نہیں لیتے یہ پہنو وہ نہ پہنو اور حسب یفٹ رائٹ LEFT RIGHT فضول بات ہے ہم اپنی ذہانت سے کام میں کے نام دوسرا طرز ایجوکیشن کے وہ دیوں ہی رہ جائے گا اچھا سپاہی بن نہیں سکتا یہ ہی وہاں نہیں بن سکتا بنجار (کارپینٹر) نہیں بن سکتا اس کے لئے بھی "وَاتَّقُوا السُّوءَ مِنَ ابْنِ ابْنِهَا" نہ مروت ہے جو اس کا دروازہ ہے ادھر ہی سے آؤ۔ یہ "وَاتَّقُوا السُّوءَ مِنَ ابْنِ ابْنِهَا" کی زندگی دین و دنیا سب پر حاوی ہے کہ اللہ نے ارفطت انسانی نے فطرت سیم نے سالوں سال کے تجربہ سے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جو اس کے مدخل اور مخارج ہیں اگر کوئی شخص اس کا پابند نہ ہو ان کا کوئی احترام نہ کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک شخص ہے کہ حروف تہجی کا جھگڑا عجیب ہے، اب، ات، اکا، کون، جھگڑا مول کے کہ پہلے الف بات پڑھے، نام براہ راست پڑھنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ کتنی ہی ذہین ہو بھی اس پر پڑھنا نہیں آئے کہ جواب، ات، اتیں، پینا، یا (B.C.D) یہ شخص نہیں سمجھتا کہ یہ کیا ہے اور اس کا

آپ کسی وقت بھی تجربہ کر کے دیکھئے کہ آپ کے زمانے کا کوئی بقراط مقرر ہو جو پڑھا ہوا نہ ہو خواندہ نہ ہو، آپ اس کو ایک کتاب دیجئے اردو کی دیجئے یا انگریزی کی دیجئے یا عربی کی دیجئے یا یہیں کی سنسکرت زبان کی دے دیجئے اور کہئے کہ رات بھر نہیں آپ کو ایک مہینہ کی مہبت دی جاتی ہے آپ کے پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں جائے گا، یہ کتاب ہے اور آپ ہیں، ہم آپ کو مرے میں بندہ دیتے ہیں تالہ لگا دیتے ہیں کھانے پینے کا سب سامان کھڑکی سے ہم پہنچاتے ہیں اور وہاں پہلے سے موجود اور زندگی کی سب ضروریات ہیں ایک مہینہ نہیں چھ مہینے آپ اس میں رہے اور یہ صفحہ حل کر دیجئے اس صفحہ کو آپ پڑھ دیجئے اور اس نے حروف تہجی نہیں پڑھے تو آپ یقین مانئے کہ جب وہ نکلے گا تو ویسے ہی جاہل ہوگا جیسے وہ داخل ہوا تھا اس لئے کہ واقوالیوت من اوانہا، پر اس نے عمل نہیں کیا، حروف تہجی بڑے حقیر ہیں یہ حقیقت ہے، اب، ت، پچوں کو پڑھایا جاتا ہے لیکن بڑے بڑے علمہ، م، ن، ز، الی، ا، م، ر، ز، کی بھی محتاج تھے کہ پہلے حروف تہجی پڑھیں پھر احیاء معلوم اندین اور غیبی رازی تک پہنچیں وہ احیاء معلوم اور تفسیر رازی تک پہنچ نہیں سکتے اور انہوں نے حروف تہجی نہ پڑھے ہوتے، ایسے ہی ہر فن کا ہر علم کا ہر شعبہ کا ایک قانون ہے اس قانون پر چن ہوگا، یہ ہمارا ممول تو مجرد علم ہے مجرد علم کا حال بھی یہی ہے کہ بہت سی چیزیں تو اس میں مشترک ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری دنیا الگ ہے ان کی دنیا الگ نہیں آپ دیکھیں کہ تو زیادہ حصہ دنیا کی اور دینی تعلیم میں مشترک ہے مثلاً درجہ بدرجہ پڑھنا استاد سے پڑھنا محنت کرنا استاد کا احترام کرنا۔

یورپ میں استاد و شاگرد

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یورپ وغیرہ میں استادوں کا کوئی احترام کرنا نہیں جانتا یہ آپ یہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں پر قیاس نہ کیجئے گا یہ نہ مشرق کے ہیں اور نہ مغرب کے اور نہ دنیا کے اور نہ دین کے یہ تو چھ نہیں یہ تو خود وہیں جنگلی درخت ہیں میں یورپ گیا ہوں میں نے وہاں کی یونیورسٹیاں دیکھیں مجھے تو حیرت ہو گئی کہ میں کیمبرج کے کسٹورڈین کی ضرورت کے لئے جاتا ہوں آپ کو کہ وہاں معلوم ہوا کہ وہاں اب تک ٹیچر نہیں ہے ایک استاد و شاگرد بننا جب آپ کی آفس میں چلے جائیں

اور آپ داخلہ کرائیں لی اے اور ایم اے میں تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کس استاذ کا انتخاب کرتے ہیں آپ کا مشیر کون ہوگا تو بتانا پڑتا ہے کہ فذل استاذ فذل پروفیسر کی نگرانی میں اور اس کے مشورہ سے علم حاصل کرنا ہے، پھر اس پروفیسر سے باطل ایسا تحقق ہو جاتا ہے جیسے مرید و پیہ کا تحقق ہے یعنی طالب علم اس کے مشورے سے کتب میں پڑھتا ہے کتب میں پڑھ رنؤس (NOTES) اس کو دکھاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ صاحب علم کتب کی صحیح اہمیت سمجھتا ہے اور اس کا جو اصل مغز سب باب ہے اس کو رہا ہے پھر اس کے بعد مضمون اس کو تیار رن پڑتا ہے وہ بالکل اس سے ایسا وابستہ ہو جاتا ہے جیسے پہلے ہمارے مدارس میں تھا کہ ہر استاد کے ساتھ چند طلبہ ہوتے تھے کہ جو بالکل مربوط ہو جاتے تھے اس تہذہ سے۔

اور شعراء تک کا یہ حال تھا کہ ان کے راویہ ہوتے تھے چنانچہ تاریخ ادب میں آتا ہے کہ فذل فذل کا راویہ تھا یعنی اس کے اشعار کو اخذ کرنے والا یا درینے والا سنانے والا اس کے ساتھ ساتھ شامل کر لیتے تھے کہ یہ میرا راویہ ہے، میں نہیں قصیدہ سناؤں گا اس سے سن لو، ویسے ہی ہمارے زمانہ تک طالب علم تقسیم ہو جاتے تھے استادوں میں، چار طالب علم ایک استاد کے ساتھ لگ گئے ہیں خادم بھی ہیں وہ اس کی خدمت بھی کر رہے ہیں چائے بنانی ہو تو چائے بنائیں گے اس کے آرام کا خیال کریں گے بازار سے اس کی چیزیں لائیں گے اور ہمارے یہاں تو یہ بھی تھا کہ اس کا حساب کتاب بھی دے دیں گے وہ جو اس کے بعد جو کچھ لکھوائے گا اس کو لکھیں گے وہ جو مواد نکلوائے گا اس کو نکالیں، ہم سب لوگوں نے ایسا ہی پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ سسٹم آج تک وہاں کی اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بغیر وہ طالب علموں کو گویا قبول نہیں کرتے پہلے بتانا پڑتا ہے کہ تمہارا ٹیوٹر کون ہے یعنی تمہارا خاص استاد کون ہے جس کے ساتھ تم وابستہ ہو گے اور اس کے مشوروں پر چلو گے یہی ہمارے علم کا حال ہے۔

علم دین کا امتیاز

کچھ چیزیں تو مشترک ہیں لیکن پھر اس کے بعد ایک سرحد ایسی آتی ہے ایک ایسی

کیر آتی ہے جہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے وہ یہ مثلاً اللہ کی رضا کی حسب
ہوا خاص ہو وہ ہو خدا ہے کہ اب اللہ ہم سے تو جو محنت ہو سکتی ہے ہم کریں گے صل
تو دینے والا ہے علم کا۔

حضرت امام شافعی کا شعر یاد کیجئے:

شکوت الی و کعب سوء حفظی فإوصالی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الہی ونور اللہ لا یعطی لعاصی

میں نے اپنے استاد و شیخ سے شکایت کی میرا حفظ کمزور ہے انہوں نے کہا کہ
گناہوں سے اجتناب رہو بہت زیادہ گناہوں سے دور رہو اس لئے کہ علم جو اللہ کا نور ہے،
اللہ کا نور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ یہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے، وہ سینما جا میں
ور کی اخلاقی کمزوری یا کسی بد روی کے شکار ہو جائیں تو بھی فرق نہیں پڑتا بلکہ میرا
تو خیال ہے کہ فرق پڑتا ہے، لیکن خیر مان یہ نہیں فرق پڑتا ویسے ہی وہ فرسٹ کلاس
سے پاس ہو جائیں گے فرسٹ کلاس میں سے نوٹری مل جائے گی لیکن فرق اس میں بھی
پڑتا ہے مگر مان تھے کہ میں فرق پڑتا لیکن ہمارے یہاں تو کھلا ہوا فرق ہے کہ وہ شخص
جو اتنا دانا ہے رات رات میں لیتا ہے اور اس کے ساتھ بالکل عیب نہ ہوتا ہے
اس کا گویا ملازم ہو، آپ تاریخ میں پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت ایک ایسا
کرمی ایک استاد کے ساتھ مخصوص ہو گیا وہ بس بالکل اس کا شی بن گیا اور بالکل اس کے علم
و ایسا جذبہ کہ یہاں جیسے اس نے سمجھا ہوتا ہے وہ پی لیتا ہے اس طرح پی لیا کہ علم کو پھر نچوڑا
پہنچا رہا ہے۔

علم کے آداب

تو عزیزو! یہ ہمارا علم جو ہے جس علم کے حسب علم ہیں اس کے لئے یہ جامعہ قمر
یا یہ ہے یہ علم جس آداب رکھتا ہے، یہ پہلونی کا علم نہیں ہے کہ آدن ہے کہ کون
ہوتا ہے استاد، کیا کتابوں کا آداب، یہ پرانی دقیقہ نوسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے ہمیں ذہن
دیا ہے حافظہ دیا ہے، محنت تحت ہماری تھپی ہے، ہم سب ترکے و لحدوں کے نہیں
یہ نہیں ہمارے وہ مسرت کے ساتھ ایسا کامیاب ہوئے ہیں کہ ان میں ان

کاؤنکنج گیا مجھے یاد ہے کہ لاہور میں ایک صاحب تھے انہوں نے غلط لائن اختیار کی تھی اور کالج میں پڑھاتے تھے ان کی ذہانت اور معقولات میں ان کی دسترس مسلم تھی یہاں تک کہ ڈاکٹر اقبال بھی ان کو مانتے تھے لیکن جو فیض ان سے پہنچنا چاہئے تھا جو علوم و سنت کا اجراء ان سے ہونا چاہئے تھا وہ لوگوں میں پیدا نہیں ہوئی کہنے لگے کہ مولوی حسین احمد مدنی تو ہمارے ساتھ تھے تو ان کا شمار بنی طالب علموں میں تھا وہ کچھ وہاں نمایاں نہ تھے یہ بڑے نمایاں تھے ان سے کیا فیض پہنچا ذہانت کے باوجود ایسے ہی ایک صاحب کہنے لگے اے مولوی الیاس تو جب دیکھو تغلیں پڑھتے تھے، پڑھنے کے زمانے میں نصیب پڑھتے تھے مولوی الیاس صاحب نے کیا کر دکھایا، دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، یہاں تک کہ امریکہ اور افریقہ میں بھی ان کی دعوت مقبول ہوئی تو بھائی بڑے تجربے کی بات بتاتا ہوں تھوڑی صلاحیت سے وہ طریقہ اختیار کر کے ”واتوا السیوت من ابوابھا“ پر عمل کر کے آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے جہاں وہ لوگ جن کو اپنی ذہانت پر ناز ہے اور اپنے قوت مطالعہ پر اور محنت پر وہ نہیں پہنچ سکتے ان کے پڑھنے پڑھانے میں برکت نہیں ہوگی کہ لوگوں کو نفع پہنچے علم کے ساتھ سنتوں کا اجرا ہو، بدعات کا محو ہو، معصیتوں سے نفرت پیدا ہو، طاعت میں رغبت پیدا ہو، نور آئے، یہ بات پیدا نہیں ہو، یہ بات جب پیدا ہوگی کہ آدمی اس طریقہ پر عمل کرے جو استاد بتائے ایک صاحب تھے بہت بڑے مددگار، شام کے عہدہ بریٹار، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ اپنے استاد کے پاس نہیں جا سکے بڑی سخت سردی تھی سردی شام میں ہوتی ہے برف پڑتی ہے کہنے لگے ہم مجبور ہو گئے، دوسرے وقت گئے تو کہنے لگے کیوں نہیں آئے، ہم نے کہا سردی بہت تھی اوپر سے ایک گھڑا پانی اور ڈال دیا، کہنے لگے کہ یہ سردی ہے کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے برداشت کیا اور کوئی شکایت نہیں کی اور پھر جانے لگے اب وہ علامہ بریٹار بن گئے، انہوں نے خود سنایا ایسے ہی ایک صاحب نے ان کے ہم عصروں میں سے سنایا، تو یہ اس زمانہ کا طریقہ تھا کہ استاد خدمت بھی لیتے تھے اور پڑھاتے بھی تھے اور پھر استاد استاد ہی نہیں ہوتا تھا ایک طرح کا پیر ہوتا تھا اس کے پاس رہتے کہ نماز کیسے پڑھتا ہے کیا خشوع و خضوع ہے سنتوں

کا کہاں تک اہتمام کرتا ہے، مسجد آتا ہے تو پہلا قدم کوفسا رکھتا ہے، نکلتا ہے تو کون سا قدم نکالتا ہے یہ باتیں بھی سیکھتے تھے استاذوں سے، اور اب یہ باتیں کم ہو گئیں۔

قحط الرجال کا دور

آج دیکھئے کوئی غیہ معمولی شخص کوئی سطح سے بند کوئی علم کوئی کوہ قامت کوہ پیر ایسی کوئی ہستی نہیں پیدا ہو رہی ہے، اس وقت کوئی امام مزنوی، امام نووی، شیخ الاسلام ابن عبدالسلام، حافظ ابن حجر عسقلانی، نہیں بن سکتا، تو کوئی حافظ ابن حجر عسقلانی بن جائے ان جیسا ان سے دوسرے تیسرے نمبر کا ادیب بنے لیکن نہیں بن رہے ہیں لوگ یہاں سے مصر تک اور اب تو مصر بھی خالی ہے، اس زمانہ میں ازہر بڑے لوگ پیدا کرتا تھا بڑے فضل لوگ راسخ اعلم لوگ پیدا کرتا تھا وہاں بھی خزاں کا دور آ گیا اور سیاسی اغراض اور سیاسی مقاصد نے اس کو بالکل بے اثر کر کے رکھ دیا ہے اور وہاں بھی لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں اور ہر ملک میں یہ احساس کیا جا رہا ہے کہ اب اس پایہ کے عالم پیدا نہیں ہو رہے ہیں اور ہر ملک میں یہ احساس کیا جا رہا ہے کہ اب اس پایہ کے عالم پیدا نہیں ہو رہے ہیں تو اس کے سئے ضروری ہے درس کی پابندی، استاد کا احترام، مطالعہ کرنا، مطالعہ دیکھے بغیر نہ پڑھنا اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے تھے کہ طالب علموں کا شعار یہ ہو گیا ہے نہ دیکھ کر پڑھنا نہ پڑھ کر دیکھنا، دیکھ کر پڑھنا یہ مطالعہ کر کے پڑھیں گے اور پڑھ کر کے اس کو رواں کریں دیکھیں بار بار پڑھیں بار بار پڑھیں دونوں چیزیں ختم ہو گئیں، بس چند باتیں ہیں لمباقصہ نہیں ہے، ایران پر عمل کیا جائے تو آج بھی اللہ کا قانون یہی ہے جو سیکڑوں ہزاروں برس پہلے تھا، الحمد للہ اب بھی ذہین لوگ پیدا ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کھانے کو تو دے رہا ہے پہلے لوگ کیا کھاتے اور اس سے کیا ذہانت ان کی ترقی کرتی تھی، بیچاروں کو ہفتوں مہینوں نہ کھی ملے نہ چکنائی ملے نہ فروٹ ملے نہ گوشت ملے، یہ سوکھی روٹی کھا کے انہوں نے اتنے بڑے کام کئے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، بعض بعض ایسے گندہ رہے ہیں کہ کھڑے ہو گئے نان بانی کی دکان پر اور روٹی توے پر ڈالنے کی جو خوشبو ہوتی ہے اس سے طاقت حاصل کی اور آ کر پھر پڑھنے لگے، بس وہی بات ہے کہ ”واتوا الیوت من ابوابہا“ کہ بیت علم میں باب علم سے داخل ہو، باب علم یہ ہے

وہی قواعد و ضوابط پر چلنا احترام کرنا نظام کے ساتھ رہنا مطالعہ دیکھنا محنت کرنا اور بھائی اگر تم نے یہ کر لیا تو چمکو گے انشاء اللہ نام روشن کرو گے اپنے ملک کا بھی اور اپنی ملت کا بھی اور نہیں تو بس شدید ہو جائے گی مشکل سے کوئی مسئلہ بتا سکو گے کوئی کتاب پڑھا سکو گے یا علمی کام کر سکو گے، میں سمجھتا ہوں کہ بس یہ کافی ہے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ضرور واقعات سے پچائے اخلاص عطا فرمائے، اپنے کلام کا، حاملین کلام کا، اپنے سب کا احترام و ادب نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

نعمت اسلام کی قدر اور اس پر شکر

۱۰/۱۱ مارچ ۱۹۸۴ء بعد عصر بنگلہ دیش کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ پٹیہ (چائنگام) میں ایک عظیم الشان مجمع سے خطاب جو جامعہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جمع ہوا تھا، اس خطاب سے سفر بنگلہ دیش کا آغاز ہوا۔

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی

بعده۔ اما بعد!

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ

إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ O (سورہ ابراہیم۔ ۷)

میرے بھائیو، اور بنگلہ دیش کے عزیزو اور دوستو! میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کوتاہی اور اس تقصیر کی معافی چاہتا ہوں کہ ہمارے پورے برصغیر کے (جو تین حصوں پر منقسم ہو گیا ہے، ایک ہندوستان ایک پاکستان ایک بنگلہ دیش) مسلمانوں کا سب سے بڑا خاندان اس سرزمین پر آباد تھا، اور میں آپ کے پاس بہت تاخیر سے حاضر ہوا، اس کو میں اپنی ایک بڑی کوتاہی سمجھتا ہوں اور اللہ کے اس مبارک گھر اور اس سہمی

مرکز کی مسجد میں بیٹھ کر اللہ سے استغفار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے اس کنہ کو معاف فرمائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنی نسبت کرنے والی امت کا تابڑاں اندازِ جو دنیا میں دوسرے نمبر کی مسلمان آبادی سمجھی جاتی ہے (انڈونیشیا کا پہلا درجہ ہے، اور دوسرا درجہ بنگلہ دیش کا ہے) رسول اللہ ﷺ کے اتنے نام لینے والے، اللہ اور رسول کے اتنے ماننے والے، اللہ کے سامنے سجدہ کرنے والے، اور اسلام کا کلمہ پڑھنے والے موجود ہوں، اور عرصہ سے موجود ہوں، وہاں میں اتنی تاخیر سے آؤں۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی اللہ فرماتا ہے:

وَإِذَا قَالُوا رَبُّكُمْ لَنْ نُّشْكُرَكُمْ لَازِيْدِنَكُمْ وَلَنْ نَكْفُرْكُمْ

ان عذابى لشدید O

اور جب تمہارے رب نے تم کو آگاہ کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو کہ میرا عذاب بھی سخت ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جب دوسری قوموں کی کوئی بات دیکھتا ہے جس میں بڑی رونق ہوتی ہے، دھوم دھام ہوتی ہے، جی لگنے کا اور دلچسپی کا سامان ہوتا ہے، تو شیطان ایسے موقع پر حملہ کرتا ہے، اور مسلمانوں کے اندر دلچسپی پیدا کر دیتا ہے کہ ہمارے پاس بھی ایسی کوئی چیز ہوتی، دنیا کی کتنی قومیں ہیں جو عقیدہ توحید اور اسلام کی نعمت سے محروم ہیں، وہ میسے ٹھپے لگاتی ہیں، کوئی درخت کو پوجتا ہے کوئی بتوں کے اور چڑھاوا چڑھاتا ہے، کھانے پکیتے ہیں، جشن ہوتے ہیں، اور دلچسپی اور دل لگی کا سامان ہوتا ہے، بعض قومیں اس موقع پر بھس گئیں اور شیطان کے حملہ کا شکار ہو گئیں، اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا (بعض نے اپنی زبان حال سے اور بعض نے اپنی زبانِ قال سے) کہ کاش ہمارے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہوتی۔!

دنیا کی بیسیوں قوموں کے خدا کے سوا بت بنائے، کسی نے قومیت کو بت بنالیا، کسی نے صلیب کو بت بنالیا ہے، کسی نے زبان کو بت بنالیا ہے، کسی نے اپنے آباؤ اجداد کی کہانیوں کو اور تاریخ کو بت بنالیا ہے، اور کسی نے رنگ و نسل کو بت بنالیا ہے، لیکن اللہ نے مسلمانوں کو ان

تمام بتوں سے محفوظ رکھا، ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ہمیشہ اسلام پر فخر کریں اور اسلام کے سوا کسی چیز کو مانج اور رشتہ کی نظر سے نہ دیکھیں کہ کاش ہم کو بھی یہ چیز ملتی۔

یہ ایسی غزش کی فضا ہے کہ بعض قوموں کے منہ میں پانی بھر آیا ہے، جیسے کسی کو اچھی لذیذ چیز کھاتے دیکھ کر کبھی منہ میں پانی بھر آتا ہے، اسی طرح بعض قوموں کی گمراہیوں کو دیکھ کر اچھے اچھوں کے قدم اکھڑ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک جیل القدر پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی صحبت و تربیت نصیب فرمائی تھی، ان کے قدم بھی ٹڑکھڑا گئے اور بت پرستی کے مظاہرہ دیکھ کر وہ سنبھل نہیں سکے اور انہوں نے تمنا کی کہ ہمیں بھی یہ چیز ملتی، سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَوزْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْوَادِيَّ عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ
عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَنْمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا آلِهًا كَمَا لَهُم
الْهُة. قَالَ انْكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ ان هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا
فِيهِ وَبَطَلْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(سورة الاعراف ۱۳۸، ۱۳۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو وادی سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لئے بیٹھے رہتے تھے (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑبڑاؤ جابلوگ ہو یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس قوم کی غزش کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کے متعلق خود فرماتا ہے:

يٰۤاِسْرٰٓئِیْلُ اِذْکُروْا نِعْمَتِی الّٰتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ
وَ اُنّٰی فُضِّلْتُکُمْ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورة البقرة ۷۷)

اے یعقوب کی اور! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں

نے تم کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔

مفسرین و محققین کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کو دنیا پر جو فضیلت حاصل تھی، وہ توحیدی بنی پر تھی، توحید ہمیشہ اسرائیل (یعقوب) کی نسل میں رہی وہ اپنے زمانہ کی قوموں کے مقابلہ میں زیادہ خدا پرست اور موحّد تھے، اس قوم کا یہ حال ہوا جو مصر میں کئی برس تک موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں رہی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ“ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پر راریا ”فَاتُوا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْحَابِ لَهُمْ“ (وہ ایسے لوگوں کے پاس سے ہو کر گزرے کہ جو اپنے بتوں کے سامنے جھکے ہوئے تھے) اور وہاں غائبانہ کانیں مٹی ہوں گی، کھانے پک رہے ہوں گے، گانے بجانے بھی ہو رہے ہوں گے، اور ایسے موقعوں پر یہ ہونا ضروری ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اتنے دن تک جو سبق پڑھایا تھا وہ یکسر بھول گئے، وہ بونے لگے ”يَمْوَسِي اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ الْهَةُ“ اے موسیٰ (یہ کتنی رونق کی چیز ہے) ہمارے لئے بھی کوئی ایسا خدا تجویز کر دیجئے جو آنکھوں سے نظر آتا ہو، ہم اسے چھو سکیں اور اس کے قسموں میں گر سکیں اور اپنے سامنے دیکھ سکیں، ”إِلَهًا كَمَا لَهُمُ الْهَةُ“ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کیجئے جیسے مشرکین کے کئی معبود ہیں ”قَالَ انْكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ“ موسیٰ علیہ السلام کو جلال آ گیا اور کہنے لگے کہ تم پر لے درجہ کے نالائق اور پر لے درجہ کے ناشکرے اور پر لے درجہ کے جاہل ہو، اتنے دنوں تک تم کو سکھایا اور تمہیں اس گندی زندگی سے نکالا تمہارے لئے اللہ کے یہاں سے من و سوی اترا، اور تم کہتے ہو کہ ہمارے لئے ایسا جشن اور میلہ ایسے ”ان هؤلاء متّرمّ ماهم فيه“ یہ سب برباد ہونے والے ہیں ”وَبُظْلُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ اور بت کچھ کا نہیں آئے گا سب میا میٹ ہو جائے گا یہ بڑی عبرت کی بات ہے، ہمارے اور آپ کے ڈرنے کی بات ہے، اللہ کے پیغمبر سیدنا موسیٰ کی تربیت میں جو قوم برسوں رہی وہ بھی پھسل گئی اور اس نے کہا کہ ہمارے لئے بھی آپ کوئی ایسا مجسمہ خدا کھڑا کیجئے جسے ہم دیکھ کر پرستش کریں۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ (اتنا بڑا تو نہیں) خود مسلمانوں کو پیش آیا کہ ایک درخت ذات

انواط تھا اس درخت پر لوگ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، اور ایک دن اس کے نیچے قیام کرتے تھے، صحیح کی روایت ہے کہ حضور ﷺ غزوہ حنین پر جا رہے تھے تو جو نئے مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے بھی ایسا درخت تجویز کر دیجئے جہاں ہم آئیں بیٹھیں، میلہ کریں، بازار لگائیں، کھائیں پیئیں، جانور ذبح کریں، آپ نے فرمایا کہ جو بات بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی وہی تم مجھ سے بہہ رہے ہو؟ ”اجعل لنا الہا کما لہم الہة“ اے مسلمانو! تم بھی اس قوم کے بالکل قدم بقدم چلو گے۔ (۱)

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک لڑائی کے موقع پر ایک انصاری میں اور ایک مہاجر میں کچھ تکرار ہو گئی تو اس وقت انصاری نے چلا کر کہا ”یا للانصار“ انصار کی دہائی ہے، اور مہاجر نے کہا ”یا للمہاجرین“ مہاجرین کی دہائی ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا ”دعوہا فابھا منتنة“ چھوڑو اس کو یہ ناپاک چیز ہے۔

تو میرے بھائیو! اور دوستو! شیطان ہماری تاک میں ہے، وہ اپنے کام سے کبھی غافل نہیں ہوتا، وہ نئے نئے طریقہ پر پھسلایا کرتا ہے، کبھی کسی رنگ سے، کبھی کسی رنگ سے، وہ یہ جانتا ہے کہ یہ آدمی کس بات سے متاثر ہوگا، اس کو اس کام سے ہٹانے کے لئے کون سی بات زیادہ موثر ہوگی، وہ عالموں کے خاندان میں جائے گا تو وہ چوری کے لئے نہیں کہے گا کہ وہ جانتا ہے کہ کہیں عالموں کی اولاد اور بزرگوں کی اولاد چوری کرتی ہے؟ ان کو تکبر سکھائے گا، آباء و اجداد پر فخر کرنا بتائے گا، ایسے ہی اگر وہ تاجروں کے پاس جائے گا تو ان کو وہ ناپ تول میں کمی کرنے یا ناجائز طریقہ پر تجارت کرنے، نفع حاصل کرنے پر مائل کرے گا، ایسے ہی جن قوموں کو اللہ تعالیٰ نے دین کا بڑا ذخیرہ دیا ہے، عجم کا، ذہانت کا، نسل کا، اسلامی اخوت کا، نئے نئے کام کا کہ اسلام کی نسبت تو سب کو ملتی ہے، زبان کی نسبت، قومیت کی نسبت، ہر خصوصییت ہے، اس پر فخر کرنا چاہئے اور اس کو مضبوط بنانا چاہئے، یہی شیطان کا وہ حربہ ہے جو وہ ایسے موقع پر استعمال کرتا ہے، آپ اس تو حید کی رسی کو مضبوط پکڑیے ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ رسی کو مضبوط پکڑو متفرق نہ ہو جاؤ۔

تفرق کی بات تو یہی ہے کہ شیطان کسی کے سامنے قومیت، کسی کے سامنے مادیات، کسی کے سامنے دوست، کسی کے سامنے علم اور مختلف قسم کی چیزیں لائے رکھ کر دیتا ہے، اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دیتا ہے کہ بعض وقت آدمی اس کے لئے دوسروں کی جانیں لیتا ہے، وگ ایک دوسرے کے سر کاٹنے مگتے ہیں، ایک دوسرے کے گھر اجڑنے لگتے ہیں، کمزور کمزور بچوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، شریف بیبیوں اور بیواؤں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، یہ سب شیطان کے چہرے ہیں، ہمیں آپ کو اسلام پر فخر کرنا چاہئے اور اسد کو سب سے بڑی دولت سمجھنا چاہئے، اسلام کی نسبت کو، اسلام کی چیزوں کو سب سے بڑھ کر سمجھنا چاہئے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک سیاہ فام آدمی کی جس میں کوئی وجہ بہت نہیں بڑے بڑے خاندانی لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ عزت ہوتی ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اللہ تعالیٰ نے فضیلت کی چیز تقویٰ بنایا ہے، فضیلت کی چیز عبادت بنائی ہے، فضیلت کی چیز سم بنایا ہے "لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ" عرب کو عجم پر کسی عجمی کو عرب پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں دی گئی، اگر فضیلت دی تو تقویٰ کی بنیاد پر، کون اللہ کا علم زیادہ رکھتا ہے، دین کا علم زیادہ رکھتا ہے، کون زیادہ نماز پڑھتا ہے، کون اسلام پر زیادہ شکر و فخر کرتا ہے، اور جس کو اللہ و رسول سے زیادہ محبت ہے، اسی کو فضیلت ہے، ایمان کی نسبت سب سے بڑی نسبت ہے، اس لئے فرمایا "ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا" ہمیں آتا ہے "انہ یرکم ہو و قبیلہ من حیث لاترونہم" شیطان اور اس کا لشکر تم کو دیکھتا ہے، اور تم اس کو نہیں دیکھتے۔

اور شیطان جن کے بھیس میں بھی ہے، اور انسان کے بھیس میں بھی آتا ہے، وہ دشمنوں کے بھیس میں بھی آتا ہے، اور دوستوں کے بھیس میں بھی آتا ہے، اس کو بہت سی زبانیں آتی ہیں، ہم سے آپ سے اچھی زبان بولتا ہے اور ہم سے اور آپ سے زیادہ اچھی زبان میں وہ سمجھاتا ہے، آپ ایسے سب دشمنوں سے ہوشیار رہئے، اسلام کی رسی

کو مضبوط پکڑیے، اس اس پر فخر کیجئے اس سے زیادہ فخر کی کوئی بات نہیں ہے، اسلام پر زندہ رہنے، اسلام پر مرجائیے، اسلام سیکھئے، اس کے لئے سرکنا بھی درست ہے لیکن غیر اسلام کے لئے خون کا ایک قطرہ بہانا بھی ناجائز۔

عرب میں ۶۶-۶۵ء میں ایک بڑا طوفان اٹھا، بڑی آندھی اٹھی ایک ایب آدمی پیدا ہو گیا (اجس نے) اکھوں عربوں کو پاگل بنا دیا، لیکن تھوڑے دن کے لئے اٹھ رہ گیا، اس کا رسول رہ گیا، قبلہ رہ گیا، اور مسجد نبوی رہ گئی، اور قرآن شریف رہ گیا اور وہ جادو و رخصت ہوا "ان الباطل کان دھوقاً" باطل کے پاؤں نہیں، صرف اللہ اور رسول قائم رہیں گے، آپ اسلام کے سوا کسی چیز پر فخر نہ کریں، اسلام کے نعرہ کے علاوہ کوئی چیز آپ کو اپنی طرف کھینچنے نہ پائے، اسلام کے رخ کے سوا کسی کی طرف آپ رخ نہ کریں بس یہی اسلام کا شکر ہے، یہی اسلام کا فخر ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ایمانوں اور دلوں کی حفاظت فرمائیں، ہمارے ایمان، ہمارے ساتھیوں کے ایمان اور ہمارے دلوں کی بھی اللہ حفاظت فرمائیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

محبت اور سچی روحانیت کی فتح

حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ تقریر جو اسلامک فاؤنڈیشن بنگلہ دیش کی طرف سے دیئے ہوئے استقبال اور اس کے ڈائریکٹر جناب ابو الفایز محمد یحییٰ صاحب کی خیر مقدمی تقریر کے جواب میں ۱۳ مارچ کو ہوٹل پوربانی میں مہمان کے اعزاز میں ڈنر کے موقع پر کی گئی۔

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید

الانبياء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین،

ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔ اما بعد!

ڈائریکٹر جنرل صاحب اسلامک فاؤنڈیشن اور معزز حاضرین!

میں اس وقت بڑا متاثر اور مسرور ہوں کہ اتنے چیدہ و برزیدہ منتخب دوستوں اور

داشوروں سے ایک جگہ مل رہا ہوں، چاہئے تو یہ تھا کہ میں خود گھر گھر جاتا اور آپ سے ملتا لیکن ایک آدمی کے لئے جس کا قیام مختصر ہو اور شہر بہت بڑا ہو یہ ممکن نہیں ہوتا، میں جناب ابوالفایہ محمد یحییٰ صاحب کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقعہ عطا کیا کہ میں ایک وقت میں اپنے اتنے عزیز و معزز بھائیوں سے مل سکوں۔

میں بات تکلف بہتا ہوں کہ اس وقت مجھے ہنگامہ زبان نہ جانے کا بہت افسوس ہو رہا ہے، زبانیں سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور خدا نے اپنا احسان رکھتے ہوئے، کسی کمزوری (WEAKNESS) کسی عیب کے طور پر نہیں، بلکہ تعریف کے موقعہ پر اور اپنی نعمت کو یاد دلاتے ہوئے زبانوں کے تنوع (VARIETY) کا ذکر کیا ہے۔

ومن ایتہ خلق السموت والارض و اختلاف

الستکم والوانکم ان فی ذلک لایت للعلمین O

(سورۃ الروم، ۲۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا ہے، اور اس میں سمجھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے اور بزرگالی زبان تو مسلمانوں کی زبان ہے، اس میں علم و ادب کا بڑا خزانہ ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ میں اس برصغیر کے ایک باشندہ ہونے کے ناطے ہنگامہ زبان سے وقف ہوتا، لیکن یہ میری کمزوری ہے کہ میں آپ سے آپ کی عزیز زبان میں اس وقت بات نہیں کر رہا ہوں، اگر اس کا کوئی متبادل طریقہ ہو سکتا تھا تو وہ یہ کہ میں عربی زبان میں بات کرتا اور آپ اس کو سمجھتے جو اسلام کی سرکاری زبان اور عالم اسلام کی سب سے محبوب اور سب سے وسیع زبان ہے۔

حضرات اہل بیت سے میں نے ایمان کی، علمائے کبار اور اولیائے عظام کی اس سرزمین پر قدم رکھا ہے، اس وقت سے میرا دل مسرت سے معمور ہے، میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اس سرزمین پر مسلمانوں کی اتنی کثیر آبادی کا وجود محض خلوص اور روحانیت کی فتح ہے، اگرچی روحانیت اور سیاسی مفادات سے بار تر خلوص نہ

ہوتا، کچی خدا پرستی اور انسانیت دوستی نہ ہوتی (جو ہمارے بزرگوں میں تھی) تو یہ سرزمین اسلام کی نعمت سے مالا مال اور اسلام سے عشق کرنے والی نہ ہوتی، آج ہمیں کسی ایک شخص کے دل کا جیتنا مشکل معلوم ہو رہا ہے، لیکن ہمارے بزرگوں نے کتنی آسانی کے ساتھ محض اپنے خلوص کی بدولت لاکھوں انسانوں کے دل میں گھر کر لیا اور ان کو اپنا عاشق و شیدائی بنالیا، یہاں مسلمانوں کی اکثریت کسی فوج کشی کا نتیجہ نہیں ہے، میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں اسلامی فوجیں نہیں گئیں، وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور جہاں صدیوں مسلمانوں کی حکومت رہی وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کشمیر حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کی محبت کا اسیر و پیچھے ہے، خدا کا ایک بندہ ایران سے آتا ہے اور سارا کشمیر اسلام کا کلمہ پڑھ لیتا ہے، اور اسلام سے اس کو ایسا عشق ہو جاتا ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے برہمن خاندانوں کے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، وہیں کے ایک برہمن زادہ (اقبال) کو ایک سید زادہ خطاب کرتے ہوئے یہ کہنے کا موقع ملا کہ ۔

توسید ہاشمی کی اولاد	میری کف خاک برہمن زاد
ہے فسفہ میرے آب و گل میں	پیوستہ ہے ریشہائے دل میں
اقبال اگرچہ بے ہنر ہے	اس کے رگ رگ سے باخبر ہے
عالم کی عشا ہو جس سے اشراق	مومن کی اذان ندائے آفاق

اقبال کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی یہ محبت کس نے پیدا کی، جس نے ان کی زبان سے کہلوایا ۔

وہ واناے سبل ختم الرسل مولاے کل جس نے غبار راہ کو بخش فروغ وادی سین
حدیث عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآن وہی فرقاں وہی لیس وہی طہ

یہ عشق رسول روحانیت نے پیدا کیا، خلوص نے پیدا کیا، کچی خدا پرستی اور کچی انسان

دوق نے پیدا کیا، جب خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم ہو جاتا ہے، جب یہ دو دریا آ کر مل جاتے ہیں، ایک طرف انسان خدا پرست ہوتا ہے، دوسری طرف انسان دوست ہوتا ہے، پھر اس کی فتوحات کو کوئی روک نہیں سکتا، پھر روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے، سچی خدا پرستی اور انسان دوستی دونوں اس طرح چلتے ہیں کہ ملک کے ملک ان کے قدموں پر جاتے ہیں، آج بھی دنیا کی مشکلات و مصائب کا علاج یہی خصوص ہے، سچی رومن نیت اور مفادات اور سیاسی اغراض سے بالاتر ہو کر خدمت کرنا ہے۔

مشرقی بنگال میں بھی درویش آئے، خدا پرست فقیر آئے، یہاں وہ آئے، جو انسان کو سینہ سے لگاتے تھے، اور انسانوں نے جو مصنوعی تقسیم کر رکھی تھی، آدم کی اولاد کو انہوں نے دو حصوں میں بانٹ دیا تھا، ایک انسان تھے، دوسرے وہ بد قسمت تھے، جن سے جو نوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا، وہ اسلام کا پیغام لے کر آئے، توحید ربانی اور وحدت انسانی کا پیغام لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے عربوں کو منیٰ طیبہ کر کے فرمایا، جو اس زمانہ کے سب سے بڑے نسل پرست اور زبان پرست تھے، حتیٰ کہ وہ ساری دنیا کو اپنے سامنے نہ دیکھتا تھا اور زبان سمجھتے تھے اور اپنی عربی زبان کے سامنے کسی زبان کو زبان نہیں سمجھتے تھے، اور اس کو منہ نہیں لگاتے تھے "ان ربکم واحد وان اباکم واحد، کلکم من ادم وادم من تراب، لافصل لعربی علی عجمی، ولالعجمی علی عربی، لا لأبيض علی اسود، ولا لاسود علی ابيض، الا بالتقویٰ۔"

یا اباہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانشی وجعلنکم

شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ○

(سورۃ الاحزاب ۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

محمد عربی ہاشمی قریشی ﷺ نے فرمایا کہ انسانو! اے لوگو! اے عربو! تمہارا خدا

تمہارا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک تھا، دو دو رشتوں سے تم ایک دوسرے کے بھائی ہو، ایک خدا کے رشتہ سے، خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے، دوسرے باپ کے رشتہ سے کہ تمہارے مولوثِ اعلیٰ ایک تھے، تو حیدر بانی اور وحدتِ انسانی دو ستون ہیں جن پر انسانیت قائم ہے، اگر ان میں سے ایک ستون بھی گرا دیا جائے تو تہذیب و تمدن کا یہ سارا قصر زمین پر آ جائے گا۔

انہیں صوفیوں اور انہیں درویشوں کے ذریعہ یہاں اسلام آیا، جنہوں نے دماغ سے بات کرنے سے پہلے دل سے بات کی، انہوں نے منہ کی زبان سے بات نہیں کی دل کی زبان سے کی، منہ کی زبانیں پچاسوں ہو سکتی ہیں، لیکن دل کی زبان ایک ہے، روح کی زبان ایک ہے، سچائی کی زبان ایک ہے، محبت کی زبان ایک ہے، محبت کی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی ہے، اور بعض مرتبہ ترجمان کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، آنکھوں کی چمک، لبوں کی مسکراہٹ دل سے ابلتا ہوا محبت کا فوارہ بڑے بڑے دشمنوں کو اور جنگل کے شیروں اور چیتوں کو اپنا کلمہ پڑھنے والا بنا لیتا ہے۔

میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے صرف ڈھا کہہ کے نہیں بنگلہ دیش کے دل و دماغ یہاں پر اکٹھا کر دیئے، کہ میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ جس ملک میں اتنے دانشور موجود ہوں، اسلام سے اتنی محبت کرنے والے موجود ہوں، جو اپنے ایک پر دیسی بھائی کا نام سن کر اپنے تمام ضروری کام چھوڑ کر یہاں جمع ہو جائیں، اس ملک کا رشتہ اسلام سے کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کیت (QUANTITY) اور کیفیت (QUALITY) دونوں حیثیتوں سے یہ مجمع بہت ممتاز ہے، یہ مجھے (خدا کی رحمت پر نظر کرتے ہوئے) یقین دلاتا ہے کہ جہاں اتنے مسلمان ہوں، جہاں اتنے دانشور (INTELLECTUALS) ہوں، جہاں اتنے پڑھے لکھے اسکالرز (SCHOLARS) ہوں، اس ملک کا اسلام سے علمی طور پر تہذیبی طور پر، کلچرل طریقہ پر رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا، آپ نے مجھے بڑا تحفہ دیا ہے کہ ایک جگہ پر ایک وقت میں اتنے آدمیوں سے ملا دیا۔

حضرات! آپ مجھے معاف کریں اگر میری بات لمبی ہو جائے میں ”دُخل

درماکولات“ کر رہا ہوں ”خل در معقولات“ بھی اچھی چیز نہیں ہے لیکن ”خل در
ماکولات“ اس سے بھی زیادہ سخت چیز ہے کہ یہ کھانے کا وقت تھا، میں آپ سے باتیں
کر رہا ہوں، کھانا تو مجھے ہر جگہ مل جائے گا، لیکن میں آپ کو کہاں ڈھونڈھوں گا۔؟

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، خوشامد میں نہیں کہتا کہ آپ کو اسلام سے محبت کرنے
والی جیسی مخلص اور سادہ دل قوم ملی ہے، بہت سے ملکوں کو نصیب نہیں، آپ اس کی
قدر کریں، آپ کو بڑے بڑے سیاسی POLITICIANS مل جائیں گے
DIPLOMATES مل جائیں گے، بڑے ذہین اور GENIUS لوگ مل جائیں گے،
لیکن سچائی اور محبت آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی، آپ کی قوم میں یہ سچائی اور محبت موجود ہے،
اب آپ اس سے کام لیں، میں TORONTO گیا، وہاں لوگوں نے مجھے
NIAGARA FALL دکھایا، وہ آبشار جو دنیا کے ساری عجائبات میں شمار ہوتی ہے کہ
ہزاروں فٹ سے پانی گرتا ہے، دنیا بھر کے سیاح اس کو دیکھنے جاتے ہیں، میں بھی
گیا، اس نیاگرہ آبشار سے بجلی نہ پیدا کی جائے، اس سے ELECTRICITY نہ لی
جائے، اس سے وہ انرجی ENERGY نہ لی جائے، اور اس سے کھیتیاں نہ سینچی جائیں
تو نیاگرہ فال ضائع ہوا کہ کام آیا؟ آپ کو خدا نے ایک آبشار دی ہے، یہ ایمان کی
آبشار ہے جو آپ کو اس قوم کی شکل میں حاصل ہے، یہ سچائی کی، خلوص کی آبشار ہے، اس
سے بجلی پیدا کریں، آپ جن مسائل کو سمجھ رہے ہیں کہ وہ ناقابل حل ہیں، وہ سب
مسئلے چٹکیوں میں حل ہو سکتے ہیں، اگر سچائی اور خلوص ہو، آپ کی قوم میں وہ جو ہر موجود
ہے، اس سے آپ جو کام لینا چاہیں وہ کام لے سکتے ہیں۔

لیکن یہ سیاسی لیڈروں کا کام نہیں ہے، یہ سچے دل والوں کا، خلوص والوں کا کام
ہے، جو اپنے دل میں محبت رکھتے ہوں، جو اس قوم کو دینا چاہتے ہوں، اس قوم سے
لینا نہیں چاہتے ہوں جو اس قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہوں، اور خدا سے اس کا ثواب
چاہتے ہوں، وہ اس قوم سے اکسیر بنا سکتے ہیں، سونا بنا سکتے ہیں، یہ قوم تو سونا ہے، یہ قوم
یہاں بنگلہ دیش ہی میں نہیں پورے عالم اسلام میں ایک نئی طاقت پیدا کر سکتی ہے، لیکن یہ

جب ہوگا جب ہم اس نعمت کی قدر کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس قوم کی شکل میں دی ہے، یہ ”نیا گرہ فال“ ہے، آپ اس سے بجلی پیدا کریں، یہ پانی ضائع ہو رہا ہے، کتنے دنوں سے ضائع ہو رہا ہے، اس سے آپ اگر بجلی پیدا کریں تو نہ بجلی سارے برصغیر SUB
CONTINENT کو منور و روشن کر سکتی ہے، اور عالم عربی تک یہ روشنی جاسکتی ہے۔

آپ اپنی قوم کی قدر کریں اور جو خلیج GULF پرانے طبقہ کے درمیان اور نئی نسل YOUNG GENERATION کے درمیان، اور علماء اور یونیورسٹیوں کے گریجویٹس کے درمیان پڑ گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ گہری اور وسیع ہوتی جا رہی ہے، آپ اس خلیج کو پر کریں، دونوں طبقے گلے ملیں، قدیم علماء دینی مسائل میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں، آپ کی رہنمائی کر سکتے ہیں، آپ کو قرآن کی تعلیمات سے آشنا کر سکتے ہیں، اور جدید تعلیم یافتہ اس کو لے کر بنگلہ زبان میں پھیلا سکتے ہیں، دونوں مل کر اس ملک کو طاقتور اور اسلام کا علمبردار بنائیں، یہ عالم اسلام کا دوسرے نمبر کا بڑا خاندان ہے، اس کو اپنی ذمہ داری، اپنی طاقت اور اپنی قیمت محسوس کرنی چاہئے، اور بڑے بھائی کی طرح چھوٹے بھائیوں جو تعداد میں کم ہیں نگاہ د کرنی چاہئے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے طاقت کے ایک نئے خزانہ سے واقف کرایا، آپ نے امید کی ایک دنیا آباد کر دی، میرے دل پر جس پر بار بار عالم اسلام کے واقعات کود کیکھ کر مایوسی کا حملہ ہوتا رہا ہے، لبنان کے واقعات کود کیکھ کر، عراق و ایران کی جنگ کود کیکھ کر اور عرب ملکوں کی دولت کا غلام بن جانے کی حالت کود کیکھ کر جو میرے دل پر چوٹ لگتی رہی ہے، آپ نے اس میں تھوڑی سی کمی پیدا کی، ابھی اسلام کا ستارہ بلند ہے، اور کیا تعجب ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ MODERN
RENAISSANCE یہاں سے پیدا ہو اور میں صاف کہتا ہوں ایک ہندوستانی مصنف کی حیثیت سے (جیسا کہ میرا تعارف کرایا گیا) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب طرح کی صلاحیتیں دی ہیں، الحمد للہ آپ میں کسی بات کی کمی نہیں ہے، صرف اس کی ضرورت ہے کہ اسلام کے رشتہ کو اور نسبت کو آپ ہر چیز پر ترجیح دیں کوئی چیز اس کے راستہ میں

رکاوٹ نہ بنے، اصل تعلق خدا کا ہے، جہاں ہم سب کو جانا ہے، اور وہاں کوئی چیز کام نہیں آئے گی سوائے ایمان اور عقیدہ کے اور نیک عمل کے، ہم سب انسانوں سے محبت کریں، سب زبانوں کے ساتھ محبت رکھیں، اپنی زبان کو ترقی دیں، اس سے پیار کریں، مگر نفرت کسی زبان سے نہ کریں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ ایسے عالم وادیب بھیجیں جو ہندوستان میں بنگلہ زبان کی تعلیم دیں، زبانوں کے تعصب سے اسلام کی تاریخ آشنا نہیں، مسلمانوں نے سب زبانوں کو سیکھا اور ان میں کمال پیدا کیا اور ان کو اسلامی لٹریچر سے مالا مال کر دیا، فارسی کیا تھی، آتش پرستوں کی زبان تھی، اس کی شاعری کی تاریخ پڑھئے، اس نے سعدی کو پیدا کیا، حافظ کو پیدا کیا، جلال الدین رومی کو پیدا کیا، عرفی اور نظیری کو پیدا کیا، مولانا جامی اور قسسی کو پیدا کیا اور کیسے کیسے عالم پیدا کئے مجھے یہاں آ کر جس سے سب سے بڑی امید پیدا ہوئی وہ اسلامک فاؤنڈیشن ہے، یہ ایک ایسا ادارہ ہے کہ جو ہمارے INTELLECTUALS کے لئے، یونیورسٹیوں سے نکلنے والے نوجوانوں کے لئے اسلامی کتابیں ان کی زبان میں پیش کرے گی، اور اس کی زبان، اس کا اسٹائل ہر چیز اس کی آئیڈیل IDEAL اور معیاری ہوگی، یہ امید کا ایک ستارہ ہے جس سے اس ملک میں روشنی پھیلنے کی امید ہوتی ہے اور اس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔

میں ان الفاظ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اور پھر اسلامک فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے یہ زین اور تاریخی موقعہ فراہم کیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین